إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا

کفر و الحاد کی بے نظیر تحقیق

اِکفار المُلحِدین

تصنیف

امام العصر حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ

مترجم

مولانا محمد ادریس میرٹھی نور اللہ مرقدہ

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِيٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا

کفر و الحاد کی بے نظیر تحقیق

اِکفار المُلحِدِین

تصنیف:
امام العصر حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ

مترجم:
مولانا محمد ادریس میرٹھی
استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب: ـــــــــ ترجمہ اِکفارُ الملحِدِینؒ

مصنف: ـــــــــ علامہ محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ

اشاعت اول: ـــــــــ ۱۳۸۷ھ (ادارہ مجلس علمی کراچی)

اشاعت اول: ـــــــــ رجب ۱۴۲۴ھ، ستمبر ۲۰۰۳ء

کمپوزنگ: ـــــــــ صدیقی کمپوزرز، ماڈل کالونی، کراچی

فون: 0320-4084547,4504007

ناشر: ـــــــــ مکتبہ لدھیانوی

ملنے کا پتہ:

18- سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ:

”تعرض الفتن على القلوب كالحصير عودًا عودًا فاى قلب اشربها نكتت فيه نكتة سوداء، واى قلب انكرها نكتت فيه نكتةً بيضاء حتى تصير على قلبين ابيض مثل الصفا فلا تضره فتنة ما دامت السموات والارض، والآخر اسود مربادًا كالكوز مخجيًا لا يعرف معروفًا ولا ينكر منكرًا الا ما اشرب من هواه.“ (مشکوٰۃ ص:۴۶۱)

ترجمہ:......”فتنے قلوب کے سامنے اس طرح آئیں گے، جیسے چٹائی میں ایک تنکا بُنا جاتا ہے، سو جس دل نے ان کو جذب کرلیا، اس پر سیاہ داغ اور جس دل نے ان سے تنفر کیا،

اس پر سفید نشان لگتا جائے گا، یہاں تک کہ دلوں کی دو قسمیں ہو جائیں گی، ایک سفید، سنگِ سفید کی طرح صاف ستھرا اور چکنا کہ رہتی دنیا تک اسے کوئی فتنہ نقصان نہیں دے گا۔ دوسرا کالا بھجنگ، کوزہ کی مانند الٹا، یہ سوائے اپنی خواہش کے، جو اس میں رچ بس گئی ہے، نہ کسی بھلائی کو بھلائی سمجھے گا، نہ بدی کو بدی۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں دوسرے فتنوں کے ظہور کی پیش گوئی فرمائی، وہاں جھوٹے مدعیان نبوت کے خروج کی بھی اطلاع دی تھی۔ سب سے پہلے جھوٹے مدعی نبوت اسود عنسی کو حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے یمن میں، اور دوسرے نمبر پر مسیلمہ کذاب کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ''حدیقۃ الموت'' میں اس کی نبوت و امت سمیت دفن کیا تھا۔ بعد کے دور میں جب بھی امت میں نبوتِ کاذبہ کا دجالی فتنہ اٹھا تو اس کی سرکوبی کے لئے ایسے رجالِ کار کو کھڑا کیا گیا، جن میں یہی صدیقی نسبت کارفرما تھی۔ چنانچہ اسی سنتِ الٰہی کے مطابق جب چودھویں صدی کے اوائل میں مرزا غلام احمد قادیانی ملعون کی نبوتِ کاذبہ کا فتنہ برپا ہوا، جو بلاشبہ اس صدی کا سب سے منحوس و ملعون فتنہ تھا، تو اس شجرۂ خبیثہ کے استیصال کے لئے اللہ تعالیٰ نے علماء و مشائخ کی ایک جماعت کو کھڑا کیا۔

اس فتنہ کا ادراک سب سے پہلے سید الطائفہ قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کو ہوا، اور منکرینِ ختم نبوت کے خلاف سب سے پہلا فتویٰ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ نے ''تحذیر الناس'' کی شکل میں دیا۔ اس کے بعد علماء لدھیانہ اور پھر حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے منکرینِ ختم نبوت اور دجالِ قادیان کے خلاف فتاویٰ جاری کئے، اور پھر ان کے جانشینوں نے اس دجال کے خلاف معرکۂ کارزار گرم کیا۔

اس فتنہ کے استیصال کے لئے یوں تو بہت سے اکابر نے زریں خدمات

انجام دیں، لیکن جس شخصیت کو اس دور کی قیادت و امامت تفویض ہوئی، وہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامی تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو قادیانی فتنہ نے کس قدر بے قرار کر رکھا تھا؟ اس کی تفصیلات حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ یوں سناتے ہیں:

''امت کے جن اکابر نے اس فتنہ کے استیصال کے لئے محنتیں کی ہیں، ان میں سب سے امتیازی شان حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھی، اور دارالعلوم دیوبند کا پورا اسلامی اور دینی مرکز، انہیں کی انفاسِ مبارکہ سے اس شجرۂ خبیثہ کی جڑوں کو کاٹنے میں مصروف رہا۔ قادیانیوں کے شیطانی وساوس اور زندیقانہ دسائس کا امام العصر نے جس طرح تجزیہ کر کے ان پر تنقید کی، اس کی نظیر عالم اسلام میں نہیں ملتی۔ حضرت مرحوم نے خود بھی گراں قدر علوم و حقائق سے لبریز تصانیف رقم فرمائیں اور اپنے تلامذہ مدرسینِ دیوبند سے بھی کتابیں لکھوائیں اور ان کی پوری نگرانی و اعانت فرماتے رہے۔ میں نے خود حضرتؒ سے سنا ہے کہ: ''جب یہ فتنہ کھڑا ہوا تو چھ ماہ تک مجھے نیند نہیں آئی، اور یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ کہیں دینِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے زوال کا باعث یہ فتنہ نہ بن جائے۔'' فرمایا چھ ماہ کے بعد دل مطمئن ہوگیا کہ انشاءاللہ دین باقی رہے گا اور یہ فتنہ مضمحل ہوجائے گا۔

میں نے اپنی زندگی میں کسی بزرگ اور عالم کو اتنا دردمند نہیں دیکھا جتنا کہ امام العصر کو، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دل میں ایک زخم ہوگیا جس سے ہر وقت خون ٹپکتا رہتا ہے۔ جب

مرزا کا نام لیتے تو فرمایا کرتے تھے: ”لعین بن لعین، لعینِ
قادیان“ اور آواز میں ایک عجیب درد کی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔
فرماتے تھے: لوگ کہیں گے یہ گالیاں دیتا ہے، فرمایا کہ: ہم اپنی
نسل کے سامنے اپنے اندرونی دردِ دل کا اظہار کیسے کریں؟ اور
ہم اس طرح قلبی نفرت اور غیظ وغضب کے اظہار پر مجبور ہیں۔“
(شخصیات وتاثرات ج:۱ ص:۴۱،۴۲)

آپ نے اسی درد و کرب سے فتنۂ قادیانیت کے استیصال، اپنی نسل اور امتِ مسلمہ کے ایمان وعقیدہ کے تحفظ کے لئے تردیدِ قادیانیت پر نہایت وقیع کتب تصنیف فرمائیں، جن میں سب سے اہم کتاب ”اِکفارُ المُلحِدِینؒ“ تھی، جس میں آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر کے وجوہ، زندیقین، ملحدین کی تعریف، اہل قبلہ کی عدمِ تکفیر کے مغالطوں، ملحدین و زندیقین کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کے جواب کے علاوہ آپ نے ضروریاتِ دین کے انکار پر لزومِ کفر کو قرآن و حدیث، اکابر صحابہؓ، تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور اکابر علمائے امت کے اجماع سے نہایت بسط وتفصیل سے مبرہن فرمایا۔

حضرت امام العصرؒ کے علوم و معارف اور تحقیق و تدقیق کا یہ بحرِ بے کراں چونکہ عربی میں تھا، جس سے عوام تو کیا، اچھے خاصے پڑھے لکھے یا میرے جیسے مولوی بھی کما حقہ استفادہ نہیں کرسکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرتؒ کے شاگردِ رشید اور حضرت بنوری قدس سرہٗ کے رفیق ومعتمد حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ کو جنہوں نے نہایت عرق ریزی سے اس کو اردو کے قالب میں ڈھالا، پھر حضرت بنوری قدس سرہٗ کی نظر ثانی کے بعد اس خزانۂ عامرہ کو مجلس علمی کراچی نے شائع کیا۔

مگر افسوس کہ ایک عرصہ سے یہ کتاب نایاب تھی، ہمارے دوست جناب مولانا محمد عابد صاحب مدظلہٗ استاذِ تفسیر جامعہ خیرالمدارس ملتان، نے راقم الحروف کو

اس طرف متوجہ کیا اور لکھا کہ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اس وقت حیات ہوتے تو ہم ان سے اس کی اشاعت مکرر کی درخواست کرتے، اب جب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں تو آپ ان کی نیابت کرتے ہوئے اس کو شائع کریں۔

اسی طرح متعدد دوسرے اہل علم نے بھی راقم کو اس طرف متوجہ کیا تو اللہ کے بھروسے پر کتاب تلاش کی اور کام شروع کردیا۔ خیال تھا کہ پہلی طباعت کا عکس شائع کردیں گے، لیکن دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس کی طبع اول کے نقوش دھیمے تھے، اس لئے کمپیوٹر سے نئی کمپوزنگ کے بعد اس کو مکتبہ لدھیانوی کی طرف سے حسبتاً للہ شائع کیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے رفقاء مولانا نعیم امجد سلیمی اور بھائی عبداللطیف صاحب کو جنھوں نے اس میں راقم کی بھرپور معاونت فرمائی، حوالے ملائے اور پروف پڑھے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو قبول فرماکر ہماری مغفرت، مصنف و مترجم، حضرت بنوریؒ اور ہمارے شیخ شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے رفع درجات اور امت کی ہدایت وراہ نمائی کا ذریعہ بنائے، آمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

خاکپائے حضرت لدھیانوی شہیدؒ

سعید احمد جلال پوری

۱۴۲۴/۵/۱۵ھ

فہرست

خاتمہ

کبار علماء کی تصانیف سے اہم ترین اقتباسات ۳۴۵

تاویل باطل سے علمائے حق کی ممانعت ۳۸۲

شیخ المشائخ خاتمۃ المحدثین

تعارف

الحمد للہ رب العالمین ولا عدوان الا علی الظالمین
والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین!

سرزمینِ بیت الحرام میں ''غارِ حرا'' کے افق سے نبوت کبریٰ کا آفتاب عالم تاب طلوع ہوا، اور زمینی مخلوق کے لئے آسمانی پیغام ہدایت کی ضیاپاشیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''خاتم النبیین'' کے منصب پر فائز ہوگئے، قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوگیا، کفارِ مکہ اور جزیرۃ العرب کے یہود و نصاریٰ پوری مخالفت بلکہ جحود وعناد پر اتر آئے، لیکن اسلام کے خلاف ان کی ساری تدبیریں خاک میں مل گئیں اور نہ صرف عہدِ نبوت میں بلکہ عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں بھی اسلام کے روز افزوں عروج واستحکام کی یہی صورت حال قائم رہی اور اسلام شرقاً وغرباً تمام دنیا میں بَن کی آگ کی طرح پھیلتا چلا گیا، مگر اسی کے ساتھ ساتھ اعدأ اسلام کے حلقوں میں اسلام کے خلاف غیظ وغضب بھی بڑھتا چلا گیا، مشیتِ الٰہی سے عہدِ عثمانی میں عہدِ فاروقی جیسا تدبر و تیقُّظ قائم نہ رہ سکا، اس لئے مریض القلب لوگوں نے خصوصاً نام نہاد مسلمان یہودیوں نے خفیہ ریشہ دوانیاں شروع کردیں، تا آنکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے، اور اب چاروں طرف سے

علی الاعلان فتنوں نے سر اٹھایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان فتنوں کا بازار ''حرب و پیکار'' کی شکل میں گرم ہونا شروع ہوگیا اور اسلام کو شدید ترین داخلی و خارجی خطرات کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت نہ ہوتی تو شاید اسلام ختم ہوجاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے حلم وفراست کی برکت سے اسلام کی حفاظت فرمائی۔ جس طرح عہد صدیقی میں فتنۂ ارتداد اور مانعین زکوٰۃ کا فتنہ پوری قوت کے ساتھ رونما ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حزم وعزم صدیقی کی برکت سے اسلام کی حفاظت کی تھی، ٹھیک اسی طرح فتنۂ خوارج وشیعیت کی شدت کی وجہ سے خلافت علی مرتضٰیؓ میں زوالِ اسلام کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا، اسلام تو بچ گیا لیکن ''جنگِ جمل'' اور ''جنگِ صفین'' جیسے دردناک واقعات اور خونچکاں حوادث ضرور رونما ہوئے اور اسلام کی مقدس سرزمین صحابہؓ وتابعینؒ کے خون سے ضرور لالہ زار بنی، جس کے نتیجے میں ''فتنۂ شیعیت'' و''فتنۂ رفض'' اور ''فتنۂ خارجیت'' و''اعتزال'' وغیرہ سیاسی و دینی فتنوں کی جڑیں دور دور پھیل گئیں اور پہلی مرتبہ علمی اعتبار سے ''مسئلۂ ایمان'' و ''مسئلہ کفر'' سامنے آیا اور اس کی عملی تحقیق کی ضرورت پیش آئی۔

لطف کی بات یہ تھی کہ خوارج ومعتزلہ بھی ایمان وتوحید کے مدعی تھے اور شیعہ وروافض بھی اسلام ومحبت اہل بیت کے دعوے دار تھے، مگر دونوں فرقے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تکفیر پر متفق تھے اور اپنے اپنے ایمان واسلام کا دعویٰ بھی کرتے تھے، پھر انہی دونوں شاخوں سے پھوٹ کر ''جہمیہ''، ''مرجیہ''، ''کرامیہ'' وغیرہ نو بنو مدعی اسلام فرقے پیدا ہوتے چلے گئے، جن میں سے ہر ایک فرقہ اپنے سوا سب کو کافر کہتا تھا۔

اس لئے ''اسلام'' کی حفاظت کے لئے شدید ضرورت پیش آئی کہ محققانہ انداز میں اس مشکل کو حل کیا جائے کہ ''مناط'' ومدارنجات کیا چیز ہے؟ اور ''ایمان'' کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اور ''کفر'' کی اصل بنیاد کیا ہے؟

چنانچہ امام احمد بن حنبل، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوعبید قاسم بن سلاّم، محمد بن نصر مروزی، محمد بن اسلم طوسی، ابوالحسن بن عبدالرحمٰن بن رُستہ، ابن حبان، ابوبکر بیہقی وغیرہ ائمہ حدیث رحمہم اللہ نے ''مسئلۂ ایمان'' پر محدثانہ کتابیں لکھیں۔ محدثین کے طرز پر حافظ ابن تیمیہؒ کی ''کتاب الایمان'' شاید آخری کتاب ہو، لیکن علمی ونظری مکاتب فکر کے نقطہ نظر سے یہ محدثانہ تالیفات کافی نہ تھیں، اس لئے متکلمین نے اس میدان میں قدم رکھا اور قدمأ متکلمین کی تصانیف میں بھی یہ مسائل زیر بحث آئے۔ امام ابوالحسن اشعریؒ سے لے کر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ تک کبار متکلمین نے خوب علمی ونظری تحقیقات کی داد دی اور ان مسائل پر سیر حاصل عقلی ونقلی (غیرنقلی) بحثیں کیں، حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد غزالی طوسیؒ متوفی ۵۰۵ھ غالباً پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس موضوع پر مستقل محققانہ کتاب لکھی، جس کا نام ''**فیصل التفرقة بين الاسلام والزندقة**'' ہے، مصر و ہندوستان دونوں جگہ طبع ہوئی ہے۔

رفتہ رفتہ فقہأ کے حلقہ میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا اور فقہأ کرام نے اپنے مخصوص فقہی انداز میں بھی خوب خوب لکھا، لیکن ایک طرف تو امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہ قول: ''**لا نكفر احدًا من اهل القبلة.**'' امت کے سامنے تھا، دوسری طرف یہ اجماعی مسئلہ طے شدہ تھا کہ: ''ضروریات دین میں سے کسی بھی امر ضروری کا انکار کفر ہے۔'' بلکہ ''ضروریاتِ دین میں ''تاویل'' بھی موجب کفر ہے۔''

اسی طرح ایک طرف یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ: ''لازم مذہب مذہب نہیں ہے، جب تک التزام کفر نہ کیا جائے، لزوم کفر سے کفر لازم نہیں آئے گا۔'' اسی بحث کے ذیل میں یہ مسئلہ بھی پیدا ہوا کہ ''ضروریاتِ دین'' کے باب میں بھی یہ ضابطہ جاری ہے یا ''ضروریاتِ دین'' اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں؟ نیز مسئلہ تکفیر میں ''دلیل قطعی'' ضروری ہے یا ''ظنی ادلہ'' سے بھی تکفیر کی جاسکتی ہے؟

الغرض موضوع اپنی اہمیت کے پیش نظر اور نزاکت کے اعتبار سے زیادہ سے

زیادہ الجھتا گیا اور ایمان وکفر کا بدیہی مسئلہ نظری بن کر رہ گیا، اُدھر اعدأ دین کو ان علمی بحثوں اور کاوشوں سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کے مواقع ملتے چلے گئے۔

اسی اثنا میں سرزمین پنجاب کے اندر ایک ''مدعی نبوت'' پیدا ہوگیا، جس نے اپنی مستقل تشریعی نبوت کو منوانے کی غرض سے ''قطعی امور دین'' کا انکار کرنا شروع کردیا، ''ختم نبوت'' جیسے اجماعی و اساسی طے شدہ مسئلہ کو ازسرنو زیر بحث لایا، ''جہاد'' اور ''حج'' کے اس زمانہ میں منسوخ ہونے کا اعلان کیا، اسی کے ساتھ ساتھ ازراہ تلبیس ''تبلیغ اسلام'' کے بلند بانگ دعوے بھی کرتا رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مختلف جہات سے دین کی حفاظت کے لئے شدید ضرورت پیش آئی کہ ان موضوعات پر ایک فیصلہ کن محققانہ تالیف امت کی رہنمائی کے لئے سامنے آئے تاکہ ان دقیق اور الجھے ہوئے مسائل میں آئندہ نسلوں کو کفر و اسلام کے اندر امتیاز کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

لیکن ان موضوعات سے عہدہ برآ ہونا نہ ہر عالم وفقیہ کا کام تھا اور نہ ہر صاحب قلم مصنف ومؤلف کا، بلکہ اس کے لئے ایک ایسے محقق روزگار کی ضرورت تھی جو محدث بھی ہو اور فقیہ بھی، متکلم بھی ہو اور اصولی بھی، مؤرخ بھی ہو اور تاریخ ملل و نحل کا محقق بھی، وسیع النظر بھی ہو اور منصف مزاج بھی، اس کی زندگی علوم و مشکلاتِ علوم کی تحقیق اور عقدہ کشائی میں گزری ہو، مجتہدانہ ذوق کا مالک ہو، فتنوں اور فرقوں کی تاریخ سے بصیرت افروز واقفیت رکھتا ہو۔

حق تعالیٰ نے اس علمی و دینی عظیم الشان خدمت کے لئے امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی نور اللہ مرقدہ، کا انتخاب فرمایا جو اپنے عہد میں علوم اسلامیہ میں ''امامت کبریٰ'' کا درجہ رکھتے تھے، ایسے یگانہ روزگار تھے جن کی مثال گزشتہ صدیوں میں بھی مشکل سے ملے گی، قدمأ و متاخرین میں چند نفوس قدسیہ جس جامعیت عظمیٰ کے حامل گزرے ہیں، حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ، بھی انہی جیسی

نادرۂ روزگار ہستی کے مالک تھے۔

اس موضوع پر قدماء و متاخرین فقہاء، متکلمین، محدثین و مفسرین کے علمی کارناموں یعنی تصانیف میں جہاں بھی ''غُررنقول'' (زریں اقتباسات) تھے، اگرچہ بعید سے بعید ترین مظان (مقامات) میں تھے، ان سب کے جواہر و دُرر کو حیرت انگیز غوّاصی کے کرشمے دکھاکر امت کے سامنے رکھ دیا، اور یہ تفحص و تجسس کا دائرہ مطبوعات تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ اس مقصد کے لئے نادر ترین ''مخطوطات'' (قلمی کتابوں) کے عام دسترس سے باہر علمی سمندروں میں بھی شناوری اور غوّاصی فرمائی ہے۔ اور نہ صرف خاص خاص ابواب متعارفہ اور مظانّ متوقعہ (متوقع مقامات) کی مراجعت فرمائی ہے، بلکہ بعض مخطوطات کو اول سے آخر تک مطالعہ کرکے پوری کتاب میں جہاں جہاں دُرر بے بہا (قیمتی اقتباسات) ہاتھ آتے گئے، پروتے گئے، محقق ابن وزیر یمانی کی محققانہ ضخیم غیر مطبوعہ کتاب ''القواصم والعواصم'' پوری مطالعہ کرکے سارے متعلقہ ٹکڑے (اقتباسات) یک جا جمع فرمادیئے، اسی طرح ''فتح الباری'' جیسی ضخیم تیرہ جلدوں کی کتاب میں جہاں جہاں کوئی مفید مطلب مضمون ملا، جمع فرمادیا، کیا کوئی بھی عالم و محقق تصور کرسکتا ہے کہ ''ادیب قلقشندی'' کی خالص ادبی کتاب ''صبح الاعشی فی فن الانشاء'' میں بھی اس خالص دینی موضوع سے متعلق کوئی چیز ہوگی؟ لیکن امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے وہ بھی اوجھل نہ رہ سکی، اس سے بھی استفادہ فرمایا۔ امام بخاریؒ کی کتاب ''خلق افعال العباد''، امام ذہبیؒ کی ''کتاب العلو''، بیہقیؒ کی ''کتاب الاسماء والصفات''، ابن حزمؒ کی ''کتاب الفصل فی الملل والاھوء والنحل''. عبدالقادر تمیمی بغدادی کی کتاب ''الفَرق بین الفِرَق''، ابوالبقاؒ کی کتاب ''الکلیات''، شیخ اکبر کی ''الفتوحات المکیۃ''، شعرانی کی ''الیواقیت والجواھر''. سیوطی کی کتاب ''الخصائص'' وغیرہ وغیرہ کے اقتباسات وحوالے اسی طرح آتے ہیں جیسے کتب کلام وکتب فقہ وکتب

اصول و کتب حدیث و اصولِ حدیث اور تفاسیر کے اقتباسات و حوالہ جات آتے ہیں، حافظ ابن تیمیہؒ کی تصانیف: ''کتاب الفتاویٰ'' ٦ جلد، ''المنهاج''، ''الصارم المسلول''، ''بغية المرتاد''، ''كتاب الايمان'' اور ''الجواب الصحيح'' میں جہاں جہاں مفید مطلب مسئلہ نظر آیا، نقل فرمادیا۔ حافظ ابن قیم کی تصانیف ''شفاءَ العلیل''، ''زاد المعاد'' وغیرہ میں جہاں جہاں اہم نقول (اقتباسات) ملی ہیں، برمحل نقل فرمادی ہیں۔ اس طرح تقریباً دوسو کتابوں کے صدہا اقتباسات اور حوالہ جات ہر مسئلہ اور ہر عنوان کے تحت اس حیرت انگیز استقصاءَ کے ساتھ جمع فرمائے ہیں کہ دیکھنے والے کو گمان ہوتا ہے کہ شاید ساری زندگی اسی کتاب کی نذر ہوگئی ہوگی، لیکن آپ کو یہ سن کر تعجب در تعجب ہوگا کہ اس انداز کی یہ جامع کتاب صرف چند ہفتوں میں تصنیف فرمائی ہے، لیکن یہ اسی جلیل القدر، محیر العقول ہستی کا کارنامہ ہوسکتا تھا جس نے سارے علمی کتب خانے کھنگال ڈالے تھے اور ہر مطالعہ کی ہوئی کتاب ہمہ وقت اس طرح مستحضر رہتی تھی جیسے ابھی دیکھی ہے۔

پھر بڑی خوبی یہ ہے کہ تنہا کتب حنفیہ سے نقول (اقتباسات) جمع نہیں کئے، تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ: ''یہ تو مخصوص مکتب فکر کا نقطۂ نظر ہے۔'' بلکہ کتب مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور کتب ائمہ اربعہ سے نوادرِ نقول (اقتباسات) پورے استیفا و استقصا کے ساتھ جمع کئے ہیں تاکہ یہ ثابت ہو کہ یہ پوری امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اور تمام ائمہ مذاہب کا متفقہ فیصلہ ہے اور کسی پہلو سے بھی حرف گیری یا شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے، اسی طرح متکلمین میں سے ''ماتریدیہ''، ''اشاعرہ'' اور ''حنابلہ'' کی کتب عقائد و کلام سے بھی موقع بموقع اقتباسات پیش کئے ہیں، اور کسی بھی پہلو سے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ہے۔

پھر جتنے محقق اہل علم، اکابر دیوبند تھے ان سب کی ''تقریظات'' صرف اس لئے حاصل کی گئیں تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ یہ کوئی ''شخصی رائے'' نہیں ہے، بلکہ دورِ

حاضر کے اکابر امت کا اجماعی فیصلہ ہے، اور اس میں کوئی عالم دین بھی مخالف نہیں ہے، ''تقریظیں'' لکھنے والے قابل ذکر حضرات یہ ہیں:

۱:......حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی مفتی دار العلوم دیوبند۔

۲:......حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی۔

۳:......حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری المدنی۔

۴:......حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوری، شاگرد حضرت نانوتوی۔

۵:......حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی۔

۶:......امیر شریعت بہار حضرت مولانا محمد سجاد بہاری۔

۷:......حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، رحمہم اللہ تعالیٰ جمیعاً رحمۃً واسعۃً۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے اس آخری دور میں امام العصر حضرت شیخ رحمہ اللہ کو اسی قسم کی علمی مشکلات حل کرنے کے لئے پیدا فرمایا تھا، ان کی تالیفات تصنیفی ہوں یا املائی، سب میں یہ خصوصیت جلوہ گر ہے۔ حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''حضرت شاہ صاحب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ علوم وفنون کی ارواح و مشکلات پر حاوی و مطلع ہیں، جب کوئی شخص ان سے کسی بھی علم کا کوئی دقیق سے دقیق اور مشکل سے مشکل مسئلہ حل کرنے کے لئے سوال کرتا ہے تو فوراً برجستہ جواب حاضر پاتا ہے، اس طرح جیسے مدتوں سے اس مشکل کو حل کئے بیٹھے ہیں۔''

پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ اکابر امت اور کبار محققین علوم کی نقول (اقتباسات) پیش کر دینے پر اکتفا کیا ہو، اگرچہ اس انداز سے ایک موضوع پر ان سب اقتباسات کو ایک جگہ جمع کر دینا بھی افراد امت ہی کا کام ہے، بلکہ ان نقول و

اقتباسات سے جو علمی فوائد و نکات اخذ کئے ہیں، اور زیرِ نظر موضوع کی تائید میں جو مجتہدانہ استنباطات کئے ہیں یہ صرف انہی کا کام تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس گوناگوں اور نت نئے فتنوں کے دور میں کہ کہیں ''مرزائیت'' کا فتنہ ہے تو کہیں ''خاکساریت'' کا، کہیں ''پرویزیت'' کا فتنہ ہے تو کہیں ''فضل الرحمٰن'' کی مستشرقانہ تحقیقات کا، اگر ایسی محققانہ اور جامع کتاب نہ ہوتی تو آج ''کفر و ایمان'' کا مسئلہ شدید بحران اور پورے اشتباہ میں پڑا ہوتا اور دورِ حاضر کے علماء میں سے کسی عالم کے بس کا نہ تھا کہ ایسا مدلل و منقح اور بصیرت افروز و محققانہ ذخیرہ جمع کر سکے کہ ہر فتنہ کی سرکوبی و تردید کے لئے کافی ہو، اور امت کے ذمہ یہ ''فرض کفایہ'' یونہی رہ جاتا، لیکن الحمد للہ علی احسانہ یہ مسئلہ اتنا واضح ہوگیا کہ اب کسی کے لئے کوئی شک وشبہ کی گنجائش اور عذر باقی نہ رہا۔

لیکن یہ کتاب عربی زبان میں تھی اور سارے نقول (اقتباسات) بھی عربی زبان میں تھے اور ان سے اخذ کردہ نتائج اور حضرت شیخ کے استنباطات بھی چیستان کی حد تک دقیق عربی زبان میں تھے، چنانچہ سرسری نظر سے پڑھ کر عربی دان اور علماء بھی اس کو ایک اقتباسات کی فہرست سمجھ کر چھوڑ دیتے تھے، علاوہ ازیں بہت سے مقامات پر یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا تھا کہ اقتباس کتنا ہے اور حضرت شیخ کی عبارت کتنی؟ غرض علماء کے لئے بھی اس دقت و اختصار کی وجہ سے کما حقہ استفادہ بڑے غور و خوض کا محتاج تھا۔

مجلس علمی کراچی کا یہ احسان ہے کہ اس نے وقت کی اہم دینی ضرورت کا احساس کیا اور ایک محقق عالم و ممتاز فاضل کو، جسے حضرت شیخ رحمہ اللہ سے شرف تلمذ اور خصوصی تعلق کے ساتھ ہی ان کے علوم سے فی الجملہ مناسبت بھی ہے اور ساری عمر علوم و فنون کی بادیہ پیمائی میں گزری ہے، کتاب کے اردو ترجمہ کے لئے انتخاب کیا۔

اس قسم کی جامع اور دقیق کتاب ہو اور پھر امام العصر حضرت شاہ صاحب

رحمہ اللہ کی تالیف ہو، جن کی دقت تحریر علماءؒ کے حلقہ میں معروف ہے اور ان کی دوسری تصانیف اس پر شاہد ہیں، اور پھر اس نازک اور لائق صد احتیاط موضوع پر ہو، اس کا ترجمہ کرنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا، لائق مترجم وفقہ اللہ لکل خیر ہمارے بے حد شکریہ کے مستحق ہیں، جنہوں نے اس مشکل کو سر کیا اور اس ''خوان یغما'' کو نہ صرف عام علماءؒ بلکہ اردو داں طبقہ کے لئے بھی وقف عام کردیا اور علماءؒ وفقہاءؒ و ارباب فتویٰ پر بھی احسان کیا، اس لئے کہ امام العصر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی تحریر بلکہ تقریر سے بھی پورا استفادہ کرنا ہر عالم کے بس کا کام نہیں ہے۔

بہر حال وقت کی ایک اہم دینی و علمی ضرورت تھی جو نہایت خوبی کے ساتھ پوری ہوگئی، مبتلا حضرات (جن کو ان موضوعات سے سابقہ پڑتا رہتا ہے) خصوصاً اربابِ فتویٰ اس کی قدر کریں گے اور امام العصر حضرت مؤلف نور اللہ مرقدہ کو اور مترجم طالت حیاتہ فی الخیر، دونوں کو دعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں گے۔

کتاب کے اواخر میں امام العصر حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اس موضوع پر کہ ان مسائل میں علماءؒ کی تحقیق کے ماٰخذ کتاب و سنت میں کیا کیا ہیں؟ اور علماءؒ وفقہاءؒ کے درمیان اختلاف نظر کیوں رہا ہے؟ عجیب مجتہدانہ انداز سے تحقیق فرمائی ہے اور محققانہ انداز سے اس اختلاف نظر کی توجیہ فرمائی ہے، اور پھر فرمایا ہے:

> ''ہم نے اس مسئلہ میں انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے، ایسا نہیں کیا کہ ایک جانب کو پیش نظر رکھ کر دوسری جانب سے غفلت برتی ہو اور اس طرح غیر شعوری طور پر ہم بے احتیاطی میں مبتلا ہوگئے ہوں، ہم نے اس مسئلہ میں اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے جس پر ہمارا ایمان وعقیدہ ہے، ہمارا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہے، وہی ہمارا گواہ اور وکیل ہے۔''

اور مشکوٰۃ نبوت سے نکلی ہوئی ''حدیث قولی'' کو اپنا مشعل راہ بنایا ہے:

''اس علم دین کو آئندہ نسلوں تک وہی لوگ پہنچائیں گے جو اعلیٰ درجہ کے عادل ومنصف مزاج ہوں گے، وہی اہل غلو (حد سے تجاوز کرنے والوں) کی ''تحریفات'' سے، اہل باطل کی ''تزویرات'' (فریب کاریوں) سے اور جاہلوں کی ''تاویلات'' سے دین کو بچائیں گے۔''

کتاب کے بالکل آخری حصہ میں فرماتے ہیں:

''یہ دین نہیں ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہا جائے اور نہ ہی یہ دین ہے کہ کسی کافر کو کافر نہ کہا جائے، اور اس کے کفر سے چشم پوشی کی جائے۔ آج کل لوگ افراط وتفریط میں مبتلا ہیں اور کسی نے سچ کہا ہے کہ: ''جاہل یا تو افراط میں مبتلا ہوگا یا تفریط میں'' ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم!''

لکھنے کو تو بہت کچھ جی چاہ رہا ہے، لیکن اس عدیم الفرصتی کے عالم میں ان چند سطروں پر اکتفا کرنا ناگزیر ہے، انشاء اللہ یہ چند سطریں ہی اس بے نظیر کتاب اور اس کے ترجمہ میں کافی ہوں گی، اللہ تعالیٰ علم صحیح، فہم صحیح، انصاف و دیانت اور عمل صالح کی توفیق ہم سب کو نصیب فرمائیں۔

ایک ضروری تنبیہ:

''دین'' اور ''اسلام'' کے خلاف ملحد و بے دین لوگ اور اہل حق کے خلاف باطل پرست افراد اور فرقے ہمیشہ بر سر پیکار رہے ہیں اور گرم و سرد جنگ یعنی تیغ و تفنگ یا قلم و قرطاس کے معرکے ہمیشہ جاری رہے ہیں، اور جب بھی اہل حق اور اہل ایمان کے آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ روشن دلائل اور تیغ تیز سے بھی زیادہ قاطع اور دوٹوک فیصلہ کردینے والے براہین نے باطل پرستوں کے شکوک وشبہات،

تاویلات وتحریفات، تلبیسات وتشویہات کا قلع قمع کیا ہے اور ان پر کفر وارتداد کا حکم لگایا ہے تو ان باطل پرستوں نے علما حق کی تکفیر سے بچنے کے لئے مختلف ومتنوع حربے بطور سپر استعمال کئے ہیں، مثلاً:

۱:......کبھی عوام میں یہ پروپیگنڈا کیا کہ فقہاؑ ومفتیین کے یہ تکفیر وارتداد کے فتوے تو محض ڈرانے، دھمکانے کے لئے ہوتے ہیں، ان کے تکفیر کے فتوؤں سے کوئی مسلمان فی الحقیقت کافر ومرتد نہیں ہوجاتا۔ جیسا کہ اسی کتاب میں ص:۲۳۴ پر آپ فتاویٰ بزازیہ کے حوالہ سے اس قسم کے جاہلانہ نعروں کی تردید ملاحظہ فرمائیں گے۔

۲:......کبھی کہتے ہیں: ہم تو ''اہل قبلہ'' ہیں، اور خود امام ابوحنیفہؒ نے بڑی شدت کے ساتھ اہل قبلہ کی تکفیر سے ممانعت کی ہے۔ اس کی حقیقت حضرت مصنفؒ نے اس کتاب میں بے نقاب کی ہے۔

۳:......کبھی کہتے ہیں: ہم تو ''مؤوّل'' ہیں، باتفاق فقہاؑ مؤوّل کی تکفیر جائز نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر کسی کے عقیدہ یا قول وفعل میں ننانوے وجوہ تکفیر کی ہوں اور ایک وجہ بھی اس کو کفر سے بچاتی ہو تو اس کی بھی تکفیر نہ کرنی چاہئے۔ تاویل اور مؤوّل کے بارے میں بھی سیر حاصل بحث وتحقیق آپ کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

۴:......ہمارے زمانہ میں چونکہ بدقسمتی سے ان ملحدوں اور زندیقوں کو تحریر وتقریر کی مکمل آزادی حاصل ہے، اس لئے وہ زیادہ بے باکی اور دریدہ ذہنی کے ساتھ اہل حق کے ان تکفیر کے فتوؤں کو ''دشنام طرازی'' سے اور کافر، مرتد، ملحد، زندیق، جاہل، بے دین وغیرہ احکام شرعیہ کو ''گالیوں'' سے تعبیر کرتے ہیں، اور برملا کہتے ہیں کہ: ''علماؑ کو گالیاں دینے کے سوا اور آتا ہی کیا ہے؟''

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج اسلام کے اساسی احکام وعبادات ہیں اور دین اسلام میں ان کے مخصوص ومتعین معنی اور مصداق ہیں،

ٹھیک اسی طرح کفر، نفاق، الحاد، ارتداد اور فسق بھی اسلام کے بنیادی احکام ہیں، دین اسلام میں ان کے بھی مخصوص و معین معنی اور مصداق ہیں، قرآن کریم نے اور نبی کریم علی الصلوٰۃ والتسلیم نے قطعی طور پر ان کی تعیین وتحدید فرمادی ہے۔

ایمان کا تعلق قلب کے یقین سے ہے اور اللہ کی وحدانیت، رسول کی رسالت، اور "ماجاء به الرسول" (رسول کے لائے ہوئے دین وشریعت) کو دل سے ماننا اور زبان سے اقرار کرنا ایمان کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے، جو کوئی ان کو نہ مانے قرآن کریم کی اصطلاح میں اور اسلام کی زبان میں وہ "کافر" ہے، اور اس نہ ماننے کا نام "کفر" ہے، جس طرح ترکِ نماز، ترکِ زکوٰۃ، ترکِ روزہ اور ترکِ حج کا نام "فسق" ہے، اور ترک کرنے والے کا نام "فاسق" ہے، بشرطیکہ ان کے فرض ہونے کو مانتا ہو، صرف عمل نہ کرتا ہو، اسی طرح انہی تعبیرات صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج کو تسلیم و اختیار کرنے کے بعد ان کو معروف ومتواتر شرعی معنی سے نکال کر غیر شرعی معنی میں استعمال کرے اور ایسی تاویلیں کرے جو نہ صرف قرآن و حدیث کے خلاف ہوں، بلکہ چودہ سو سال کے عرصہ میں کسی بھی عالم دین نے نہ کی ہوں، تو اس کا نام قرآن کی اصطلاح اور اسلام کی زبان میں "الحاد" ہے، اور اس شخص کا نام "ملحد" ہے، قرآن کریم نے ان الفاظ: کفر، نفاق، الحاد، ارتداد، کو انسانوں کے خاص خاص عقائد، اقوال، افعال و اخلاق کے اعتبار سے افراد اور جماعتوں کے لئے استعمال فرمایا ہے، اور جب تک روئے زمین پر قرآن کریم موجود رہے گا یہ الفاظ بھی، ان کے یہ معنی اور مصداق بھی باقی رہیں گے۔

اب یہ علمائے امت کا فریضہ ہے کہ وہ امت کو بتلائیں کہ ان کا استعمال کہاں کہاں، یعنی کن کن لوگوں کے حق میں صحیح ہے، اور کہاں کہاں غلط ہے؟ یعنی یہ بتلائیں کہ جس طرح ایک شخص یا فرقہ ایمان کے مقررہ تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد مؤمن ہوتا اور مسلمان کہلاتا ہے، اسی طرح ان کو نہ کرنے والا شخص یا فرقہ کافر اور

اسلام سے خارج ہے، نیز علمائے امت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ان حدود وتفصیلات کو یعنی ایمان کے مقتضیات اور موجبات کفر، کفریہ عقائد و اقوال و افعال، کی تحدید (حد بندی) اور تعیین کریں تاکہ نہ کسی مؤمن کو کافر اور اسلام سے خارج کہا جاسکے، اور نہ کسی کافر کو مؤمن اور مسلمان کہا جاسکے، ورنہ اگر ''ایمان و کفر'' کی حدود اس طرح مشخص و متعین نہ ہوئیں تو ایمان و کفر کا امتیاز مٹ جائے گا اور دین اسلام بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا اور جنت و جہنم افسانے!!

اسی لئے علمائے امت پر کچھ بھی ہو اور کیسے ہی طعنے کیوں نہ دیئے جائیں، رہتی دنیا تک یہ فریضہ عائد ہے اور رہے گا کہ وہ خوف و خطر اور ''لومۃ لائم'' (ملامت کرنے والوں کی ملامت) کی پرواہ کئے بغیر جو شرعاً ''کافر'' ہے اس پر ''کفر'' کا حکم اور فتویٰ لگائیں اور اس میں پوری پوری دیانتداری اور علم و تحقیق سے کام لیں، اور شرعاً جو ''ملحد'' و ''فاسق'' ہے اس پر ''الحاد'' و ''فسق'' کا حکم اور فتویٰ لگائیں، اور جو بھی فرد یا فرقہ قرآن و حدیث کی نصوص کی رو سے ''اسلام'' سے خارج ہو اس پر اسلام سے خارج اور دین سے بے تعلق ہونے کا حکم اور فتویٰ لگائیں، اور کسی بھی قیمت پر اس کو مسلمان تسلیم نہ کریں، جب تک سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع نہ ہو، یعنی قیامت تک۔

بہرحال ''کافر، فاسق، ملحد، مرتد'' وغیرہ شرعی احکام و اوصاف ہیں، اور فرد یا جماعت کے عقائد یا اقوال و اعمال پر مبنی ہوتے ہیں، نہ کہ ان کی شخصیتوں اور ذاتوں پر، اس کے برعکس ''گالیاں'' جن کو دی جاتی ہیں ان کی شخصیتوں اور ذاتوں کو دی جاتی ہیں، لہٰذا اگر یہ الفاظ صحیح محل میں استعمال ہوتے ہیں تو یہ شرعی احکام ہیں، ان کو ''سب و شتم'' اور ان احکام کے لگانے کو ''دشنام طرازی'' کہنا جہالت ہے یا بے دینی۔

نیز علماء حق جب کسی فرد یا جماعت کی تکفیر کرتے ہیں تو وہ اس کو ''کافر'' نہیں بناتے، ''کافر'' تو وہ خود اپنے اختیار سے کفریہ عقائد یا اقوال و افعال اختیار کرنے سے

بنتا ہے، وہ تو صرف اس کے کفر کو ظاہر کرتے ہیں، کسوٹی سونے کو کھوٹا نہیں بناتی، وہ تو اس کے کھوٹا ہونے کو ظاہر کر دیتی ہے، کھوٹا تو وہ خود ہوتا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود یہ کہنا کہ: ''مولویوں کو کافر بنانے کے سوا کیا آتا ہے؟'' شرمناک جہالت ہے۔

امید ہے کہ اس ضروری تنبیہ کے بعد قارئین ان ملحدوں اور بے دینوں کے ہتھکنڈوں سے بخوبی واقف اور ہوشیار ہو جائیں گے اور جس کسی فرد یا جماعت کو اس قسم کا پروپیگنڈا کرتے پائیں گے، باور کر لیں گے کہ یہ صرف شریعت کے حکم اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج بد اور الحاد و زندقہ کی سزا سے بچنے کے لئے علماء و مفتیین کے خلاف بداعتمادی پھیلا کر دوگونہ جرم کا ارتکاب کر رہا ہے، العیاذ باللہ!

واللہ سبحانہ ولی الهدایۃ والتوفیق وصلی اللہ علی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ سیدنا ومولانا محمد الهاشمی العربی وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

عرضِ مترجم

الحمد لله وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، خصوصًا علی خاتم الانبیاء سیدنا محمد المصطفی المجتبیٰ، وصلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیراً کثیراً. اللّٰھم صل وسلم علیہ کلما ذکرہ الذاکرون وصل وسلم علیہ کلما غفل عن ذکرہ الغافلون وبعد!

کمترین خلائق بندہ محمد ادریس بن مولانا محمد اسحٰق بن مولانا عبداللہ (نومسلم کایسٹھ) میرٹھی، غفر اللہ لہٗ ولابویہ، خود کو امام العصر حضرت الشیخ مولانا محمد انور شاہ الکشمیری نور اللہ مرقدہ کی ذات والا صفات کی جانب منسوب کرنے سے بھی ہچکچاتا ہے کہ: ''بدنام کنندۂ نکونامے چند'' کا مصداق نہ بن جائے، لیکن جس طرح ایک ذرۂ بے مقدار کو آفتاب عالم تاب سے کوئی نسبت نہیں، مگر اس کو کیا کیجئے کہ ذرہ کی نہ صرف تابانی بلکہ ہستی بھی آفتاب کے نور کے ساتھ قائم و وابستہ ہے، کچھ اسی طرح کی صورتِ حال ہے، حضرت شیخ رحمہ اللہ کے علوم و معارف کا تو سوال ہی کیا، میں تو حافظہ پر بہت زور ڈالتا ہوں کہ زبان مبارک سے سنے ہوئے کچھ کلمات ہی یاد آجائیں مگر بجز: ''حسبنا اللہ'' اور ''ہاں بھائی'' کے اور کچھ یاد نہیں آتا، صرف ایک چیز، کہیے ایک سعادت، تھی اور ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ رہے گی اور شاید آخرت میں بھی وہی کام آئے، اور وہ ہے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی بے پناہ عقیدت اور اگر والہانہ محبت

بھی کہوں تو غلط نہ ہوگا، اسی بے پناہ محبت کی بدولت حضرت شیخ قدس اللہ سرہ کے علوم و معارف سے ایک ایسی بسیط اور اجمالی مناسبت، جس کی تعبیر سے الفاظ قاصر ہیں، نصیب ہوگئی کہ بس وہی اس ذرۂ بے مقدار کے نہ صرف علم و معرفت بلکہ پوری علمی ہستی کا سرمایہ ہے، جس نے چالیس سالہ زمانہ تدریس میں بڑے بڑے معرکوں میں شرمساری سے بچایا ہے اور فکر و ذہن میں وہی آیا ہے اور زبان و قلم سے وہی نکلا ہے، جس کا غیر محسوس پَرتو، حضرت استاذ رحمہ اللہ تعالیٰ کی زبان مبارک سے سنا ہوا غیر شعوری طور پر محفوظ تھا۔

اس علمی بے بضاعتی کے ہوتے ہوئے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی دقیق و عمیق تصانیف، (جو اپنی دقت و اغلاق میں علماءؒ کے حلقہ میں ضرب المثل ہیں) کے کماحقہ سمجھ لینے کا حوصلہ بھی نہ ہونا چاہئے تھا، چہ جائیکہ ان کا اردو جیسی غیر علمی زبان میں ترجمہ و تسہیل، مگر اسی بسیط اور اجمالی مناسبت نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے علوم و معارف کی افادیت (فائدہ رسانی) اور انتفاع (منفعت) کو عام اور سہل الحصول (آسان) بنانے پر نہ صرف آمادہ بلکہ مجبور کردیا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا موضوع عموماً یا معروف اختلافی مسائل ہیں، یا پھر علم حقائق و اسرار، لیکن گرامی عمر کے آخری حصہ میں فتنۂ مرزائیت کی دین خاتم الانبیاءؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مضرت رسانی کا اس قدر شدت سے احساس دامن گیر ہوا کہ نہ صرف قلم تصنیف و تالیف بلکہ زبان و بیان بھی اسی فتنہ کے استیصال کے لئے وقف ہوکر رہ گئے۔

لیکن موجودہ عہد میں ''الحاد و زندقہ'' کے فتنۂ عمیاءؑ (تاریک فتنہ) نے فتنۂ مرزائیت کو بھی مات کردیا ہے، آج تو ''دین'' کا نام لے کر ''لادینی'' پھیلانے اور ''اسلام'' کا نام لے کر ''اسلام'' کو مسخ کرنے کی مہم پوری قوت کے ساتھ چلائی جارہی ہے، اور زبان و بیان کی راہ سے نہیں، بلکہ قلم و قرطاس یعنی تحریر و انشا اور تصنیف و

تالیف کی راہ سے یہ سیلاب آرہا ہے، ''اسلام'' کی تعمیر نو کے عنوان سے دین کے چودہ سو سالہ مجمع علیہ مسلّمات اور ''شعائر وضروریاتِ دین'' میں نت نئی تاویلیں اور تحریفیں کی جارہی ہیں۔

زیر نظر رسالہ ''اکفار الملحدین فی شئ من ضروریات الدین'' کا ہدف اولین تو اگرچہ مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ما علیہ اور ''مرزائی امت'' ہے، مگر جو دلائل و براہین اور اقتباسات وحوالہ جات حضرت شیخ قدس سرہ نے اس رسالہ میں جمع فرمائے ہیں، وہ ''الحاد و زندقہ'' کی جملہ انواع و اقسام کی تردید پر حاوی اور ملحدین و زندیقین کے جملہ افراد و فِرَق کے استیصال کے لئے کافی و وافی ہیں، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے فتنۂ مرزائیت کے بہانے ایک ایسی جامع و ہمہ گیر تصنیف کی توفیق حضرت شیخ رحمہ اللہ کو عطا فرمادی جو رہتی دنیا تک ہر قسم کے فتنوں کی تردید وسرکوبی کے لئے ایک محکم اور جامع دستاویز ہے، انشاءاللہ تعالیٰ قیامت تک تمام فتنوں کی بیخ کنی کے لئے اہل حق اس سے اتنا فائدہ اٹھائیں گے کہ اس کے دلائل و براہین اور نقول و اقتباسات اور حوالہ جات کے بعد اور کسی چیز کی ضرورت ہی نہ رہے گی، بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ حضرت شیخ قدس اللہ سرہ نے اس موضوع سے متعلق متقدمین و متاخرین کی تصانیف میں کوئی قابل ذکر چیز چھوڑی ہی نہیں اور ''الحاد و زندقہ'' کی تردید و افحام سے متعلق اتنے دلائل و براہین جمع کردیئے ہیں کہ ''ان پر اضافہ مشکل ہے'' تو بے جا نہ ہوگا، (ہوسکتا ہے کہ آپ اس کو عقیدت و محبت کے غلو سے تعبیر کریں)۔

یہ ہرگز نہ سمجھئے کہ یہ تمام عصری تقاضے اور ''اکفار الملحدین'' کی یہ عظیم افادیت ترجمہ کے لئے ''اکفار الملحدین'' کو انتخاب کرتے وقت میرے سامنے تھے، اور اس انتخاب کا محرک بنے ہیں، توبہ کیجئے! اس انتخاب کی محرک تو صرف وہی حضرت شیخ رحمہ اللہ کے علوم سے بسیط اور اجمالی مناسبت تھی اور بس! ''اکفار

الملحدین" کی یہ اہمیت اور افادیت تو بلامبالغہ مسلسل تین سال تک "اکفار الملحدین" کے مندرجات پر غور وفکر اور خامہ فرسائی کرنے کے بعد سامنے آئی ہے، اور اس چھوٹے سے رسالہ کے یہ جوہر کھلے ہیں۔

سہ سالہ غور وفکر اور خامہ فرسائی کی سرگزشت:

اس سہ سالہ غور وفکر اور خامہ فرسائی کی سرگزشت یہ ہے کہ میں نے مذکورہ بالا غیراختیاری جذبہ کے تحت مولانا محمد طاسین صاحب ناظم مجلس علمی کراچی سے سرسری مشورہ کے بعد بغیر کچھ سمجھے "اکفار الملحدین" کے ترجمہ کا فیصلہ کرلیا (کہ کچھ نہ سہی تو کچھ عرصہ کے لئے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے انفاس قدسیہ کی رفاقت تو میسر آجائے گی)، اور مدرسہ سے کتاب لے کر مختلف سلپوں (پرچوں) پر ترجمہ کرنا شروع کردیا، چند ماہ میں ترجمہ سے فارغ ہوکر اس کا الٹا سیدھا دیکھنے اور کھوٹا کھرا پرکھنے کی غرض سے اس منتشر مسودہ کی تبییض (صاف کرنے) کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ ازسرنو کتاب اور مسودہ سامنے رکھ کر تبییض (صاف کرنا) شروع کردیا، اس تبییض میں خاصی دیر لگی، دماغ کی چولیں بھی کافی ڈھیلی ہوئیں، تاہم سات آٹھ ماہ میں تبییض کا کام ختم ہوا، اب جو اصل کتاب (عربی) کو سامنے سے ہٹا کر خالی ترجمہ کو پڑھتا ہوں تو عربی سے زیادہ اردو دشوار اور پیچیدہ محسوس ہوئی، معلوم ہوا کہ ترجمہ کو مطلب خیز بنانے کے لئے قوسین (بریکٹوں) کے درمیان کافی وضاحتوں کی ضرورت ہے، چنانچہ سہ بارہ کتاب سامنے رکھ کر تسہیل وتوضیح کا کام شروع کیا، (اس امر کا اطمینان کئے بغیر کہ عبارت کا جو مطلب میں سمجھ کر توضیح کر رہا ہوں یہی صاحب عبارت کا مطلب ہے؟ اور جس مقصد کے لئے کسی اقتباس کو پیش کیا ہے، وہ وہی ہے جو میں نے سمجھا ہے؟ کہ یہ اطمینان فراغت کے بعد حضرت شیخ رحمہ اللہ کے علوم اور تصانیف سے مناسبت ومزاولت رکھنے والے کسی صحیح معنی میں وسیع النظر عالم کو دکھلا کر

کرلیا جائے گا) کہ اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ اس توضیح و تسہیل اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے مقاصد کی تعیین میں تو تبییض سے بھی زیادہ مشکلات پیش آئیں، اور وقت بھی بہت زیادہ لگا، بہرحال بتوفیق اللہ تعالیٰ اس کٹھن کام سے فراغت کے بعد دیکھا تو وہ مبیّضہ (صاف شدہ) خود مسودہ (رف) بن کر محتاج تبییض بن چکا تھا، لہٰذا پھر اصل کتاب کو سامنے رکھ کر نفس ترجمہ اور توضیحات پر نظر ثانی کی اور اس کو سہ بارہ صاف کیا اور ارادہ ہوا کہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ کو بغرضِ تصویب و اصلاح پیش کروں، کیونکہ خادم کی نظر میں اس وقت روئے زمین پر امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کا حامل و وارث اور ان کے انفاس طیبہ کا حافظ، علوم و فنون کے دقائق و غوامض پر حاوی اور ہر مسئلہ میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی نہ صرف رائے و تحقیق، بلکہ الفاظ و وقائع تک کا محافظ، جس کا علمی مزاج حضرت شیخ رحمہ اللہ کے سانچہ میں ڈھلا ہو، بجز مولانا بنوری موصوف کے اور کوئی نہیں ہے۔

سوچا کہ فہرست بھی ساتھ بنا کر حضرتؒ کو مکمل کتاب پیش کروں، اس مقصد کے لئے جو کتاب اور ترجمہ لے کر بیٹھا تو عجیب الجھن محسوس ہوئی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ فہرست بناتے وقت محسوس ہوا کہ پورا رسالہ مختلف کتابوں کے اقتباسات کا ایک مجموعہ کہئے یا فہرست ہے، جو دس بارہ جلی عنوانات کے تحت جمع کئے گئے ہیں لیکن یہ مطلق پتہ نہیں چلتا کہ ایک اقتباس پیش کرنے کے بعد دوسرا اقتباس کس مقصد کے لئے پیش کیا گیا ہے؟ اور متعلقہ موضوع سے اس کا کیا تعلق ہے؟ اور وہ کون سی نئی بات ہے جس کی غرض سے دوسرا اقتباس پیش کیا گیا ہے؟ اسی طرح تیسرا اور چوتھا اقتباس، غرض ہر اقتباس پر اس نقطۂ نظر سے غور کرنا ناگزیر ہوگیا کہ اس اقتباس کو حضرت شیخ رحمہ اللہ کس غرض یا نئے فائدہ کے لئے لائے ہیں؟ پھر ایک عَقَبۂ سخت (مشکل گھاٹی) یہ پیش آیا کہ عربی رسالہ کی کتابت میں فی الجملہ اہتمام کے باوجود اکثر مقامات پر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا تھا کہ اقتباس کی عبارت کتنی ہے؟ اور حضرت شیخ

رحمہ اللہ کی کتنی ہے؟ اس مشکل کو حل کرنے کی غرض سے کتب حوالہ کی مراجعت ناگزیر ہوگئی، چنانچہ تقریباً ہر اقتباس سے مستنبط فائدہ اور غرض کی، (اپنی مقدور کے مطابق) تعیین کرکے بغلی سرخیوں (ذیلی عنوانات) کا اضافہ کیا تاکہ کتاب کی فہرست بھی بن سکے اور قارئین بھی بآسانی معلوم کرسکیں کہ کس اقتباس کو کس مقصد کے لئے لایا گیا ہے؟ اور وہ زیرِ بحث مسئلہ میں کس طرح مفید ہے؟ تاکہ رسالہ صرف اقتباسات کی ایک فہرست بن کر نہ رہ جائے، کتب حوالہ کی ایک طویل فہرست تیار کرکے اقتباسات کو اصل کتابوں سے (جو میسر آسکیں) ملایا گیا تب جاکر اطمینان ہوا کہ اقتباس کی عبارت اتنی ہے اور حضرت مصنف رحمہ اللہ کی اتنی، اس تشخیص کے بعد اقتباسات کو پیش کرنے کے مقاصد وفوائد بھی زیادہ آسانی کے ساتھ واضح ہوئے، جن حوالوں کے صفحات درج نہ تھے وہ درج کیے، غرض اس ''جوئے شیر'' لانے میں وقت بھی سب سے زیادہ صرف ہوا، اور ایک ایک لفظ پر غور وخوض بھی بہت زیادہ کرنا پڑا، آخر بحمد اللہ تعالیٰ چوتھا مسودہ سرخ پنسل سے بغلی سرخیوں (ذیلی عنوانات) کے ساتھ تیار کرکے اس قابل ہوا کہ حضرت مولانا بنوری مدظلہ کی اصلاح وترمیم کے بعد کاتب کو لکھنے کے لئے دیا جاسکے۔ حضرت مولانا موصوف نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی محبت وعظمت کی بنا پر نیز اس اندیشہ کی بنا پر کہ کوئی غلط یا غیر واقعی بات مترجم کی کم علمی کی بنا پر حضرت شیخ رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہ ہوجائے، اصل کتاب سامنے رکھ کر بنظر اصلاح وترمیم بالاستیعاب دیکھنا شروع کیا، حضرت مولانا بنوری کی ہدایت کے بموجب قوسین (بریکٹ) کے درمیان جو کئی کئی سطروں کی طویل عبارتیں یا ہر باب کے شروع میں تمہید یا آخر میں خلاصے تھے، ان سب کو ''حواشی از مترجم'' کی صورت میں تبدیل کردیا، مختصر مختصر توضیحی عبارتیں درمیان میں رہنے دیں، علاوہ ازیں جہاں جو لفظ یا فقرہ غیر مناسب تھا اس کو موصوف نے کاٹ دیا، یا صحیح اور مناسب لفظ سے بدل دیا، اور اس طرح حضرت استاذ رحمہ اللہ کے علوم کی حفاظت کا حق ادا فرمایا اور خادم کو

سرخرو فرمایا، تب مطمئن ہوکر خادم نے کاتب کو لکھنے کے لئے مسودہ دینا شروع کیا۔

کتابت کی تصحیح:

ایک مرتبہ تمام کاپیوں کو مسودہ سے ملاکر تصحیح کی اور غلطیاں بننے کے بعد نظرثانی کرکے جو غلطیاں رہ گئی تھیں پھر بنوائیں، اس طرح پوری کتابت کی تصحیح ہوجانے کے بعد از راہِ احتیاط مسودہ کے بجائے، اصل کتاب (عربی) سامنے رکھ کر پوری کتابت کی تصحیح دوبارہ کی اور عربی کا مفہوم ترجمہ میں ادا ہونے میں جہاں خامی نظر آئی اس کی اصلاح کی اور اس دوسری تصحیح کی غلطیاں بننے کے بعد پھر ان پر نظرثانی کی اور جو غلطیاں بننے سے رہ گئی تھیں وہ بنوائیں، بعد ازاں کتاب کی فہرست تیار کی، ذیلی عنوانات میں کثرت سے سرسری نظر میں تکرار محسوس ہوا تو ہر عنوان کے ساتھ قوسین کے درمیان ان مصنّفین و ارباب اقتباسات کے ناموں کا اضافہ کیا تاکہ فرق محسوس ہوجائے اور ذیلی عنوانات کے تکرار کی وجہ ظاہر ہوجائے، آخر میں کتب حوالہ اور ان کے مصنّفین کے ناموں کی فہرست کا اضافہ کیا۔

اس قدر اہتمام واحتیاط کے باوجود ڈرتا ہوں کہ میری کم فہمی اور کم علمی کی بنا پر کوئی غلط، یا حضرت استاذ رحمہ اللہ کے منشا کے خلاف بات ان کی طرف منسوب نہ ہوگئی ہو، اس لئے اہل علم خصوصاً حضرت شیخ رحمہ اللہ سے شرف تلمذ رکھنے والے حضرات علماء سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ حضرت مولانا بنوری مدظلہ کی طرح اصل کتاب سامنے رکھ کر اس ترجمہ خصوصاً توضیحات کو پڑھیں اور جو غلطی یا کوتاہی رہ گئی ہو اس پر بحوالہ صفحہ اردو وعربی خادم کو یا مولانا محمد طاسین صاحب ناظم مجلس علمی کراچی میری ویدر ٹاور کو مطلع فرمائیں کہ حضرت استاذ نور اللہ مرقدہ کے دامن علمی کو غلط انتساب کے داغ سے محفوظ رکھنا ہم سب کا فرض ہے، جزاکم اللہ خیر الجزاء!

بندہ محمد ادریس غفرلہ

فہرست کتب حوالہ "اکفار الملحدین"
مع اسمأ مصنّفین وسنین وفات

الف:

الاتحاف: علامہ زبیدیؒ (۱۲۰۵ھ)

الاتقان: علامہ سیوطیؒ (۹۱۱ھ)

الاحکام: علامہ آمدیؒ (۶۱۳ھ)

احکام القرآن: قاضی ابوبکر ابن عربیؒ (۵۴۳ یا ۵۴۶ھ)

احکام القرآن: قاضی ابوبکر جصاصؒ (۳۷۰ھ)

ازالۃ الخفأ: شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)

الاسمأ والصفات: علامہ ابوبکر بیہقیؒ (۴۵۸ھ)

الاشباہ والنظائر: علامہ ابن نجیمؒ (۹۷۰ھ)

الاصل: امام محمدؒ (۱۸۹ھ)

اصول بزدوی: فخر الاسلام البزدویؒ (۴۸۲ھ)

الاعلام: ابن حجر ہیثمیؒ: (۹۷۴ھ)

اقامۃ الدلیل: الحافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)

الاقتصاد: علامہ غزالیؒ (۵۰۵ھ)

الام: امام شافعیؒ (۲۰۴ھ)

ایثار الحق: المحقق محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی (۸۴۰ھ)

ب:

البحر الرائق: علامہ ابن نجیمؒ (۹۷۰ھ)
بدائع الصنائع: ابوبکر الکاسانیؒ (۵۸۷ھ)
بدائع الفوائد: علامہ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ)
بزازیہ: حافظ الدین محمد بن محمد المعروف بابن البزاز الکردری الحنفیؒ (۸۲۷ھ)
بغیۃ المرتاد: حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)
البنایۃ: علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ)

ت:

تاریخ ابن عساکر: علامہ ابن عساکرؒ (۵۷۱ھ)
التحریر: الشیخ ابن الہمامؒ (۸۶۱ھ)
تحفۃ الباری: شیخ الاسلام زکریا الانصاریؒ (۹۲۵ھ)
تحفۃ المحتاج لشرح المنہاج: علامہ ابن حجر ہیثمیؒ (۹۷۴ھ)
الترغیب والترہیب: الحافظ المنذریؒ (۶۵۶ھ)
التصریح بما تواتر فی نزول المسیح: للمؤلف رحمہ اللہ (۱۳۵۲ھ)
التفرقۃ بین الایمان والزندقۃ: علامہ غزالیؒ (۵۰۵ھ)
تفسیر ابن کثیر: الحافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ)
تفسیر النیسابوری: اسماعیل بن احمد نیشابوریؒ الضریر (۴۳۰ھ)
التقریر: ابن امیر الحاجؒ (۸۷۹ھ)
التلخیص الحبیر: الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ (۸۵۲ھ)
تلخیص المستدرک: علامہ ذہبیؒ (۷۴۸ھ)

التلویح: التفتازانیؒ (۷۹۱ھ)
التمہید (فی بیان التوحید): ابوشکور محمد بن عبدالسید الکشی السالمی الحنفیؒ
تنویر الابصار: متن الدر المختار السید محمد بن خلیل الطرابلسیؒ المعروف بالقاوقجی (۱۳۸۵ھ)
تہذیب الآثار: علامہ طبریؒ (۳۱۰ھ)
تہذیب التہذیب: علامہ ابن حجر العسقلانیؒ (۸۵۲ھ)
التوضیح: علامہ صدر الشریعہ عبیداللہ بن مسعود المحبوبیؒ (۷۴۷ھ)

ج:

الجامع الصحیح: امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ (۲۷۹ یا ۲۷۵ھ)
جامع الفصولین: الشیخ بدر الدین محمود بن اسماعیل الشہیر بابن قاضی سماوۃ الحنفیؒ (۸۲۳ھ)
الجمع والفرق: احمد بن محمد الحنفی الحمویؒ (۱۰۹۸ھ)
جوہرۃ التوحید: ابراہیم اللقانیؒ (۱۰۴۱ھ)

ح:

حاشیہ عبدالحکیم علی الخیالی: عبدالحکیم سیالکوٹی (تقریباً ۱۰۶۰ھ)

خ:

الخانیۃ: قاضی خان (دیکھئے فتاویٰ قاضی خان) (۱۱۲۱ھ)
خزانۃ المفتیین: حسین بن محمد السمعانی الحنفیؒ (فرغ من التصنیف ۷۴۰ھ)
الخصائص: امام نسائیؒ (۳۰۳ھ)
خلاصۃ الفتاویٰ: شیخ طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاریؒ (۵۴۲ھ)
خلق افعال العباد: امام بخاریؒ (۲۵۶ھ)
الخیریۃ (الفتاویٰ الخیریہ): علامہ خیر الدین الرملیؒ (۱۰۸۱ھ)

د:

دائرۃ المعارف: فرید وجدی
الدرر (درر الحکام فی شرح غرر الاحکام): المولی محمد بن فراموز الشہیر بمولیٰ خسرو الحنفیؒ (۸۸۵ھ)
الدر المختار شرح تنویر الابصار: علاؤ الدین محمد بن علی الحصکفیؒ (۱۰۸۸ھ)
الدر المنتقی: محمد بن علی الملقب بعلاؤ الدین الحصکفیؒ (۱۰۸۸ھ)

ر:

رد المحتار علی الدر المختار: علامہ محمد امین ابن عابدین شامیؒ (۱۲۵۲ھ)
الرسالۃ التسعینیۃ: الحافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)
الرسائل: علامہ ابن عابدین شامیؒ (۱۲۵۲ھ)
روح المعانی: علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ)
ریاض المرتاض: علامہ شوکانیؒ (۱۲۵۰ھ)
الریاض (ریاض النضرۃ فی فضائل العشرۃ) محب الدین احمد بن عبداللہ المحب الطبریؒ (۶۹۴ھ)

ز:

زاد المعاد: حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ)

س:

سنن ابی داؤد: سلیمان بن اشعث السجستانیؒ (۲۷۵ھ)
سنن نسائی: علامہ ابوعبدالرحمن نسائیؒ (۳۰۳ھ)
السیر الکبیر: امام محمدؒ (۱۸۹ھ)
سیرۃ ابن اسحاق: (۱۵۱ھ)

ش:

شرح الاشباہ: علامہ حمویؒ (۱۰۹۸ھ)
شرح التحریر: محقق ابن امیر حاجؒ (۸۷۹ھ)
شرح الترمذی: القاضی ابوبکر ابن العربیؒ (۵۴۳ یا ۵۴۶ھ)
شرح جوہرۃ التوحید: شیخ عبدالسلام البیجوریؒ (۱۰۷۸ھ)
شرح جمع الجوامع: تقی الدین السبکیؒ (۷۵۶ھ)
شرح السیر الکبیر: علامہ سرخسیؒ (۴۸۳ یا ۴۹۰ھ)
شرح الشفا: ملا علی القاریؒ (۱۰۱۴ھ)
شرح الصحیح لمسلم: علامہ اُبیؒ (۸۲۷ یا ۸۲۸ھ)
شرح الصحیح لمسلم: علامہ نوویؒ (۶۷۶ یا ۶۷۷ھ)
شرح العقائد النسفی: علامہ تفتازانیؒ (۷۹۱ھ)
شرح العقیدۃ الطحاویۃ: محمود بن احمد بن مسعود الحنفی القونویؒ (۷۷۰ھ)
شفاء العلیل: حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ)
شرح الفرائض: علامہ عبدالغنی النابلسیؒ (۱۱۴۳ھ)
شرح الفقہ الاکبر: علامہ علی القاریؒ (۱۰۱۴ھ)
شرح الکنز: علامہ زیلعیؒ (۷۴۳ھ)
شرح معانی الآثار: ابوجعفر الطحاویؒ (۳۲۱ھ)
شرح منیۃ المصلی: الشیخ ابراہیم الحلبیؒ (۹۵۶ھ)
شرح المواقف: علامہ جرجانیؒ (۸۱۶ھ)
المواہب اللدنیہ: احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب القسطلانیؒ (۹۲۳ھ)
شرح المواہب اللدنیہ: علامہ زرقانیؒ (۱۱۲۲ھ)
الشفا: قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ)

ص:

الصارم المسلول: حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)
صبح الاعشی: ابو العباس احمد القلقشندیؒ (۸۲۱ھ)
الصحیح للبخاری: امام بخاریؒ (۲۵۶ھ)
الصحیح لمسلم: امام مسلم بن الحجاج القشیریؒ (۲۶۱ھ)
الصلات والبشر: مجد الدین الفیروزآبادی صاحب القاموس (۸۱۷ھ)
الصواعق المحرقہ: علامہ ابن حجر المکی الہیثمیؒ (۹۷۳ھ)

ط:

طبقات الحنفیہ: علامہ کفویؒ (۹۹۰ھ)
الطحطاوی: (۱۲۳۳ھ)

ع:

العتبیۃ: محمد بن احمد بن عبدالعزیز العتبیؒ (۲۵۴ھ)
عقیدۃ السفارینی وشرحہ: علامہ سفارینیؒ (۱۱۸۸ھ)
عمدۃ الاحکام: تقی الدین ابن دقیق العیدؒ (۷۰۲ھ)
عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ)

غ:

غایۃ التحقیق شرح اصول الحسامی: شیخ عبدالعزیز البخاریؒ (۷۳۰ھ)
غنیۃ الطالبین: الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ)

ف:

الفتاویٰ: حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)
فتاویٰ: الشیخ تقی الدین سبکیؒ (۷۵۶ھ)

الفتاویٰ العزیزیۃ: الشاہ عبدالعزیز الدہلویؒ (۱۲۳۹ھ)
فتاویٰ قاضی خان: الامام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی الحنفیؒ (۱۱۲۱ھ)
الفتاویٰ الہندیۃ: جماعۃ من العلماء فی عہد السلطان اورنگ زیب عالمگیر۔
فتح الباری شرح صحیح البخاری: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ)
فتح البیان: نواب صدیق حسن خاں القنوجی (۱۳۰۷ھ)
فتح القدیر: علامہ قاضی الشوکانیؒ (۱۲۵۰ھ)
فتح القدیر: الشیخ ابن الہمامؒ (۸۶۱ھ)
فتح المغیث: علامہ سخاویؒ (۹۰۲ھ)
الفتوحات: الشیخ الاکبر ابن العربی محمود بن علیؒ (۶۳۸ھ)
الفرق بین الفِرَق: الاستاذ ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر البغدادیؒ (۴۲۹ھ)
فصل المقال: علامہ ابن رشد الحفیدؒ (۵۹۵ھ)
فقہ الاکبر: الامام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ)
فواتح الرحموت: عبدالعلیؒ محمد بن نظام الدین بحرالعلوم (۱۲۲۵ھ)

ق:

القواصم والعواصم: محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانیؒ (۸۴۰ھ)

ک:

کتاب الایمان: الحافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)
کتاب الخراج: قاضی ابویوسفؒ (۱۸۲ھ)
کتاب العلو: علامہ ذہبیؒ (۷۴۸ھ)
کتاب الفصل: علامہ ابن حزمؒ (۴۵۶ھ)
کشف الاسرار شرح البزدوی: شیخ عبدالعزیز البخاریؒ (۷۳۰ھ)

الکلیات: قاضی ابوالبقاء ایوب بن موسیٰ الحسینی الکفوی الحنفیؒ (۱۰۹۴ھ)
کنز العمال: علی المتقیؒ (۹۷۵ھ)

م:

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر: الشیخ عبدالرحمٰن بن محمد المدعو بشیخ زادہ (۱۰۷۸ھ)
مجمع الانہر: الشیخ محمد بن علی بن محمد المہدی الجزائری الحنفیؒ (۱۱۲۸ھ)
المحیط: برہان الدین محمود بن تاج الدین الصدر الشہید البخاری الحنفیؒ (۵۳۶ھ)
المختصر: علامہ جمال الدین عثمان بن عمر ابن حاجبؒ (۶۴۶ھ)
مختصر مشکل الآثار: علامہ طحاویؒ (۳۲۱ھ)
المدخل: علامہ بیہقیؒ (۴۵۸ھ)
المسایرۃ: الشیخ ابن الہمامؒ (۸۶۱ھ)
المستدرک: الحافظ ابوعبداللہ الحاکمؒ (۴۰۵ھ)
المستصفی: علامہ غزالیؒ (۵۰۵ھ)
مسند الامام احمد: امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ)
المسوی علی الموطا: شاہ ولی اللہ الدہلویؒ (۱۱۷۶ھ)
معالم التنزیل: علامہ بغویؒ (۵۱۶ھ)
المعتصر مختصر مشکل الآثار: جمال الدین یوسف بن موسیٰ الملطی الحنفیؒ (۸۰۳ھ)
المفہم: الامام احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبیؒ (۶۵۶ھ)
المقاصد وشرحہ: علامہ تفتازانیؒ (۷۹۱ھ)
مکتوبات امام ربانی: مجدد الف ثانی الشیخ احمد السرہندی الحنفیؒ (۱۰۳۴ھ)
منتخب کنز العمال: الشیخ علی المتقیؒ (۹۷۵ھ)
المنتقی فی الاحکام: الحافظ عبدالسلام (جد ابن تیمیہؒ)
منحۃ الخالق علی البحر الرائق: علامہ ابن عابدین شامیؒ (۱۲۵۲ھ)

منہاج السنۃ النبویۃ: حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)
المنہاج: علامہ نوویؒ (۶۷۶ یا ۶۷۷ھ)
الموافقات: علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ)
المواقف: علامہ عضد الدین الایجیؒ (۷۵۶ھ)
موضح القرآن: شاہ عبدالقادر الدہلویؒ (۱۲۳۰ھ)
المواہب اللدنیہ: احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب القسطلانیؒ (۹۳۳ھ)
المؤطا: امام مالکؒ (۱۷۹ھ)
المیزان: علامہ شعرانیؒ (۹۷۳ھ)
میزان الاعتدال: علامہ ذہبیؒ (۷۴۸ھ)

ن:

نبراس شرح شرح عقائد: شیخ عبدالعزیز الفرہارویؒ (۱۲۳۹ھ تقریباً)
النبلاء: علامہ ذہبیؒ (۷۴۸ھ)
نسیم الریاض شرح الشفاء: علامہ خفاجیؒ (۱۰۶۹ھ)
نہایۃ: علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الشیبانی الجزری ابوالسعادات مجد الدینؒ (۶۰۶ھ)

ی:

الیواقیت: ابوالمواہب عبدالوہاب بن احمد الشعرانیؒ (۹۷۳ھ)

خطبہ مسنونہ(۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذى جعل الحق يعلو ولا يُعلى حتى ياخذ من مكانة القبول مكانا فوق السماء يتبسم عن بلج جبين وعن ثلج يقين ويبهر نوره وضيائه ويصدع صيتُه ومضائه ويفت عن سنا وسناء، وجعله يدمغ الباطل، فكيفما تقلب وصار اُمُّه الى الهاوية، يتقهقر حتى يذهب جفاءً ويصير هباء وحيث سطع الحق واستقام كعمود الصبح لَوَّى الباطل ذنبه كذنب السرحان وتلون تلون الحرباء ومن تولّاه تبوّء مقعدا من النار وحقت عليه كلمة العذاب واداركه درك الشقاء وسوء القضاء وكم من شقى احاطت به خطيئته (اعاذنا الله من ذالک) والحمد لله على العافية والمعافات الدائمة من البلاء.

والصلوٰة والسلام على نبيه ورسوله نبى الرحمة محمد صلى الله عليه وسلم خاتم الرسل

---

(۱) از راہِ تبرک وتیمن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا فصیح و بلیغ خطبہ بعینہٖ نقل کرکے ترجمہ کرنا بہتر اور اپنے حال و مآل کے لئے زیادہ مناسب سمجھا، متعنا اللہ بعلومہ وفیوضہ فی الدنیا والآخرۃ!

والانبياء الذى انقطعت بعده الرسالة والنبوة ولم يبق الا المبشرات وقد كان بقي من بيت النبوة موضع لبنة فكانها وقد كمل البناء.

وعلى آله واصحابه والتابعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين كل صباح ومساء الى يوم الجزاء!

ترجمہ:......"تمام تر حمد و ثنا اس اللہ جل شانہ کے لئے مخصوص ہے، جس نے حق کو ایسا بلند و برتر بنایا ہے کہ وہ ہمیشہ غالب رہتا ہے، کبھی پست و مغلوب نہیں ہوتا، یہاں تک کہ وہ قبول اور پسندیدگی کے اس مقام رفیع پر متمکن ہوجاتا ہے جو آسمانوں کے بھی اوپر ہے، وہ روشن پیشانی اور یقین و اطمینان کی (حیات آفرین) خنکی کے ساتھ ہمیشہ تبسم ریز رہتا ہے اور اس کی روشنی اور نور کی شعاعیں (تمام کائنات پر) چھا جاتی ہیں، اور اس کی شہرت و دبدبہ (شکوک وشبہات کے) پردوں کو چاک کر دیتا ہے اور وہ رفعت وظہور کے اعلیٰ و ارفع مقام پر مسکراتا رہتا ہے، اور اس سے اللہ تعالیٰ شانہ نے حق کو باطل کی سرکوبی اور بیخ کنی کی ایسی قدرت عطا فرمائی ہے کہ باطل کوئی بھی پہلو بدلے اور کسی بھی روپ میں آئے حق اس کو جہنم رسید کر کے رہتا ہے، اور مٹتے مٹتے (بہتے پانی کے) جھاگوں اور (تیز و تند آندھیوں کے) گرد وغبار کی طرح اس کا نام تک باقی نہیں رہتا، جہاں بھی حق نمودار اور صبح صادق کے ستون کی طرح برقرار ہوا، تو باطل نے گرگٹ کی طرح رنگ بدلے اور گیدڑ کی طرح دم

دبا کر بھاگا، پھر جس شخص نے بھی اس باطل کی حمایت کی، اس نے بھی اپنا ٹھکانہ جہنم بنالیا اور عذاب ابدی کا ازلی فیصلہ اس شخص کے حق میں محقق ہوگیا، اور وہ بدبختی وشومی اور شقاوت وانجام بد کے پست ترین طبقہ (گڑھے) میں (اوندھے منہ) جاپڑا، نہ معلوم کتنے ایسے شقی لوگ دنیا میں ہوئے ہوں گے جن کا جرم (حمایت باطل) اس طرح دامن گیر وگریبان گیر ہوا کہ وہ جہنم کی تہ میں جا پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم (مسلمانوں) کو (اپنے فضل و کرم سے) اس انجام بد سے بچایا ہے، اس نجات و عافیت اور (دنیوی و اخروی بلاؤں سے) حفاظت پر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے نبی و رسول، نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قیامت تک ہر صبح و شام (بے شمار) صلوٰۃ و سلام ہوں، جو آخری نبی اور آخری رسول ہیں، نبوت و رسالت ان پر ختم ہوگئی ہے، اور ان کے بعد تو خوشخبری دینے والے (سچے) خوابوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہا ہے، قصر نبوت کی تعمیر و تکمیل کی آخری اینٹ باقی رہ گئی تھی، وہ خشت آخری خاتم انبیاءؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات گرامی بن گئی، پس (آپ کی بعثت کے بعد) وہ قصر نبوت کامل و مکمل ہوگیا (اب نہ کوئی نبی ہوسکتا ہے نہ رسول)۔

اور آپ کی آل و اولاد اور صحابہ و تابعین اور قیامت تک اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں پر بھی صلوٰۃ و سلام ہو۔"

مُقَدِّمَة[(۱)]

وجہِ تالیف:

یہ رسالہ ایک استفتاءً کے جواب میں سپردِ قلم کیا گیا ہے اور اس کا مقصد صرف قلب بیدار اور گوشِ شنوا کے لئے نصیحت اور تنبیہ و تذکیر کا سامان مہیا کرنا ہے۔

وجہِ تسمیہ:

میں نے اس رسالہ کا نام "اکفار الملحدین والمتأولین فی شیء من ضروریات الدین" (ضروریاتِ دین میں تاویل کرنے والوں اور ملحدوں کی تکفیر) رکھا ہے۔

مآخذ:

اس رسالہ کا نام اور احکام دونوں قرآن کریم کی مذکورہ ذیل آیت کریمہ سے ماخوذ ہیں:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ آیاتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا

---

(۱) مصنف نور اللہ مرقدہ اس فصیح و بلیغ خطبہ کے بعد رسالہ کے اصل مباحث کو شروع کرنے سے قبل، اس رسالہ کی وجہ تالیف، وجہ تسمیہ اور چند ضروری اصطلاحات و مسلّمات کی تشریح اور بطور خلاصہ حاصل مطالب کتاب بیان فرماتے ہیں۔ مترجم۔

اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ خَيْرٌ اَمَّنْ يَّأْتِىْ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ،
اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّه بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ." (حم السجدہ:۴۰)

ترجمہ:......"بے شک جو لوگ ہماری آیات میں کجروی (اختیار) کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے نہیں رہ سکتے، تو کیا وہ شخص بہتر (حالت میں) ہے جو جہنم میں ڈالا جائے گا یا وہ شخص جو قیامت کے دن مطمئن آئے گا؟ کئے جاؤ جو تمہارا جی چاہے، بے شک وہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔"

یعنی (۱) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگرچہ یہ ملحد (مخلوق) سے اپنے کفر کو چھپانے اور بغرض اخفا اس پر باطل تاویل کا پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ہم تو ان کی فریب کاری سے خوب واقف ہیں، وہ ہم سے نہیں چھپ سکتے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ "يُلْحِدُوْنَ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"يضعون الكلام فی غير موضعه."

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج:۱۵ ص:۳۶۶ مطبوعہ دارالکاتب العربی قاہرہ، مصر)

ترجمہ:......"وہ کلام الٰہی کو بے محل استعمال کرتے ہیں (یعنی قرآن کریم کی آیات میں باطل تاویلیں اور تحریفیں کرتے ہیں)۔"

قاضی ابویوسف رحمہ اللہ "کتاب الخراج" (۲) میں ملحد اور زندیق کا حکم

---

(۱) حاشیہ کی ضروری عبارتوں کا ترجمہ متن کے ساتھ ہی کردیا گیا ہے۔ مترجم۔

(۲) کتاب الخراج "فصل فی الحکم فی المرتد عن الاسلام"، ص:۱۷۹ پر قاضی ابویوسف رحمہ اللہ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ زندیق سے توبہ کرائی جائے، کرلے تو فبہا ورنہ قتل کردیا جائے، یہ حاشیہ کی عبارت کا ترجمہ ہے۔ مترجم۔

بیان فرماتے ہیں:

”وکذالک الزنادقة الذین یلحدون وقد کانوا یظهرون الاسلام.“

ترجمہ:......”ایسا ہی (اختلاف) ان زندیقوں کے بارے میں ہے جو ملحد ہوجائیں اور خود کو مسلمان کہتے ہوں (ان سے بھی توبہ کرائی جائے، توبہ نہ کریں تو ان کو قتل کردیا جائے، یا توبہ کے لئے بھی نہ کہا جائے اور الحاد کی بنا پر قتل کردیا جائے)۔“

ضروریاتِ دین:

جیسا کہ عقائد وکلام کی کتابوں میں مشہور ہے: ”ضروریاتِ دین“ سے وہ تمام قطعی اور یقینی امورِ دین مراد ہیں جن کا دینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا قطعی طور پر معلوم ہے اور حدتواتر وشہرت عام تک پہنچ چکا ہے، حتیٰ کہ عوام بھی ان کو دینِ رسول اللہ جانتے اور مانتے ہیں(۱)، مثلاً توحید، نبوت، خاتم انبیاءؐ پر نبوت کا ختم ہونا، آپؐ کے بعد سلسلۂ نبوت کا منقطع ہوجانا، حیات بعد الموت (مرکر دوبارہ زندہ ہونا) جزاوسزائے اعمال، نماز اور زکوٰۃ کا فرض ہونا، شراب اور سود وغیرہ کا حرام ہونا۔

---

(۱) حضرت مصنف نورہ اللہ مرقدہ حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ: ”شہرت عام کا معیار یہ ہے کہ عوام کے ہر ہر طبقہ میں اس کا علم پہنچ جانا چاہئے، ہر ہر فردِ عوام کا جاننا ضروری نہیں ہے، اسی طرح عوام کے اس طبقہ کا جاننا بھی ضروری نہیں جو دین اور دینی امور سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتا، بلکہ عوام کے ان طبقوں تک اس امر ضروری کا علم پہنچ جانا چاہئے جو دین سے علاقہ رکھتے ہیں، خواہ اہل علم ہوں، خواہ غیر اہل علم۔“ اس زمانہ کے لحاظ سے حضرت مصنفؒ کی یہ تنقیح نہایت ضروری ہے۔ مترجم۔

ختم نبوت کی شہادت نہ صرف زندہ انسانوں نے بلکہ مرے ہوئے انسانوں نے بھی دی ہے:

خصوصاً ''ختم نبوت'' تو ایک ایسا یقینی عقیدہ ہے کہ جس پر نہ صرف کتاب اللہ بلکہ سابقہ کتب سماویہ بھی شاہد ہیں، اور ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متواتر احادیث بھی اس پر شاہد ہیں، اور نہ صرف زندہ انسانوں نے بلکہ وفات شدہ انسانوں نے بھی اس پر شہادت دی ہے، جیسا کہ زید بن حارثہ کا واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے وفات کے بعد ''خرقِ عادت'' کے طور پر کلام کیا اور کہا کہ: ''محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، نبی امی اور خاتم انبیاءؐ ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، اسی طرح پہلی کتابوں میں ہے۔'' اور پھر فرمایا کہ: ''سچ ہے سچ ہے۔''

(المواہب اللدنیہ مع شرح الزرقانی ج:۵ ص:۱۸۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

یہ واقعہ ''مواہب لدنیہ'' وغیرہ سیرت کی کتابوں میں انہی الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔

ضروریاتِ دین کی وجہ تسمیہ:

ایسے تمام عقائد و اعمال کو ضروری اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہر خاص و عام شخص قطعی اور یقینی طور پر ان کو دین سمجھتا اور جانتا ہے کہ مثلاً فلاں عقیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے (یعنی ''ضروری'' اس اصطلاح میں قطعی، ناقابل انکار اور یقینی امر کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یہ معنی معروف معنی بدیہی کے قریب ہی قریب ہیں)۔

لہٰذا ایسے تمام امور کا دین ہونا یقینی اور داخل ایمان ہے اور ان پر ایمان لانا فرض ہے، یہ مطلب نہیں کہ ان پر عمل کرنا ضروری اور فرض ہے، جیسا کہ بظاہر متوہم ہوتا ہے، اس لئے کہ ضروریاتِ دین میں بہت سے امور شرعاً مستحب اور مباح بھی

ہوتے ہیں، (ظاہر ہے کہ ان پر عمل کرنا فرض نہیں ہوسکتا) مگر ان کے مستحب یا مباح ہونے پر ایمان لانا یقیناً فرض اور داخل ایمان ہے، اور بطور عناد ان کا انکار کرنا موجب کفر ہے۔(۱) (مثلاً: مسواک کرنا تو مستحب ہے، مگر اس کے مستحب ہونے پر ایمان لانا فرض ہے، جو شخص مسواک کے مستحب ہونے سے انکار کرتا ہے وہ کافر ہے)۔

ضروریاتِ دین کا مصداق:

لہٰذا ضروریاتِ دین اس ''مجموعہ عقائد و اعمال'' کا نام ہے جن کا دین ہونا یقینی اور بارگاہ رسالت سے ان کا ثبوت قطعی ہے۔

ضروریاتِ دین پر عمل کرنے، یا نظری ہونے کی صورت میں کسی خاص کیفیت کا انکار کرنے سے انسان کافر نہیں ہوتا:

باقی عمل کے اعتبار سے یا اس کے حکم کی نوعیت یا کیفیت کے اعتبار سے

---

(۱) چنانچہ حضرت مصنف علیہ الرحمۃ ''جوہرۃ التوحید'' کے حاشیہ ص:۵۱ کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ: ''بعض متواتر امور ایسے ہیں جن سے جاہل ہونے کی بنا پر انکار کردینے پر تکفیر نہیں کی جاتی، ہاں بتلا دینے کے بعد بھی انکار پر اڑے رہنے پر ضرور تکفیر کی جائے گی۔'' فرماتے ہیں اسی طرح ''موافقات'' ج:۲ ص:۱۵۶ کے حاشیہ میں فرق نمبر:۹۴ کے تحت ''جہل'' کے عذر معتبر ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ضابطہ بیان کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جن مسائل میں عادۃً جہل (ناواقفیت) سے بچنا دشوار ہے، ان میں ناواقفیت معاف ہے۔ (یعنی اگر ناواقفیت کی بنا پر ایسے ضروریاتِ دین میں سے کسی ''امر ضروری'' کا کوئی انکار کردے تو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا) اور وہ مسائل ضروریہ جن کی ناواقفیت اور نادانی سے بچنا عادتاً دشوار نہیں ہے اور بآسانی ان کا علم حاصل کیا جاسکتا ہے، ان میں ناواقفیت کا عذر معتبر نہیں ہے، اور نادانی کی بنا پر بھی ان مسائل ضروریہ میں سے کسی امر ضروری کا انکار معاف نہ ہوگا اور منکر کو کافر کہا جائے گا۔ اس سلسلہ میں ''دائرۃ المعارف'' ج:۲ ص:۲۰۸ پر ''ردّت'' سے متعلق بحث، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اپنے امراء کے نام فرامین اور ''اہل ردۃ'' کے نام دعوتی مراسلہ، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''ہرقل'' کے نام دعوتی فرمان کی مراجعت ضروری ہے۔ مترجم۔

''قطعی'' اور ''یقینی'' ہونے پر مدار نہیں ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ ایک حدیث حد تواتر کو پہنچ چکی ہو اور رسول اللہ سے اس کا ثبوت یقینی اور لابدی ہو، لیکن اس حدیث میں جو حکم مذکور ہے وہ عقلی اعتبار سے محل نظر وفکر ہو اور یقینی طور پر اس کی مراد متعین نہ کی جاسکے، جیسا کہ عذاب قبر کی حدیث کہ رسول اللہ سے ثبوت کے اعتبار سے تو یہ حدیث حد تواتر اور شہرت عام کو پہنچ چکی ہے (لہٰذا اس پر ایمان لانا فرض ہے اور اس کا منکر کافر ہے) مگر اس عذابِ قبر کی کیفیت کو متعین کرنا دشوار ہے (یعنی قطعی طور پر اس کی کوئی صورت متعین کرنا کہ جس کے انکار کرنے والے کو کافر کہہ دیا جائے، ناممکن ہے، یہی کہا جاسکتا ہے کہ عذابِ قبر تو یقینی ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے، لیکن اس کی حقیقت اور کیفیت کا علم اللہ ہی بہتر جانتا ہے)۔

ایمان:

ایمان ایک عمل قلبی ہے، جیسا کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے (صحیح بخاری ج:۱ ص:۷ پر ''وان المعرفة فعل القلب'' کے الفاظ سے) اشارہ فرمایا ہے اور دین کے ہر ہر حکم کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنے کا پختہ قصد کرنا، یہ ایمان کے لئے لازم ہے، (بالفاظ دیگر محض کسی چیز کا یقینی علم اور معرفت ہی ایمان نہیں ہے، بلکہ دل سے اس کو مان لینا اور اس پر عمل کرنے کا مصمّم ارادہ کرنا بھی ایمان میں داخل ہے)۔

مؤمن ہونے کے لئے تمام احکامِ شریعت کی پابندی کا عہد کرنا ضروری ہے:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباری'' (۱) میں تصریح فرماتے ہیں کہ: ''التزام

---

(۱) یہ پورا حصہ اصل کتاب میں حاشیہ کے اندر مذکور ہے، ہم نے مضمون میں ربط اور تسلسل پیدا کرنے کی غرض سے اصل کتاب کی عبارت کے ساتھ ترجمہ کردیا ہے، کیونکہ متن کی طرح حاشیہ بھی حضرت مصنف علیہ الرحمۃ کے قلم مبارک کی تراوش ہے۔ مترجم۔

احکام شریعت، صحت ایمان کے لئے ضروری ہے۔'' وہ فرماتے ہیں:

''اہل نجران کے واقعہ سے جو احکام شرعیہ مستنبط ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ: کسی کافر کا صرف نبوت کا اقرار کرلینا، اس کے مسلمان ہونے کے لئے کافی نہیں ہے، جب تک کہ وہ تمام احکام اسلام پر عمل کرنے کا التزام نہ کرے (اس وقت تک مسلمان نہ ہوگا)۔''

(فتح الباری ج:۸ ص:۹۵ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور)

حافظ ابن قیمؒ نے ''زاد المعاد'' میں اس کی بہت اچھی طرح وضاحت کی ہے، مراجعت کیجئے۔

حقیقتِ ایمان:

لہٰذا اب ایمان کی حقیقت یہ ہوئی:

۱:...ان تمام عقائد و احکام کی تصدیق کرنا اور ان کو دل سے ماننا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔

۲:...آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام احکام شریعت کی پابندی اپنے ذمہ لینا اور قبول کرنا۔

۳:...آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے علاوہ باقی تمام مذاہب و ادیان سے بے تعلقی کا اعلان کرنا۔

یقینیات کی طرح ظنیات پر بھی ایمان لانا ضروری ہے:

جن علماً متکلمین نے اس تصدیق اور التزام احکام کو ''ضروریات'' یعنی قطعی اور یقینی امور تک محدود رکھا ہے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ متکلمین کے فن (علم کلام) کا موضوع ہی ''یقینیات'' ہیں، (وہ غیر یقینی یعنی ظنی امور سے بحث ہی نہیں کرتے)

مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ متکلمین کے نزدیک ''غیر یقینی'' یعنی ظنی امور ایمان میں داخل نہیں ہیں (اور ان پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے) ہاں وہ کسی کو کافر صرف ''ضروریات'' (امور یقینیہ) کے انکار پر ہی کہتے ہیں۔

ایمان کے زائد اور ناقص ہونے یا نہ ہونے کے اختلاف کی حقیقت:

اب جو علماءٔ کہتے ہیں کہ ''ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور وہ طاعت سے زیادہ اور معصیت سے کم ہوتا ہے۔'' ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک مؤمن کامل اور گنہگار مسلمان میں فرق کرنا از بس ضروری ہے، (اور یہ فرق اسی طرح ممکن ہے کہ عمل کو بھی ایمان میں معتبر مانا جائے، لہٰذا ایمان قول وعمل کا نام ہے) اور جو علماءٔ یہ کہتے ہیں کہ: ''ایمان کم زیادہ نہیں ہوتا۔'' ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایمان فعل قلب ہے اور بسیط ہے، اس میں کسی طرح بھی تجزیہ نہیں ہوسکتا اور اس پورے دین پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ایمان لانا ضروری ہے، اسی لئے انہوں نے ایمان کی کمی بیشی کو تسلیم کرنے سے احتراز کیا (فریق اول ایمان کے فعل قلب ہونے سے انکار نہیں کرتا، اسی طرح فریق ثانی مؤمن کامل اور گنہگار مسلمان کے درمیان ایمان کے اعتبار سے فرق کا منکر نہیں ہے، اسی طرح پورے دین پر ایمان لانا بھی سب کے نزدیک ضروری ہے، فرق صرف نقطہ نظر کا ہے اور بس، یہی ایمان کے کم وبیش ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں متقدمین کے اختلاف کی حقیقت ہے)، اس کے بعد جب ان متاخرین کا دور آیا جو اختلاف ہی کے دلدادہ تھے تو انہوں نے ہر دو فریق کے اقوال کی تعبیر ایسے انداز میں کی کہ ایک طرف نفس اعتقاد تک میں کمی بیشی پیدا کردی، دوسری طرف عمل کو سرے سے ایمان سے اس طرح خارج کردیا کہ مرجۂ کے اعتقادات سے جا ملایا اور اس افراط وتفریط سے حقیقت ایمان کو ہی محل اختلاف اور

آماجگاہ نزاع بنادیا۔

مزید تحقیق کے لئے ''میزان الاعتدال'' (ج:۲ص:۱۳۶پر) عبدالعزیز بن ابی رواد کے ترجمہ اور ''تہذیب التہذیب'' (ج:۸ص:۱۰۴پر) عون بن عبداللہ کے ترجمہ اور ''ایثار الحق'' (ص:۴۱۰) کی مراجعت کیجئے۔

بہرکیف ایمان عمل قلب ہے اور دین کے ہر ہر حکم پر عمل کرنے کا پختہ قصد اور التزام ایمان کے لئے لازم ہے، یہ قصد و ارادہ بھی تمام احکام دین پر محیط ایک ''بسیط حقیقت'' ہے، اس میں بھی کسی کمی بیشی یا تجزیہ کا کوئی امکان نہیں، لہٰذا جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کرتا ہے وہ کافر ہے اور ''ان لوگوں میں سے ہے جو کتاب اللہ کے کسی حکم کو مانتے ہیں اور کسی حکم کا انکار کرتے ہیں۔'' ظاہر ہے کہ ایسے لوگ باتفاق امت قطعاً کافر ہیں، اگرچہ یہ لوگ (۱) اپنے ایمان، دینداری اور خدمت اسلام کا ڈھنڈورا پیٹتے پیٹتے مشرق و مغرب کے قلابے ملادیں اور یورپ و ایشیا کو ہلاڈالیں، بقول شاعر:

وکل یدعی حبا لیلیٰ

ولیلیٰ لا تقر لهم بذاکا

ترجمہ:...... ''لیلیٰ کی محبت کا دعویٰ تو ہر شخص کرتا ہے،

مگر لیلیٰ ہر کسی کی محبت کو تسلیم نہیں کرتی۔''

یہی وہ نکتہ ہے جس پر آغاز عہد خلافت میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہوا، چنانچہ ابوبکر صدیقؓ نے ہر اس شخص سے جنگ کرنے کا اعلان کردیا جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتا ہے، (یعنی نماز کو مانتا ہے اور زکوٰۃ کو نہیں مانتا) حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مقصد یہی تھا کہ جو شخص

---

(۱) ان لوگوں سے مراد ''مرزائی'' ہیں، اسی طرح آج کل کے ملحد و بے دین ''مدعیانِ اسلام'' بھی اسی کا مصداق ہیں۔ مترجم۔

پورے دین کو ماننے کے لئے تیار نہیں وہ مؤمن نہیں (کافر اور مباح الدم، یعنی واجب القتل ہے)۔

شیخینؓ کا اتفاق رائے اور تمام صحابہؓ کا اجماع:

آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروقؓ کو بھی شرح صدر عطا فرمایا اور یہ حقیقت ان کی سمجھ میں آگئی اور ابوبکر صدیقؓ کی رائے سے متفق ہوگئے۔

اس کا ثبوت کہ: پورے دین پر ایمان لانا ضروری ہے:

ا:......چنانچہ اسی سلسلہ میں امام مسلم رحمہ اللہ "صحیح مسلم" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ:

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس وقت تک لوگوں سے جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت نہ دیں اور مجھ پر اور "جو دین میں لے کر آیا ہوں" اس پر ایمان نہ لے آئیں، جب وہ اس کو اختیار کرلیں گے تو ان کو (مسلمانوں کی طرح) احکام شریعت کے مطابق جان و مال کی امان حاصل ہوجائے گی بجز اسلامی حقوق کے، باقی ان کے دلوں کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے (کہ وہ دل سے ایمان لائے ہیں یا کسی خوف و طمع سے)۔"
>
> (صحیح مسلم ج:۱ ص:۳۷)

۲:......صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

جان ہے کہ اس امت کا جو شخص بھی، خواہ یہودی ہو، خواہ نصرانی، میری بعثت کی خبر سن کر میری نبوت اور اس دین پر، جو میں لے کر آیا ہوں، ایمان لائے بغیر مرجائے گا، وہ جہنمی ہے۔"

(ج:۱ ص:۸۶)

۳:......مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کا جو بھی آدمی خواہ یہودی ہو یا نصرانی، میری بعثت کی خبر سن کر مجھ پر ایمان نہ لائے گا، وہ جہنم میں جائے گا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ: میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد سن کر دل میں کہنے لگا کہ قرآن کریم کی کون سی آیت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے؟ تو آخر آیت ذیل میرے ذہن میں آئی:

"وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ."

(ہود:۱۷)

ترجمہ:......"اقوام و ملل میں سے جو بھی کوئی (اس دین کا) انکار کرے گا، جہنم اس کی وعدہ گاہ (ٹھکانہ) ہے۔"

(اس آیت کریمہ کے لفظ "احزاب" میں دنیا کے تمام ادیان، مذاہب اور اقوام و ملل آگئے اور رسول اللہؐ کے قول کی تصدیق ہوگئی)۔" (المستدرک للحاکم ج:۲ ص:۳۴۲)

مزید تحقیق کے لئے لفظ "مرجئہ" کے تحت "دائرۃ المعارف" کی مراجعت کیجئے۔

''تواتر'' اور اس کی چند قسمیں(۱):

۱:......تواتر سند:

(کسی حدیث کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں (شروع سے آخر تک) اتنے لوگ رہے ہوں کہ کسی زمانہ میں بھی ان سب کا کسی بے اصل حدیث کی روایت کرنے پر آپس میں اتفاق کرلینا عادتاً محال ہو) مثلاً حدیث: ''من کذب علیّ متعمدًا فلیتبوأ مقعده من النار.'' کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباری'' شرح صحیح بخاری (ج:۱ ص:۲۰۳) میں بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث تیس مختلف(۲) صحابیوں سے مختلف صحیح اور حسن سندوں کے ساتھ بے شمار راویوں نے روایت کی ہے۔

حدیثِ ختم نبوت از روئے سند ''متواتر'' ہے:

اسی طرح ہمارے اصحاب میں سے مولوی (مفتی) محمد شفیع صاحب دیوبندی نے (ایک رسالہ میں) احادیث ختم نبوت جمع کی ہیں، ان کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد تک پہنچ گئی ہے، ان میں سے تقریباً تیس روایتیں تو ''صحاحِ ستہ'' کی ہیں، اور باقی دوسری کتب کی۔

۲:......تواتر طبقہ:

ہر عہد کے لوگ اپنے سے پہلے عہد کے لوگوں سے کسی روایت یا عقیدہ یا عمل کو سنتے اور نقل کرتے چلے آئے ہوں، مثلاً قرآن کریم کا تواتر کہ مشرق سے مغرب تک تمام روئے زمین پر ہر زمانہ اور عہد کے مسلمان، اپنے سے پہلے عہد اور

---

(۱) ضروریاتِ دین کے بیان کے ذیل میں ''تواتر'' کا ذکر آیا ہے، اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ تواتر کی قسمیں بیان فرماتے ہیں۔ مترجم۔

(۲) حافظ ابن حجرؒ نے اس مقام پر سو سے زیادہ صحابہؓ سے اور بحوالہ امام نوویؒ دو سو صحابیوں سے اس حدیث کے مروی ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ مترجم۔

زمانہ کے مسلمانوں سے بعینہ اسی قرآن کو نقل کرتے، پڑھتے پڑھاتے اور حفظ و تلاوت کرتے چلے آئے ہیں، تم عہد بعہد پڑھتے اور بڑھتے چلے جاؤ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاؤ گے، نہ کسی سند کی ضرورت ہے، نہ کسی راوی کا نام لینے کی۔

باقی ہر عہد کے لوگوں کا دوسرے عہد کے لوگوں سے یہ نقل کرنا اور اس پر یقین کرنا کہ یہ قرآن بعینہ وہی کتاب ہے جو رسول اللہ پر نازل ہوئی، اس میں تو سب ہی مسلمان شریک ہیں، چاہے انہوں نے قرآن پڑھا ہو، یا نہ پڑھا ہو، (اس لئے کہ اس یقین کے بغیر تو کوئی مسلمان ہی نہیں ہوسکتا)۔

۳:......تواتر عمل یا توارث!

ہر زمانہ کے لوگ جن ''امور دین'' پر عمل کرتے چلے آئے ہوں اور وہ ان میں جاری و ساری رہے ہوں، وہ سب امور و احکام ''متواتر'' ہیں (مثلاً وضو، پھر وضو میں مسواک کرنا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، نماز باجماعت، اذان و اقامت وغیرہ)۔

فائدہ:۱:......بعض احکام میں تینوں قسم کا ''تواتر'' جمع ہوجاتا ہے، مثلاً وضو میں مسواک کرنا، کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا کہ یہ احکام ایسے ہیں جن میں تینوں قسمیں تواتر کی جمع ہوگئی ہیں۔

فائدہ:۲:......بعض لوگ (تواتر کی تینوں قسموں کو پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے) یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ''متواتر'' احادیث و احکام بہت کم ہیں، حالانکہ فی الواقع ہماری شریعت میں متواترات اتنے بے شمار ہیں کہ انسان ان کے گننے اور فہرست بنانے سے عاجز ہے۔

فائدہ:۳:......بہت سے ایسے احکام و مسائل ہیں کہ ہم ان کے ''تواتر'' سے

غافل اور بے خبر ہوتے ہیں، لیکن جب توجہ اور تجسس کرتے ہیں تو کسی نہ کسی اعتبار سے وہ متواتر نظر آتے ہیں، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بسا اوقات انسان ''نظری'' مسائل کے سمجھنے اور محفوظ کرنے میں ایسا منہمک ہوجاتا ہے کہ ''بدیہیات'' اس کی نگاہ سے بالکل اوجھل ہوجاتے ہیں (اور جب توجہ کرتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ تو ''بدیہی'' ہیں)۔

ضروریاتِ دین سے کسی متواتر امر ''مسنون'' کے انکار سے بھی انسان کافر ہوجاتا ہے:

ضروریاتِ دین اور متواترات کی اس تشریح و تحقیق کے بعد اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مثلاً:

ا:......نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کے فرض ہونے کا اعتقاد بھی فرض ہے، اور نماز سیکھنا بھی فرض ہے اور نماز سے انکار یعنی اس کو نہ ماننا یا نہ جاننا کفر ہے۔

۲:......اور مسواک کرنا سنت ہے، مگر اس کے سنت ہونے کا اعتقاد فرض ہے، اور اس کی سنیت کا انکار کفر ہے، لیکن اس پر عمل کرنا اور علم حاصل کرنا سنت ہے، اور اس کے علم سے ناواقف رہنا حرمانِ ثواب کا باعث ہے، اور اس پر عمل نہ کرنا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے عتاب یا (ترک سنت کے) عذاب کا موجب ہے۔ (دیکھا آپ نے ایک سنت کی سنیت کے انکار سے بھی انسان کافر ہوجاتا ہے)۔

ضروریات دین میں ''تاویل'' کرنا بھی کفر ہے:

ہم آنے والی فصلوں میں زیادہ تفصیل اور تحقیق کے ساتھ ثابت کریں گے کہ ارباب حل و عقد علماً کا اس پر اجماع ہے کہ ''ضروریاتِ دین'' میں کوئی ایسی تاویل کرنا بھی کفر ہے جس سے اس کی وہ صورت باقی نہ رہے جو تواتر سے ثابت ہے، اور جو اب تک ہر زمانہ کے خاص و عام مسلمان سمجھتے سمجھاتے چلے آئے ہیں، اور جس پر

امت کا تعامل رہا ہے۔(۱)

علمأ احناف کے نزدیک تو کسی بھی ''قطعی'' امر کا انکار کفر ہے:

علمأ احناف تو اس پر اور اضافہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی بھی ''قطعی'' اور ''یقینی''، ''حکم شرعی'' یا ''عقیدہ'' کا انکار کفر ہے، اگر چہ وہ ضروریاتِ دین کے تحت نہ بھی آتا ہو، چنانچہ شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے ''مسایرہ'' ص:۲۰۸ طبع جدید، مصر میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اور دلائل کے اعتبار سے علمأ احناف کی یہ رائے غایت درجہ قوی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ہر وہ ''قطعی'' اور ''یقینی'' امر شرعی، جو اس قدر واضح ہو کہ اس کے تعبیر کرنے والے الفاظ اور ان کے معنی کو ہر اعلیٰ، ادنیٰ اور متوسط درجہ کا آدمی بآسانی جانتا اور سمجھتا ہو اور ان کی مراد بھی اتنی واضح ہو کہ اس کے متعین کرنے کے لئے دلائل و براہین کی کھینچ تان کی ضرورت نہ ہو، ایسا ''امر شرعی'' جب صاحب شریعت علیہ السلام سے بطور ''تواتر'' ثابت ہو اس پر بعینہٖ اور ہو بہو اسی ظاہری صورت میں بغیر کسی تاویل و تصرف کے ایمان لانا فرض ہے، اور اس کا انکار یا اس میں کوئی ''تاویل و تصرف'' کرنا کفر ہے۔

ختم نبوت کا انکار یا اس میں کوئی تاویل کفر ہے:

مثلاً ختم نبوت کا عقیدہ کہ اس کے سمجھنے اور جاننے میں کسی بھی شخص کو کوئی دشواری یا اشکال نہیں، چنانچہ ہر زمانہ میں تمام روئے زمین کے مسلمان حدیث ذیل کے الفاظ سے اس عقیدہ کو بخوبی سمجھتے رہے ہیں:

---

(۱) جیسے اس زمانہ کے بعض بے دین ملحد لفظ ''صلوٰۃ'' کو عربی کے لفظ ''مصلی'' (بمعنی دوڑ میں دوسرے نمبر پر آنے والے گھوڑے) سے مشتق مان کر ''صلوٰۃ'' کو ایک ''ورزش جسمانی'' قرار دیتے ہیں، اور ''اقامت صلوٰۃ'' کے معنی ''جسمانی ورزش کرنا'' کہتے ہیں، یا اسی طرح ربوا (سود) کو تجارتی منافع سے تعبیر کر کے سود کو جائز کہتے ہیں، یہ سب کفر محض ہے۔ مترجم۔

"ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی." (جامع الترمذی ج:۲ ص:۵۱)

ترجمہ:...... "بے شک رسالت و نبوت کا سلسلہ منقطع ہوگیا، پس میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہوگا، نہ کوئی نبی۔"

یا حدیث شریف کا مذکورہ ذیل جملہ اس مسئلہ کو سمجھانے کے لئے ہر خاص و عام شخص کے لئے کافی و وافی ہے:

"ذهبت النبوة وبقيت المبشرات."

(ترمذی ج:۲ ص:۵۱)

ترجمہ:...... "نبوت تو ختم ہوگئی اب تو صرف "بشارت دینے والے خواب" رہ گئے ہیں۔"

اس لئے کہ ان ہر دو حدیثوں کے ظاہری الفاظ اور ان کے متبادر معنی ختم نبوت کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتے (اور ہر عالم و غیر عالم آدمی بغیر کسی تردد و تذبذب اور اشکال و دشواری کے ان احادیث کے الفاظ سے یہ جانتا اور سمجھتا ہے کہ نبوت و رسالت کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا، وہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہوچکا، اب نہ کوئی نبی ہوسکتا ہے نہ رسول)۔

ختم نبوت کا اعلان برسرِ منبر:

جب یہ عقیدہ "شہرت و تواتر" کے اس مرتبہ کو پہنچ چکا ہے کہ خود صاحب نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام برسرِ منبر ایک سو پچاس مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ بار واضح اور غیر مبہم الفاظ (احادیث) میں مختلف مواقع اور مجامع میں اس کا اعلان اور تبلیغ فرماتے ہیں۔ اور کبھی ادنیٰ اشارہ بھی اس طرف نہیں فرماتے کہ اس میں کسی "تاویل" کا امکان ہے، اور عہد نبوت سے اب تک امت محمدیہ کا ہر حاضر و غائب فرد عہد بعہد اس عقیدہ کو سنتا، سمجھتا اور مانتا چلا آتا ہے حتیٰ کہ ہر زمانہ میں تمام مسلمانوں کا اس پر

ایمان رہا ہے کہ: ''خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا۔'' بجز اس کے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب اسی امت کے ایک ''عادل حاکم'' کی حیثیت سے اس وقت آسمان سے اتریں گے، جبکہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان عالمگیر خون ریز لڑائیاں اور ہولناک خونی حادثے پیش آچکے ہوں گے۔ اس وقت حضرت مہدی علیہ الرضوان مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نصاریٰ کی اصلاح فرمائیں گے، اور یہودیوں کو تہ تیغ کریں گے، ان ہر دو بزرگوں کی برکت اور مساعی سے پھر ایک مرتبہ تمام نوع انسانی صرف خدائے وحدہ لا شریک کی پرستار اور فرماں بردار بن جائے گی۔

حضرت عیسیٰؑ کا قیامت کے قریب آسمان سے اترنا ''متواتر'' ہے:

چنانچہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے ''فتح الباری'' ج:۶ ص:۴۹۳، ۴۹۴، اسی طرح ''التلخیص الحبیر باب الطلاق'' میں، اور حافظ ابن کثیرؒ نے تفسیر ابن کثیر ج:۱ ص:۵۸۲، سورۂ نساء، اور ج:۴ ص:۱۳۲، سورۂ زخرف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر امت کے ''اجماع'' اور ''تواتر'' کی تصریح نقل فرمائی ہے۔

پنجاب کا ایک ملحد اور دعوائے نبوت و عیسویت:

لیکن تیرہ سو سال بعد پنجاب سے ایک ملحد اٹھتا ہے جو ان تمام نصوصِ صحیحہ میں، ماضی کے زندیقوں کی طرح نت نئی تحریفیں اور تاویلیں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے ''ابن مریم'' میرا نام رکھا ہے، اور وہ ''عیسیٰ ابن مریم'' میں ہی ہوں جس کے آخری زمانہ میں آسمان سے نازل ہونے کی پیش گوئی احادیث میں کی گئی ہے، اور وہ یہودی، جن کو ابن مریم قتل کریں گے، اس سے مراد عہد حاضر کے وہ علمائے اسلام ہیں جو میری نبوت پر ایمان نہ لائیں، اس لئے کہ وہ یہودیوں کی طرح ظاہر

پرست اور روحانیت سے محروم ہیں۔“

اس ملحد کی حقیقت:

حالانکہ اس ملحد کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ اگلے زمانہ کے وہ ”زندیق وملحد“ جن کا نام و نشان بھی آج صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہے وہ اس ”روحانیت“ میں، (اگر یہ ”بے دینی“ ہی روحانیت ہے)، اس ملحد سے بہت بڑھ چڑھ کر اور غیر معمولی قوتوں کے مالک تھے۔

چنانچہ اس بے دین کا روحانی باپ اور پیر و مرشد ”باب“ اور اس کے بعد ”بہا“ اور ”قرۃ العین“ (یعنی بابی اور بہائی وغیرہ لیڈر) جن کو ہلاک ہوئے کچھ زیادہ زمانہ بھی نہیں گزرا ہے یہ (صفحات تاریخ پر) ہمارے سامنے ہیں، ان لوگوں نے بھی اسی قسم کے دعوے کئے تھے، جن کی نقل یہ زندیق اُتار رہا ہے، ان کے ماننے والے اشقیا اور ان کے پیرووں کی تعداد تو اس بے دین کے ماننے والوں سے بدرجہا زائد تھی، اور اس بے دین کو تو وہ جاہ وجلال بھی نصیب نہیں ہوا جو ان کو میسر تھا، خون ریز لڑائیوں اور جان لیوا معرکوں میں ان کی ثابت قدمی اور پامردی، رائفلوں کی گولیوں کے سامنے سینہ تان کر آنا اور ان کے سینوں پر گولیوں کا لگنا اور ہلاک نہ ہونا اور پہلے سے اس کی خبر دے دینا (کہ ہم ہلاک نہ ہوں گے) اور پھر اس کے مطابق ہی واقع ہونا (اور ان کا زندہ بچ جانا) وہ حیران کن اور شاندار کارنامے ہیں جو اس بزدل کے تصور میں بھی کبھی نہ آئے ہوں گے۔

بھلا اس زندیق کو وہ سحر آفرینی، شیریں زبان اور ولولہ انگیز شاعری کہاں نصیب؟ جس کی مشہور خاتون ”قرۃ العین“ مالک تھی؟ جس کا تذکرہ ایک عرب شاعر ذیل کے الفاظ میں کرتا ہے:

لها بشر مثل الحرير ومنطق
رخيم الحواشي لا هراء ولا نزر

ترجمہ:......"اس کا جسم تو ریشم کی طرح نرم و نازک
ہے اور زباں و بیاں بے حد شیریں و دل گداز ہے اور کمی بیشی و
بیہودہ گوئی سے بالکل پاک و صاف ہے۔"

اس بے دین کی تو کل پونجی ہی "تجلّی" اور "بروز" جیسے صوفیاً کرام سے سنے سنائے چند کلمات اور اصطلاحات ہیں اور بس، ان کی بھی اصلی صورت کو اس ظالم کی تحریفوں نے مسخ کردیا ہے، یوں سمجھئے شیروانی کو چرا کر اور کاٹ چھانٹ کر کے قمیص بنالیا ہے، یا پھر جدید فلسفہ اور اہل یورپ کی تحقیقات کو لے کر ان کا نام اپنے شیطان کی بھیجی ہوئی "وحی" رکھ دیا ہے۔

مرزا کے زندقہ والحاد کے اصلی بانی اور موجد؟:

اور یہ بھی کیا دھرا اس زندیق کا نہیں ہے، بلکہ حکیم محمد حسن امروہی ("غایۃ البرہان فی تفسیر القرآن" کے مصنف) جیسے ملحد اور بے دین زندیقوں نے اس بے وقوف کے لئے نبوت کی زمین ہموار کی ہے، مگر وہ اس سے زیادہ سمجھدار تھے کہ انہوں نے خود نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔

یہ ہے اس زندیق اور مدعی نبوت کی وہ حقیقت حال جس کی بنا پر ہم نے (یہ رسالہ لکھا ہے اور) اس کی تکفیر کی ہے اور اس کو مع اس کے متبعین کے جہنم رسید کیا ہے۔

عرب کے مشہور شاعر "متنبیؔ" کا درج ذیل شعر، اس "متنبیؔ" (جھوٹے مدعی نبوت) پر کس قدر چسپاں ہے!!:

لقد ضلّ قوم باصنامهم
واما بزق رياح فلا

ترجمہ:...... ''سونے چاندی کے بتوں سے تو لوگ گمراہ ہوتے سنے ہیں، لیکن ایک گوز بھری مشک سے تو کوئی بھی گمراہ نہ ہوا ہوگا۔''

ایک اور شاعر نے اس سے بہتر اور زیادہ حسب حال ترجمانی کی ہے، وہ کہتا ہے:

وكان امرأ من جند ابليس فارتقى
به الحال حتى صار ابليس من جنده

ترجمہ:...... ''شروع میں وہ شیطان کی فوج کا ایک معمولی سپاہی تھا، لیکن ترقی کرکے وہ اس مرتبہ پر پہنچ گیا کہ شیطان اس کی فوج کا معمولی سپاہی ہوگیا۔''

امام مالکؒ پر بہتان:

یہ سب کچھ ایک طرف! مجھے تو اس کے ایک طرفدار اور مرید کا ایک قول پہنچا ہے کہ: ''امام مالک بھی عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں۔'' میں آگاہ کردینا چاہتا ہوں کہ امام مالکؒ کی طرف اس قول کی نسبت صریح جہالت اور بہتان ہے، چنانچہ ابیؔ شارح ''صحیح مسلم'' اپنی شرح ص:۲۶۴ میں لکھتے ہیں کہ: ''امام مالکؒ نے بھی ''عتبِیَّۃ'' میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی تصریح فرمائی ہے، جیسا کہ جمہور امت کا اس پر اجماع ہے۔''

خلاصۂ کلام:

الغرض وہ ضروریاتِ دین اور امورِ شرعیہ متواترہ جن کی مراد اور معنی اتنے

واضح ہوں کہ کسی افہام وتفہیم کی حاجت نہ ہو، جیسے ختم نبوت یا نزولِ عیسیٰ علیہ السلام، ان کا انکار کرنا یا ان میں کوئی تاویل کرنا یقیناً کفر ہے۔

اس امر ضروری کی تفصیل، جس کا منکر کافر نہیں ہوتا:

ہاں وہ امورِ ضروریہ اور اعتقادات حقہ جو اتنے دقیق اور بعید از فہم ہوں کہ ان کا سمجھنا اور سمجھانا عام عقول انسانی کے بس کا نہ ہو، مثلاً تقدیر کا مسئلہ، عذابِ قبر کی حقیقت اور کیفیت، استوأ علی العرش کا مسئلہ، اللہ تعالیٰ کے آخر شب میں آسمان دنیا پر اترنے کی حقیقت و کیفیت اور اسی قسم کے ''متشابہ'' امور، نیز ذات و صفات الٰہیہ کی نوعیت وغیرہ، اگر ایسے امور ضروریہ حد شہرت و تواتر کو پہنچ جائیں، تو جو شخص ان سے واقف ہونے کے بعد سرے سے انکار کرے گا (کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں) بلاتردد ہم اس کو کافر کہیں گے، اور اگر بالکل انکار تو نہیں کرتا مگر ان کی نوعیت اور کیفیت کی بحث وتمحیص اور چھان بین کے تحت اس کا قدم پھسل جاتا ہے اور اپنی رائے سے کوئی ایک صورت متعین کر کے دعویٰ کرتا ہے کہ بس ''یہی حق'' ہے اور وہ اہل حق کے نزدیک باطل ہے (مثلاً عذابِ قبر کو صرف روحانی عذاب کہے، یا استوأ علی العرش کے معنی ''عرش پر بیٹھنا'' کرے اور کہے خدا عرش پر ''بیٹھا'' ہے) تو ایسے گمراہ مسلمان کو ہم معذور سمجھیں گے اور اس کی گمراہی کو جہالت کا نتیجہ قرار دیں گے، مگر اس کی بنا پر اس کو کافر نہ کہیں گے۔

مذکورہ بالا تحقیق وتفصیل کے لئے ابن رشد الحفید کے رسالہ ''فصل المقال والکشف عن مناہج الادلہ'' کی مراجعت کیجئے، اس نے منطقی طرز پر ایسے گمراہ شخص کے متعلق ثابت کیا ہے کہ ایسا مسلمان گمراہ اور ضرور جاہل ہے، مگر کافر نہیں۔

مرزا جیسے جھوٹے مدعیانِ نبوت کا انجام:

یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ نے مذکورہ ذیل آیت میں مرزا غلام احمد جیسے بے دینوں

اور نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کے المناک انجام اور رسوا کن حشر کا حال بیان فرمایا ہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ، وَلَوْ تَرٰی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ، اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ، اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیَاتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ." (الانعام:۹۳)

ترجمہ:...... "اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے (۱) جو خدا پر جھوٹا بہتان لگائے (کہ اس نے مجھے نبی بنایا ہے)۔ (۲) یا جو دعویٰ کرے کہ میرے پاس وحی بھیجی گئی ہے (اور میں صاحب وحی نبی ہوں) حالانکہ اس کے پاس قطعاً کوئی وحی نہیں بھیجی گئی ہو۔ (۳) اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ جیسا کلام اللہ نے نازل کیا ہے، میں بھی نازل کرسکتا ہوں۔ اے مخاطب! اگر تو اس منظر کو دیکھے جب یہ ظلم کرنے والے سکرات موت کی حالت میں ہوں گے اور (موت کے) فرشتے ان سے ہاتھ بڑھائے کہہ رہے ہوں گے: لاؤ نکالو اپنی جانیں، آج تم کو اللہ پر ناحق بہتان لگانے اور اس کی آیات پر ایمان لانے سے تکبر (اور انکار) کرنے کی پاداش میں رسوا کن عذاب دیا جائے گا۔"

واضح ہو کہ مرزا غلام احمد ان تمام دعووں کا صاف اور صریح الفاظ میں جگہ جگہ اپنی تصانیف میں دعویٰ کرتا ہے اور یہی اس کا انجام ہے۔

مرزا غلام احمد کے بعد مرزائیوں میں پھوٹ اور ''لاہوری، قادیانی'' کی تقسیم:

اس بے دین کے جہنم رسید ہونے کے بعد اس کے دُم چھلّوں میں پھوٹ پڑگئی اور ہر گروہ ''اپنی اپنی بنسی، اپنا اپنا راگ'' الاپنے لگا، چنانچہ ایک گروہ (لاہوری مرزائی) تو اس کی امت سے بالکل ہی الگ ہوگیا اور اس نے دعویٰ کیا کہ: ''مرزا غلام احمد نبی نہ تھے، نہ کبھی انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا، اور نہ رسول اللہ کے بعد کوئی نبی ہوسکتا ہے، بلکہ وہ تو مہدیٔ آخر الزماں تھے اور (پناہ بخدا) مسیح محمدی تھے (یعنی وہ عیسیٰ جو امت محمدیہ میں آنے والے ہیں)۔''

دھوکا:

یہ محض ایک فریب ہے اور دھوکا جس کا مقصد صرف مسلمانوں کے بغض و عداوت اور نفرت و بے زاری سے بچنا اور مسلمانوں کو مرزا غلام احمد اور اپنی جماعت سے مانوس کر کے خود کو اور مرزا کو مسلمان ثابت کرنا اور ٹٹی کی آڑ میں سیدھے سادے مسلمانوں کو شکار کرنا تھا، لیکن (مسلمان اس دھوکے میں نہیں آسکتے ان کا) متفقہ فیصلہ اور فتویٰ ہے کہ: ''جو شخص مرزا غلام احمد کو بلاتردد و تذبذب کافر نہ مانے وہ بھی کافر ہے۔'' اور اس کی وجوہ مذکورہ ذیل ہیں:

مرزا غلام احمد کی تکفیر کے وجوہ:

پہلی وجہ! دعویٰ نبوت:

اس ملحد نے اپنی تحریروں اور کتابوں میں جگہ جگہ نہ صرف ''نبی'' بلکہ ''رسول'' اور ''صاحبِ شریعت رسول'' ہونے کے ایسے بلند بانگ دعوے کئے ہیں کہ آج تک ان سے فضا گونج رہی ہے، اس لئے دعویٰ نبوت کا انکار صرف زبردستی اور رسوا کن سینہ

زوری ہے جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور جو بھی اس کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔

اچھا میں آپ سے ہی پوچھتا ہوں: جو شخص مسلمہ کذاب کو کافر نہ کہے اور اس کے صاف و صریح دعویٔ نبوت اور قرآن کے مقابلہ پر کہی ہوئی ''تک بندیوں'' میں تاویلیں کرے، اس کو آپ کیا کہیں گے؟

اسی طرح کیا ایک کھلے ہوئے بت پرست کو آپ کہیں گے کہ: ''وہ بت کو سجدہ نہیں کرتا بلکہ اس کو دیکھتے ہی منہ کے بل گر پڑتا ہے، اس لئے وہ کافر نہیں ہے۔''؟ کیا یہ کھلی ہوئی زبردستی اور سینہ زوری نہیں ہے؟ جب ہم اپنی آنکھوں سے اسے بارہا بت کے سامنے سربسجود دیکھتے ہیں تو اس کو کیسے کافر نہ کہیں؟ اور اس کی ''صنم پرستی'' کی تاویلیں اور توجیہیں کیسے سنیں؟ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا! اس قسم کی مہمل تاویلیں قطعاً ناقابل التفات ہیں۔

ملحدوں کے قول و فعل میں تاویلیں کرنے والے ان کی حمایت میں جھوٹ بولتے ہیں:

چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ ''شرح مسلم'' میں اس قسم کے زندیقوں کے اقوال و افعال میں تاویل کرنے والوں کو ان (زنادقہ) کی خاطر جھوٹ بولنے والا قرار دیتے ہیں، نیز یہ کہ ان مہمل تاویلوں اور مذبوحی حرکات سے تکفیر کا حکم نہیں بدلتا، چنانچہ فرماتے ہیں:

> ''تیسری بات یہ ہے کہ زندیق اگر پہلی مرتبہ (اپنی بے دینی سے) توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی، اور اگر بار بار توبہ کرتا اور توڑتا ہے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔''
>
> (نووی مع مسلم ج:۱ ص:۳۹)

حاصل یہ ہے کہ ایسے بے دین کے قول و فعل میں تاویل کرنا، تاویل نہیں

اس کی حمایت میں جھوٹ بولنا ہے، جس سے تکفیر کے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

دوسری وجہ! انکارِ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام:

عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ثبوت، تواتر کی حد کو پہنچ چکا ہے، نیز اس پر امت کا اجماع بھی ہو چکا ہے، لہٰذا اس میں کوئی تاویل وتصرف یا تحریف کرنا کھلا ہوا کفر ہے، علامہ آلوسی رحمہ اللہ جو محققین علمائے متاخرین میں سے ہیں ''روح المعانی'' میں تصریح فرماتے ہیں:

> ''نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار ایک امر متواتر کا انکار ہے، اور منکر کی تکفیر پر تمام علماء متفق ہیں۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے آیت کریمہ: ''اِن مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ.'' الآیہ، کے ذیل میں اس بے دین جھوٹے مدعی نبوت اور اس کے پیروؤں کا بیان تفصیل سے دیکھا اور پڑھا ہے، خدا اسے جہنم رسید کرے، کیسا کٹر کافر ہے، اور اس نے اس آیت کریمہ کی تاویل نہیں تحریف میں کیسا کیسا ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے؟ لیکن اس سے بات پھر بھی نہیں بنی، بہرحال ان لوگوں کی تکفیر فرض عین ہے۔

تیسری وجہ! توہین عیسیٰ علیہ السلام:

ان مرزائیوں خصوصاً لاہوریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی کا مرتبہ مرزا جیسے فاسق و فاجر اور بدکار و بدنسب شخص کو بخشا ہے، یہ عیسیٰ علیہ السلام کی شدید ترین توہین ہے، اس سلسلے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ باب ''ما یستحب للعالم اذا سئل ایّ الناس اعلم'' کے ذیل میں ''فتح الباری'' میں خوبصورت کلام کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> ''اگر ہم یہ کہیں کہ خضر نبی نہیں بلکہ ولی ہیں، اور یہ از

روئے عقل و نقل قطعی طور پر مسلّم ہے کہ نبی ولی سے بہرحال افضل ہے، اور جو اس کے خلاف کہے (اور کسی ولی کو نبی سے افضل مانے) وہ قطعاً کافر ہے، اس لئے کہ یہ ایک یقینی امر شرعی کا انکار ہے (لہٰذا مرزا غلام احمد جیسے شخص کو عیسیٰ کہنے والے تو یقیناً کافر ہوں گے۔ ناقل)۔''

(فتح الباری ج:۱ ص:۳۲۱ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور)

مرزائیوں کا حکم:

جو لوگ ان مرزائیوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کرنا چاہتے ہیں وہ صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ ان سے توبہ کرالیں، اگر یہ مرزائیت سے توبہ کریں تو فبہا ورنہ قطعاً کافر ہیں۔ شریعت اسلامیہ میں ان کے لئے اس سے زیادہ مراعات کی قطعاً گنجائش نہیں۔ جیسا کہ کتاب میں آنے والے مباحث سے ہم نے بالاجماع ثابت کیا ہے۔

پھر یہ توبہ کرانا بھی ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے، بلکہ صرف اسلامی حکومت کا حاکم ہی ان کے ''کفر و اسلام'' کا قطعی فیصلہ کرنے کے وقت ان سے توبہ کرا سکتا ہے، تاکہ وہ ان کے کفر یا اسلام کا دوٹوک فیصلہ کر سکے، لیکن اسلامی حکومت اور مسلمان حاکم موجود نہ ہونے کی صورت میں، ان کے جہنم رسید ہونے تک کفر کے سوا کچھ نہیں، چاہے اسے اوڑھ لیں، چاہے بچھالیں۔

غلط تاویل کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں:

غرض صاحب شریعت علیہ السلام نے تاویل باطل پر کبھی کسی کو معذور نہیں قرار دیا، چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

۱:......امیر سریہ (سپہ سالار فوج) عبداللہ بن حذافہؓ کو اپنے فوجیوں کو آگ

میں داخل ہونے کا حکم دینے پر فرمایا: اگر وہ لوگ (اپنے امیر کے کہنے پر) آگ میں داخل ہوجاتے تو قیامت تک اس سے باہر نہ نکلتے، اس لئے کہ امیر کی اطاعت تو صرف ازروئے شرع جائز امور میں کی جاتی ہے (اور جان بوجھ کر آگ میں کودنا خودکشی اور حرام ہے، اگرچہ امیر کے حکم سے کیوں نہ ہو، معلوم ہوا کہ دخول فی النار کے جواز کے لئے اطاعت امیر کی تاویل باطل ہے)۔

۲:......ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کے بارے میں جس کا سر پھٹ گیا تھا اور اس کے باوجود لوگوں نے اس کو ناپاکی کا غسل کرنے کا فتویٰ دیا تھا، اور وہ غسل کرنے کی وجہ سے مرگیا تھا، فرمایا:

''خدا ان کو ہلاک کرے، انہوں نے اس غریب کو مارڈالا۔''

(دیکھئے! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان غلط فتویٰ دینے والوں کے فتوے اور تاویل کا مطلق اعتبار نہیں کیا اور اس کی موت کا ان کو ذمہ دار قرار دیا۔)

۳:......اسی طرح حضور علیہ السلام، حضرت معاذؓ پر کس قدر غصہ اور ناراض ہوئے، صرف اس بات پر کہ وہ اپنی قوم کو نماز پڑھاتے وقت لمبی لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے، اور فرمایا: ''افتّانٌ انت یا معاذ؟'' (تم فتنہ میں ڈالتے ہو اے معاذ؟) (حالانکہ وہ آپؐ کی ہی نقل اتارتے تھے، اور جو سورتیں آپؐ نماز میں پڑھتے تھے وہ بھی وہی پڑھتے تھے، مگر آپؐ نے ان کی اس تاویل کی طرف اصلاً التفات نہ کیا اور ان کو فتنہ انگیز قرار دے دیا۔)

اسی طرح نماز میں طویل قرأت کرنے کی وجہ سے ایک مرتبہ آپ ابیؓ بن کعبؓ پر بھی ناراض ہوئے (اوران کا بھی کوئی عذر نہ سنا)۔

۴:......اسی طرح ایک مرتبہ حضور علیہ السلام، حضرت خالدؓ پر ان لوگوں کو قتل کردینے کی بنا پر سخت برہم ہوئے، جنہوں نے: ''اسلمنا اسلمنا'' نہ کہہ سکنے کی وجہ

سے "صَبئنا صَبئنا" کہہ کر اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کیا تھا، مگر حضرت خالدؓ نہ سمجھے اور ان کو قتل کر دیا (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خالد کی غلط فہمی پر ان کو معذور نہ قرار دیا)۔

اسی طرح حضرت اسامہؓ نے سفر جہاد میں ایک بکریاں چرانے والے چرواہے کے "کلمہ پڑھنے" کو ایک حیلہ سمجھ کر قتل کر دیا کہ یہ اپنی جان و مال بچانے کی غرض سے کلمہ پڑھ رہا ہے، مگر آپؐ ان پر بے حد ناراض ہوئے اور فرمایا: "ھلّا شققت قلبہ" (تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا؟)۔

(غرض آپؐ نے خالدؓ اور اسامہؓ کے اس بظاہر عذر اور جائز تاویل کا قطعاً لحاظ نہیں کیا۔)

۵:......اسی طرح آپؐ اس شخص پر بے حد ناراض اور غصہ ہوئے جس نے مرض الموت کے وقت اپنے تمام غلام آزاد کر دیئے، حالانکہ وہی اس کی تمام پونجی اور سرمایہ تھا، اور آپؐ نے اس شخص کو ورثا کی حق تلفی کا مرتکب قرار دے دیا (اور اس کا کوئی عذر نہ سنا)۔

ان کے علاوہ بے شمار واقعات ہیں جن میں آپؐ نے "بے جا تاویل" اور "بے معنی عذر" کا قطعاً اعتبار نہیں کیا۔

تاویل کہاں معتبر ہے؟

فقہاً کی اصطلاح میں چونکہ یہ تاویلیں امر مجتہد فیہ (محل اجتہاد) میں نہ تھیں، اس لئے آپؐ نے ان کا اعتبار نہ کیا، اس کے برعکس ایسے امور میں آپؐ نے تاویل کو عذر قرار دیا اور تسلیم کیا ہے جو محل اجتہاد تھے، مثلاً:

ا:......جن صحابہؓ کو آپؐ نے حکم دیا تھا کہ: "عصر کی نماز بنی قریظہ میں جا کر پڑھنا" اور انہوں نے عصر کی نماز راستہ میں صرف اس لئے نہ پڑھی اور قضا کر دی کہ

آپ ؐ نے بنی قریظہ میں نماز عصر پڑھنے کا حکم دیا ہے (آپ ؐ نے ان لوگوں کو نماز عصر قضا کر دینے پر کچھ نہ کہا)۔ (صحیح بخاری ج:۲ ص:۵۹۱)

۲:......اسی طرح ایک موقع پر دو صحابی سفر کر رہے تھے، راستہ میں پانی نہ ملا، اس لئے انہوں نے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی، اس کے بعد پانی مل گیا، وقت باقی تھا، ایک نے تو وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھ لی، دوسرے نے نہ پڑھی، جب آپ ؐ کی خدمت میں واقعہ پیش کیا گیا تو آپ ؐ نے ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی سرزنش نہ فرمائی، صرف اس لئے کہ ان امور میں تاویل کی گنجائش تھی۔

خلاصہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اس باب میں مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ اور روشن لائحہ عمل ہونے چاہئیں، اور صرف انہی امور میں تاویل اور عذر کا اعتبار کرنا چاہیے جن میں تاویل کی گنجائش ہو۔

ہدایت دینے والا تو اللہ ہی ہے، وہی جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے، اور جس کو خدا گمراہ کر دے اس کو تو کوئی بھی ہدایت نہیں کر سکتا۔

(ختم شد مقدمہ کتاب)

زندیقین، ملحدین و باطنیہ کی تعریف اور ان کے کفر کا ثبوت:

کافروں کی قسمیں اور نام:

علامہ تفتازانیؒ ''مقاصد'' ج:۲ ص:۲۶۸ کے خاتمہ نمبر:۴ میں گمراہ فرقوں کی اقسام، تعریفات اور نام بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کوئی کافر اگر زبان سے اسلام کا اظہار کرے اور اندر سے کافر ہو تو اس کا نام ''منافق'' ہے، اور اگر مسلمان ہونے کے بعد کفر اختیار کرے تو اس کا نام ''مرتد'' ہے، اور اگر چند معبودوں کا قائل ہو تو اس کا نام ''مشرک'' ہے، اور اگر کسی دوسرے آسمانی مذہب کا پیرو ہو تو اس کا نام ''کتابی'' ہے، اور حوادث عالم کو زمانہ کی جانب منسوب کرے اور اس کو قدیم مانتا ہو (یعنی زمانہ کو ہی خالق عالم اور ازلی ابدی مانتا ہو) تو اس کا نام ''دہریہ'' ہے، اور اگر خالق عالم کا سرے سے منکر ہو تو اس کا نام ''معطل'' (خدا کا منکر) ہے، اور اگر مسلمان کہلانے کے باوجود ایسے عقیدے رکھتا ہو جو متفقہ طور پر کفر ہیں تو اس کا نام ''زندیق'' ہے (بالفاظ دیگر سات قسم کے کافر ہیں: منافق، مرتد،

کتابی، مشرک، دہریہ، معطل، زندیق اسی کو "باطنی" اور "ملحد" بھی کہتے ہیں)۔"

"شرح مقاصد" میں اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

"یہ واضح ہو چکا کہ کافر ہر اس شخص کا نام ہے جو مؤمن نہ ہو، اب اگر وہ زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا خاص نام "منافق" ہے، اور اگر پہلے مسلمان تھا اور پھر کافر ہوگیا تو اس کا خاص نام "مرتد" ہے، اس لئے کہ وہ اسلام سے پھر گیا (ارتداد کے معنی ہیں لوٹ جانا، پھر جانا)، اور اگر ایک سے زیادہ معبود مانتا ہے تو اس کا خاص نام ہے "مشرک"، اس لئے کہ وہ خدا کا شریک مانتا ہے (یعنی غیراللہ کو اللہ کا شریک کہتا ہے)، اور اگر کسی منسوخ آسمانی مذہب اور کتاب کا پیرو ہے تو اس کا خاص نام "کتابی" ہے، جیسے یہودی، نصرانی، اور اگر زمانہ کو قدیم (کہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا) مانتا ہے اور دنیا کے تمام واقعات و موجودات کو اسی کی جانب منسوب کرتا ہے (گویا زمانہ کو ہی خالق کائنات مانتا ہے) تو اس کا خاص نام "دہریہ" ہے (دہر کے معنی ہیں لامحدود زمانہ)، اور اگر خالق عالم کا وجود ہی نہیں مانتا (اور عالم کو باقتضاءِ مادہ آپ سے آپ پیدا ہوجانے والا سمجھتا ہے) تو اس کا خاص نام "معطل" ہے، اور اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا اقرار اور اسلامی شعائر کا اظہار کرنے کے باوجود ایسے عقیدے رکھتا ہے جو متفقہ طور پر کفر ہیں، اس کا خاص نام "زندیق" ہے، "زند" اصل میں اس کتاب کا نام ہے جسے "قباذ" بادشاہِ ایران کے عہد میں مزدک نے پیش کیا

تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ یہ مجوسیوں کی اسی کتاب کی تفسیر ہے جس کو زرتشت لے کر آیا تھا، مجوسیوں کا عقیدہ ہے کہ زرتشت نبی تھا، اسی زند کی جانب یہ زندیق منسوب ہے (یعنی زندیق زندیک کا معرب ہے جس کے معنی ہیں زند کو ماننے والا، اہل اسلام نے ہر اس بے دین آدمی کے لئے یہ لفظ استعمال کیا ہے جو کفریہ عقائد رکھتا ہے اور اسلام کا دعویٰ کرتا ہے، اسی کو عربی میں ''ملحد''(۱) اور ''باطنی'' کہتے ہیں، ''باطنیہ'' انہی زندیقوں اور ملحدوں کے ایک خاص فرقہ کا نام ہے)۔''

زندیق کی تعریف اور باطنی کی تحقیق:

صاحب ''رد المحتار'' علامہ شامیؒ ''باطنی'' کی تحقیق کے ذیل میں شامی ج:۳ ص:۴۰۹ و ۴۱۰ پر، قولہ ''المعروف'' کے تحت لکھتے ہیں:

''زندیق اپنے کفر پر اسلام کا ملمع کرتا ہے اور فاسد عقائد کو ایسی صورت میں پیش کرتا اور رواج دیتا ہے کہ وہ سرسری نظر میں صحیح معلوم ہوتے ہیں، ''ابطانِ کفر'' (کفر کو چھپانے) کا مطلب یہی ہے، لہٰذا علانیہ گمراہی کو اختیار کرنا اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دینا باطنی ہونے کے منافی نہیں ہے (یعنی باطنی ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے کفریہ عقائد اور

---

(۱) علامہ ابن عابدینؒ ''شامی'' (ج:۳ ص:۴۰۹) میں ملحد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''والملحد هو من مال عن الشرع القويم الیٰ جهة من جهات الكفر، من اَلْحَدَ في الدين حاد وعدل...الخ'' (عن العلامہ کمال پاشا) یعنی ملحد وہ شخص ہے جو محکم شریعت سے کسی بھی کفر کی جانب ہٹ گیا ہو اور یہ لفظ ''اَلْحَدَ في الدين'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں دین سے منحرف ہوجانا اور ہٹ جانا (یہ علامہ کمال پاشا کی تحقیق ہے) مترجم۔

گمراہی کو لوگوں سے چھپاتا ہو، بلکہ اسلام میں کفر کو غیر محسوس طریق پر داخل کرنا اور چھپانا ہی باطنی ہونے کے معنی ہیں، اسی لئے ایسے گمراہ لوگوں کو ''باطنیہ'' کہتے ہیں)۔''

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ بین السطور میں فرماتے ہیں کہ: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''فتح الباری'' ج:۱۲ ص:۲۴۰ میں ''ابطانِ کفر'' کی تفسیر کی مراجعت کیجئے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفر کو چھپانے کے معنی ہیں: ''اسلام کے ساتھ کفر کو ملا دینا۔''

زندیقوں اور باطنیوں کا حکم:

امام نوویؒ ''شرح منہاج'' ص:۱۲۱ میں زندیقوں اور باطنیوں کے مرتد کے حکم میں ہونے اور ان کی توبہ کے قبول نہ ہونے کی تصریح فرماتے ہیں:

''بعض علماء کا قول ہے کہ اگر کوئی مسلمان زندیقوں اور باطنیوں کی طرح کفرِ خفی (پوشیدہ کفر) کی طرف لوٹ جائے تو (وہ مرتد ہے) اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔''

حضرت مصنف نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: علماء کی ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی شخص کے کفر کو چھپانے (اور باطنی ہونے) کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اپنے کفریہ عقائد کو لوگوں سے چھپاتا ہو، بلکہ باطنی ہر وہ گمراہ شخص ہے جو اسلامی عقائد کے خلاف کوئی عقیدہ رکھتا ہو اور مسلمان ہونے کا مدعی ہو، بحیثیت مجموعی ایسا شخص کافر ہے اور اس کے عقائد کفر محض ہیں۔

چنانچہ مسند احمد بن حنبل ج:۲ ص:۱۰۸، اور ''فتح الباری'' ج:۱ ص:۱۴۱، میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ فرما رہے تھے کہ: ''(آئندہ زمانہ میں) اس امت کے اندر

بھی مسخ ہوگا (یعنی انسانوں کی صورتیں مسخ ہوکر جانور بن جائیں گے) ہوشیار رہنا! یہ مسخ تقدیر کے منکروں اور ''زندیقوں'' کے اندر ہوگا۔'' (یعنی منکرین تقدیر اور زندیقوں کی صورتیں ہی مسخ ہوں گی۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ زندیق بھی منکرین تقدیر کی طرح کافر ہیں، اس لئے کہ کافروں کی صورتیں ہی مسخ ہوتی ہیں) ''خصائص'' کے مصنف فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح ہے، ''منتخب کنز العمال'' ج:۶ ص:۵۰ میں درج ایک مرفوع روایت اس حدیث کی مزید وضاحت کرتی ہے، وہ روایت یہ ہے کہ (۱):

> ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میری امت میں ایک قوم ایسی بھی ہوگی جو خدا اور قرآن کی منکر اور کافر ہوجائے گی، اور ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا (کہ ہم کافر ہوگئے) جیسے یہودی اور نصرانی کافر ہوگئے (اور ان کو پتہ بھی نہ چلا) یہ وہی لوگ ہوں گے جو تقدیر کے ایک جزو کا اقرار کریں گے اور ایک جزو کا انکار، یہ کہیں گے، یعنی ان کا عقیدہ یہ ہوگا کہ ''خیر'' اللہ کی جانب سے ہے اور ''شر'' شیطان کی جانب سے (یعنی خیر کا خالق اللہ ہے اور شر کا خالق شیطان، بالفاظ دیگر دو خدا ہیں، ایک ''خدائے خیر'' اور ایک ''خدائے شر'' جیسے مجوسی ''یزداں'' اور ''اہرمن'' دو خدا مانتے ہیں) اور اپنے اس عقیدہ کے ثبوت میں وہ قرآن کی آیتیں پڑھیں گے (یعنی اپنے اس عقیدہ کو قرآن سے ثابت کریں گے) چنانچہ یہ لوگ قرآن پر ایمان لانے اور علم و معرفت حاصل کرنے کے بعد محض اس عقیدہ کی بنا پر کافر ہوجائیں گے۔ میری امت کو ان لوگوں سے کس قدر جنگ و

---

(۱) حضرت شیخ نے یہ روایت بطور حاشیہ لکھی ہے۔ مترجم۔

جدال اور بغض و عناد کا سامنا کرنا پڑے گا (خدا ہی خوب جانتا ہے) یہی لوگ اس امت کے زندیق (مجوسی) ہیں، ان کے عہد میں حکمرانوں کا ظلم وستم حد سے زیادہ بڑھ جائے گا، پناہ بخدا اس ظلم و جور اور ایسی حق تلفی سے! اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک ایسا طاعون بھیجیں گے جو ان میں سے بیشتر لوگوں کو ہلاک کردے گا، اس کے بعد ''خسف'' ہوگا (اور یہ لوگ زمین میں دھنس جائیں گے) تو شاید ہی ان میں سے کوئی بچے (ورنہ سب ہی ہلاک ہوجائیں گے) ان دنوں میں اہل ایمان کے لئے خوشی اور مسرت مفقود اور غم و الم حد سے زیادہ ہوگا۔ اس کے بعد ''مسخ'' ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان میں کے باقی تمام لوگوں کو بندر اور خنزیر بنادیں گے، پھر اس کے بعد ہی دجال کا ظہور ہوگا۔''

''طبری'' اور ''بیہقی'' نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ''بغوی'' نے رافع بن خدیجؓ (صحابی) سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

خلاصہ:...... حضرت مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا کتب اور حوالوں سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام میں کفریہ عقائد کو داخل کرنے والا ہر مسلمان (کہلانے والا) زندیق ہے، باطنی ہے، اور یہ تینوں قطعاً کافر ہیں، نیز زندقہ، الحاد اور باطنیت کی حقیقت اسلام کے پردہ میں کفر کو چھپانے کے سوا اور کچھ نہیں اور یہ تینوں فرقے یقیناً کافر ہیں۔ مترجم۔

جن اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا جاتا، ان سے کون لوگ مراد ہیں[1]؟

علمائے اہل سنت کے اقوال:

(علامہ تفتازانیؒ ان اہل قبلہ کی تعیین کے سلسلہ میں کہ جن کو کافر نہیں کہا جاتا، علمائے اہل سنت اور معتزلہ کے مذکورہ ذیل اقوال ''مقاصد'' ج:۱ ص:۲۶۹ پر بیان فرماتے ہیں:)

''ساتویں بحث، ان اہل قبلہ کے حکم کا بیان جو اہل حق کے مخالف ہیں:

۱:......جو اہل قبلہ (مسلمان کہلانے والے) حق کے مخالف (اور گمراہ) ہیں وہ اس وقت تک کافر نہیں کہلاتے جب

(۱) عام طور پر مسلمان ایسے لوگوں یا فرقوں کو جو قطعی طور پر کفریہ عقائد و اعمال کے مرتکب اور کافر ہیں، محض اس لئے کافر کہنے اور اسلام سے خارج قرار دینے سے اجتناب کرتے ہیں کہ وہ خدا و رسول اور قرآن کا نام لیتے ہیں، بظاہر مسلمانوں کے سے کام کرتے ہیں۔ اور کہا کرتے ہیں کہ: ''اہل قبلہ کو کافر کہنا جائز نہیں'' یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی یا دھوکا ہے جس میں اچھے اچھے مسلمان گرفتار ہیں، درحقیقت ''کلمة حق ارید به الباطل'' کے طور پر یہ ایک چلتا ہوا فقرہ اور فریب ہے جس کو یہ گمراہ اور کافر لوگ اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے اور علمائے حق کی تکفیر سے بچنے کے لئے سپر کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اس لئے مصنف قدس اللہ سرہ نے مذکورہ بالا عنوان قائم کرکے اس غلط فہمی یا فریب کا پردہ چاک فرمایا ہے اور مسلمانوں کو اس غلط فہمی سے بچایا ہے۔ مترجم۔

تک کہ ضروریاتِ دین (یعنی ان قطعی اور یقینی عقائد و احکام) کا انکار نہ کریں (جن کے شارع علیہ السلام سے ثابت ہونے پر امت کا اجماع ہے) مثلاً عالم کے حادث (یعنی عدم کے بعد موجود) ہونے کا عقیدہ، حشر جسمانی (یعنی مرنے کے بعد جسمانی طور پر دوبارہ زندہ ہونے) کا عقیدہ۔

۲:......اور بعض علمأ کہتے ہیں کہ نہیں! ہر اہل حق سے اختلاف کرنے والا (مطلقاً) کافر ہے (اس لئے کہ وہ حق کا مخالف ہے)۔

۳:......استاد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: جو ہمیں (یعنی اہل حق کو) کافر کہے گا، ہم بھی اس کو کافر کہیں گے اور جو ہمیں (اہل حق کو) کافر نہ کہے گا، ہم بھی اس کو کافر نہ کہیں گے (یہ علمأ اہل سنت کے تین قول ہیں)۔

معتزلہ کے اقوال:

ا:......معتزلہ میں سے متقدمین تو یہ کہتے ہیں کہ: جو لوگ بندہ کو اپنے اعمال و افعال میں مجبور، اللہ تعالیٰ کی صفات کو قدیم، اللہ تعالیٰ کو بندہ کے اعمال و افعال کا خالق مانتے ہیں (یعنی اساسی عقائد میں معتزلہ کے مخالف ہیں) ایسے لوگ ہمارے نزدیک کافر ہیں۔

۲:......لیکن عام معتزلہ کہتے ہیں کہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کو (اس کی ذات پر) زائد (الگ) مانتے ہیں، (آخرت میں) اللہ تعالیٰ کے دیدار کے، (گنہگار مسلمانوں

کے) جہنم سے نکلنے کے قائل ہیں اور بندوں کی تمام برائیوں اور بدکرداریوں کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے تحت داخل اور اللہ تعالیٰ ہی کو ان کا خالق قرار دیتے ہیں (یعنی جملہ عقائد میں معتزلہ کے مخالف ہیں) ایسے تمام لوگ کافر ہیں۔

ائمہ اہل سنت کی دلیل:

ائمہ اہل سنت کی دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؐ کے بعد صحابہؓ و تابعینؒ (اس طرح) عقائد کی چھان بین نہیں کیا کرتے تھے (جیسے معتزلہ کرتے ہیں) بلکہ صرف ''عقائد حقہ'' سے آگاہ کر دیتے تھے (اور توحید و رسالت، حیات بعدالموت وغیرہ اساسی عقائد کے اختیار کر لینے کو مسلمان ہونے کے لئے کافی سمجھتے تھے)۔

اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ: پھر تو مجمع علیہ عقائد کے بارے میں بھی اسی طرح حق کے بیان کر دینے پر اکتفا کرنا چاہئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مجمع علیہ عقائد و اصول اور ان کے دلائل ان عرب ساربانوں کے معیار فہم کے مطابق (اس قدر) معروف اور ظاہر و واضح تھے (کہ ہر مسلمان ان سے آگاہ و مطمئن ہوتا تھا اور بلا تردد ان کو قبول کر لیتا تھا)۔ بعض علماء اس اعتراض کا جواب یہ دیتے ہیں کہ: (قرونِ اولیٰ میں) عقائد تفصیلیہ کو اس لئے بیان نہیں کیا جاتا تھا کہ (اس زمانہ میں) اجمالی ایمان(۱) (یعنی تفصیل معلوم کئے بغیر ایمان

---

(۱) حاصل یہ ہے کہ ایک سادہ لوح اور خالی الذہن آدمی کے مسلمان ہونے کے لئے سیدھے سادے اساسی عقائد اسلامیہ اور ان کے دلائل مثلاً توحید، رسالت ......(باقی اگلے صفحہ پر)

لے آنا) کافی تھا (اس لئے کہ عرب عام طور پر عقلی اور نظری موشگافیوں سے نا آشنا ایک سادہ ذہن کی مالک قوم تھی، وہ بلاتردد اور بدوں ردّ و قدح کے عقائد حقہ کو قبول کر لیتے تھے) تحقیق و تفصیل کی ضرورت اسی وقت ہوتی ہے جب یہی تحقیق و تفصیل پیش نظر ہو (یعنی عقائد باطلہ پہلے سے ذہنوں پر مسلط ہوں تو ان کے ازالہ کے لئے تحقیق و تفصیل اور حق کے خلاف اوہام و شکوک کی تردید کی ضرورت ہوتی ہے) ورنہ تو بے شمار ایسے پکے اور مخلص مؤمن موجود ہیں جو قدیم و حادث کے معنی بھی نہیں جانتے (اور وہ راسخ العقیدہ مؤمن ہیں)۔

یہ بحث تو اپنی جگہ ہے لیکن ایک فرقہ کا دوسرے فرقہ کو کافر کہنا اس قدر معروف ہے کہ اس کے بیان کی حاجت نہیں (لہٰذا بقول استاذؒ جو اہل حق کو کافر کہے گا وہ یقیناً کافر ہے اور ہم اس کو کافر کہیں گے اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو)۔"

(گزشتہ سے پیوستہ) حیات بعد الموت پر ایمان لے آنا کافی ہے، اگرچہ وہ ان کی تحقیق و تفصیل اور دلائل عقلیہ سے واقف نہ ہو، اس کے برعکس ایک ذات و صفات الٰہیہ کے باب میں گم کردۂ راہ انسان کے مسلمان ہونے کے لئے تفصیلی طور پر ان عقائد باطلہ سے تائب ہونا اور ان کے مقابل عقائد حقہ کو قبول کرنا ضروری ہے، عہد نبوت اور قرن اول میں مسلمان ہونے والے عموماً پہلی قسم کے لوگ تھے، اس لئے متفق علیہ اساسی عقائد کی اجمالی تصدیق صحت اسلام کے لئے کافی تھی، لیکن اس عہد کے بعد جب دوسرے مذاہب کے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے تو چونکہ ذات و صفات یہ اور مبدأ و معاد کے باب میں باطل عقائد پہلے سے ان کے دلوں میں راسخ ہوتے ہیں اس لئے ان کا اسلام ان عقائد باطلہ سے تفصیلی طور پر برأت اور مجمع علیہ عقائد حقہ کو قبول کئے بغیر معتبر نہیں سمجھا جاتا، اس لئے اس زمانہ میں مجمع علیہ عقائد حقہ کے بارے میں محض بیان حق پر اکتفا نہیں کیا جاسکتا۔ مترجم۔

ضروریاتِ دین اور متفق علیہ عقائد کے منکر اہل قبلہ، متفقہ طور پر کافر ہیں:

علامہ موصوف ''مقاصد'' کی شرح میں ''باب الکفر والایمان'' کے ذیل میں ج:۲ ص:۲۶۸ تا ۲۷۰ پر اس کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں:

''(اہل قبلہ کے بارے میں) مذکورۂ بالا بحث کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو ضروریاتِ دین مثلاً (توحید، نبوت، ختم نبوت، وحی و الہام) حدوث عالم اور حشر جسمانی وغیرہ مجمع علیہ عقائد حقہ میں تو اہل حق کے ساتھ متفق ہوں، لیکن ان کے علاوہ اور نظری عقائد و اصول میں اہل حق کے مخالف ہوں، مثلاً صفاتِ الٰہیہ، خلق اعمال، ارادۂ الٰہی کا خیر و شر دونوں کے لئے عام ہونا، کلام الٰہی کا قدیم ہونا، رؤیت باری تعالیٰ کا ممکن ہونا، ان کے علاوہ وہ تمام نظری عقائد و مسائل جن میں حق یقیناً ایک ہے (اثبات یا نفی) ایسے مخالفین حق کے بارے میں بحث ہے کہ ان عقائد کا معتقد اور قائل ہونے (یا نہ ہونے) کی بنا پر کسی اہل قبلہ (مسلمان) کو کافر کہا جائے یا نہیں؟ ورنہ اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ وہ اہل قبلہ (مسلمان کہلانے والے) جو عمر بھر روزہ، نماز وغیرہ تمام عبادات و احکام کا پابند رہا ہو لیکن عالم کو قدیم (ازلی ابدی) مانتا ہو، یا جسمانی حیات بعدالموت کا انکار کرتا ہو، یا اللہ تعالیٰ کو جزئیات (ہر ہر چیز) کا عالم نہ مانتا ہو وہ (قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کے باوجود) بلاشک و شبہ کافر ہے، اسی طرح کوئی اور کفریہ قول یا فعل اس سے سرزد ہو تو وہ بھی کافر

ہے۔"

"لا نُكَفِّرُ اَهلَ الْقِبْلَةِ" کس کا مسلک ہے؟

اہل حق کا یہ مذکورہ بالا قول (کہ جب تک اہل قبلہ میں سے کوئی شخص ضروریاتِ دین کا انکار نہ کرے اسے کافر نہ کہا جائے) یہ شیخ ابوالحسن اشعریؒ اور بیشتر اشاعرہ کا مذہب ہے، امام شافعیؒ کے مذکورہ ذیل قول سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"میں بجز خطابیہ کے اور باقی گمراہ فرقہ والوں کی شہادت رد نہیں کرتا (یعنی کافر نہیں سمجھتا) اس لئے کہ یہ خطابیہ جھوٹ بولنے کو حلال سمجھتے ہیں۔"

"منتقی" میں امام ابوحنیفہؒ کے متعلق بھی یہی نقل کیا ہے کہ: "امام ابوحنیفہؒ نے کسی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا۔" یہی اکثر و بیشتر فقہاءِ حنفیہ کا مسلک ہے، ہاں بعض فقہاءِ حنفیہ ، اہل حق کے مخالف کو کافر کہتے ہیں۔

اہل قبلہ کون ہیں؟

ملاعلی قاریؒ "شرح فقہ اکبر" ص:۱۸۵ میں فرماتے ہیں:

"یاد رکھو! اہل قبلہ وہی لوگ ہیں جو ضروریات و مہمات دین مثلاً: حدوث عالم، حشر جسمانی، ہر ہر کلی و جزئی پر علم الٰہی کے محیط ہونے، اور اسی قسم کے اہم اور بنیادی مسائل میں اہل حق کے ساتھ متفق ہوں، چنانچہ جو شخص تمام عمر شرعی احکام و عبادات کی پابندی کرتا رہے، مگر عالم کو قدیم مانتا ہو، یا حشر جسمانی کا انکار کرتا ہو، یا اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہ مانتا ہو، وہ ہرگز اہل قبلہ میں سے نہیں ہے (وہ تو بدوں اختلاف سب

کے نزدیک کافر ہے) نیز علماء اہل سنت کے نزدیک کسی اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کا مطلب یہی ہے کہ کسی اہل قبلہ کو اس وقت تک کافر نہ کہا جائے جب تک کہ اس میں کوئی کفر کی علامت یعنی کوئی کفریہ قول یا فعل نہ پایا جائے، اور کوئی موجب کفر امر اس سے سرزد نہ ہو (گویا کسی مسلمان سے اگر کوئی بھی کفریہ قول یا فعل سرزد ہو، یا اس میں کوئی بھی علامت کفر پائی جائے تو وہ اہل قبلہ سے خارج اور کافر ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ خود کو مسلمان کہتا رہے اور مسلمانوں کی طرح عبادات و احکام شریعت کا پابند بھی ہو)۔"

غالی بہرصورت کافر ہے:

ملا عبدالعزیز البخاریؒ "تحقیق شرح اصول حسامی" میں بحث اجماع کے تحت ص:۲۰۸ پر "اِنْ غَلا فیہ" (ای فی ھواہ) کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"اگر کسی گمراہ فرقہ والے نے اپنے باطل عقیدہ میں غلو کو اختیار کیا اور حد سے تجاوز کر گیا تو اس کو کافر قرار دینا ضروری ہے، ایسی صورت میں اہل حق کے ساتھ اس کی موافقت یا مخالفت کا بھی اعتبار نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ امت مسلمہ (مسلمانوں) میں داخل ہی نہیں رہا جس کو جان و مال کی امان حاصل ہے، اگرچہ وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا رہے اور خود کو مسلمان سمجھتا رہے، اس لئے کہ امت مسلمہ (مسلمان) ہر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والے کا نام نہیں ہے، بلکہ مسلمان وہ شخص ہے جس کا پورے دین اسلام اور عقائد یقینیہ و

احکام قطعیہ پر ایمان ہو، یہ شخص یقیناً کافر ہے اگر چہ وہ خود کو کافر نہ سمجھے۔"

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کشف" شرح "بزدوی" ج:۳ ص:۲۳۸ میں اجماع کے تحت اور آمدی کی کتاب "الاحکام" ج:۱ ص:۳۲۶ میں "مسئلہ سادسہ" کے تحت بعینہٖ یہی تحقیق مذکور ہے۔

علامہ شامیؒ "رد المحتار" ج:۱ ص:۳۷۷، طبع جدید ۱۳۲۴ھ ص:۵۲۴ میں مسئلہ "امامت" کے تحت اور ج:۱ ص:۶۲۲ مسئلہ "انکار وتر" کے تحت فرماتے ہیں:

"اس شخص کے کافر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں جو ضروریات اسلام (دین کے یقینی اور قطعی عقائد و احکام) کا مخالف ہو، اگر چہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور ساری عمر عبادات و طاعات کا پابند رہا ہو، جیسا کہ (شیخ ابن ہمامؒ نے) "شرح تحریر" میں بیان کیا ہے۔"

اس کے بعد ج:۱ ص:۵۲۵ پر فرماتے ہیں:

"(صاحب البحر الرائق) نے فرمایا کہ حاصل یہ ہے کہ حنفیہ کے اس قول کی مراد کہ: "کسی اہل حق کے مخالف شخص یا فرقہ کو کافر نہ کہا جائے" یہ ہے کہ وہ شخص یا فرقہ، ان مسلّمہ اصولوں کا مخالف نہ ہو، جن کا دین ہونا معروف اور یقینی ہے، اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔"

موجب کفر عقائد و اعمال اور اہل قبلہ کو کافر کہنے کا مطلب:

"شرح عقائد نسفی" کی شرح "نبراس" کے مصنف ص:۵۷۲ پر لکھتے ہیں:

"متکلمین کی اصطلاح میں "اہل قبلہ" وہی لوگ ہیں

جو تمام ضروریاتِ دین یعنی ان تمام عقائد و احکام کو مانتے ہوں جن کا ثبوت شریعت میں یقینی اور معروف و مشہور ہے، لہٰذا جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک چیز کا بھی منکر ہو، مثلاً: عالم کو حادث نہ مانے، یا جسمانی حیات بعد الموت کا قائل نہ ہو، یا اللہ تعالیٰ کے عالم جزئیات ہونے کا منکر ہو، یا نماز، روزہ کے فرض ہونے کا انکار کرتا ہو، وہ اہل قبلہ مین سے ہرگز نہیں، اگرچہ تمام تر عبادات و احکام شرعیہ کا سختی سے پابند ہو، اسی طرح جس شخص میں کوئی بھی علامت کفر پائی جائے مثلاً: کسی بت (وغیرہ) کو سجدہ کرے، یا کسی امر شرعی کی توہین کرے اور مذاق اڑائے، وہ بھی اہل قبلہ میں سے ہرگز نہیں ہے، اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کے معنی صرف یہ ہیں کہ کسی مسلمان کو معاصی اور گناہوں کے ارتکاب کرنے، یا غیر معروف نظری مسائل کا انکار کرنے پر کافر نہ کہا جائے، یہی محققین کی تحقیق ہے اس کو خوب اچھی طرح یاد رکھو۔"

ضروریاتِ دین کا منکر کافر اور واجب القتل ہے:

"جوہرۃ التوحید" کا ایک شعر ہے (حاشیۃ بیجوری علیٰ جوہرۃ التوحید ص:۱۰۳):

ومن لمعلوم ضروری جحد
من دیننا یقتل کفرًا لیس حد

ترجمہ:...... "جس شخص نے ہمارے دین کے کسی بھی یقینی امر کا انکار کیا ہو، وہ کفر کی بنا پر قتل کردیا جائے گا، نہ کہ حد

کے طور پر۔“

(اس لئے کہ حد تو مسلمان پر جاری ہوتی ہے اور یہ شخص کافر ہے، لہٰذا اس کو دوسرے کافروں کی طرح بربنائے کفر قتل کیا جائے گا) ”جوہرہ“ کے شارح اس شعر کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس منکر کا کفر تو یقینی اور متفق علیہ ہے، نیز فرماتے ہیں کہ ”ماتریدیہ“ تو کسی بھی قطعی امر کے منکر کو کافر کہتے ہیں اگرچہ وہ ضروری الثبوت (یعنی متواتر یا مجمع علیہ) نہ بھی ہو۔“

اجماعِ صحابہ حجتِ قطعی ہے اور اس کا انکار کفر ہے:

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام حنفی علمائے اصول اس پر متفق ہیں کہ جس امر پر صحابہؓ کا اجماع ہو چکا ہے اس کا انکار کفر ہے، اس لئے کہ وہ اس ”اجماعِ صحابہ“ کو کتاب اللہ کے مرتبہ میں رکھتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ بھی ”اقامۃ الدلیل“ ج:۳ ص:۱۳۰ میں فرماتے ہیں:

”صحابہ کرامؓ کا اجماع قطعی حجت ہے اور اس کا اتباع فرض ہے، بلکہ یہ تو سب سے قوی حجت اور دوسرے تمام دلائل پر مقدم ہے، اگرچہ اس کے اثبات اور تحقیق کا یہ مقام نہیں، تاہم یہ اپنی جگہ نہ صرف تمام فقہاءؒ کے ہاں مسلّم ہے، بلکہ ان تمام مسلمانوں کے نزدیک مسلم ہے جو حقیقت میں مؤمن ہیں، اس کی مخالفت صرف انہی گمراہ فرقوں نے کی ہے جن کو ان کے گمراہ عقائد کی بنا پر کافر یا فاسق قرار دیا گیا ہے، نہ صرف یہ بلکہ وہ ان فاسد عقائد کے ساتھ ساتھ ایسے کبیرہ گناہوں کے بھی مرتکب ہوئے ہیں جو ان کے فسق کو ضروری قرار دیتے ہیں۔“

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے نزدیک بھی اجماعِ صحابہ حجت ہو، جیسا کہ تفسیر ''روح المعانی'' ج:۱ ص:۱۲۷ میں آیت کریمہ: ''اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ'' کی تفسیر میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ: محقق ابن امیر الحاج نے جو شیخ ابن ہمامؒ اور حافظ ابن حجرؒ دونوں کے شاگرد رشید ہیں ''تحریر'' کی شرح میں مسئلہ ''تقسیم خطا'' کے ذیل میں اجماع صحابہ کے حجت قطعی ہونے کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے، اسی طرح علامہ تفتازانیؒ نے ''تلویح'' میں حکم اجماع کے ذیل میں اس مسئلہ کی تصریح فرمائی ہے۔

کفریہ عقائد و اعمال:

''شرح التحریر'' ج:۳ ص:۳۱۸ میں محقق ابن امیر الحاج کی عبارت حسب ذیل ہے:

''اہل قبلہ میں سے وہ مبتدع (گمراہ) جس کو اس کی بدعت (گمراہی) کی بنا پر کافر نہیں کہا جاتا اور کبھی کبھی اس کو گنہگار اہل قبلہ کے لفظ سے تعبیر کردیا جاتا ہے، جیسا کہ مصنف (شیخ ابن ہمامؒ) نے اس سے قبل: ''وللنھی عن تکفیر اھل القبلۃ.'' کے ذیل میں اشارہ فرمایا ہے، اس سے صرف وہی شخص مراد ہے، جو ضروریاتِ دین میں تو اہل حق سے متفق ہو، مثلاً: حدوث عالم اور حشر جسمانی کا قائل ہو اور کوئی اور کفریہ قول یا فعل بھی اس سے سرزد نہ ہوا ہو، مثلاً: اللہ کے سوا کسی کو معبود ماننا، یا کسی انسان میں اللہ تعالیٰ کے حلول کا قائل ہونا (یعنی کسی کو خدا کا ''اوتار'' ماننا)، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنا، یا آپؐ کی مذمت یا توہین کرنا اور اسی قسم کی کفریہ باتوں کا

قائل ہونا، لیکن ان کے علاوہ اور ایسے نظری مسائل میں اہل حق کا مخالف ہو، جن میں متفقہ طور پر حق ایک جانب ہے (اثبات یا نفی) مثلاً صفات الٰہیہ، خلق افعال عباد، ارادۂ الٰہی کا خیر وشر دونوں کے لئے عام ہونا، کلام الٰہی کا قدیم ہونا وغیرہ (تو ان مسائل میں اختلاف کرنے والے کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ غرض جو اصولی عقائد و اعمال میں اہل حق سے متفق ہو اور فروعی مسائل میں مخالف ہو، صرف اس شخص کو کافر نہیں کہا جاسکتا ہے) اور غالباً مصنف علیہ الرحمۃ (شیخ ابن ہمامؒ) نے اس سے قبل اپنے مذکورہ ذیل قول سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے: ''اس لئے کہ یہ مبتدع بھی قرآن، حدیث یا عقل سے ہی اپنے عقائد پر استدلال کرتا ہے۔'' ورنہ ضروریاتِ دین میں مخالفت کرنے والے کو کافر کہنے کے بارے میں تو اہل حق میں کوئی اختلاف ہے ہی نہیں، مثلاً حدوثِ عالم یا حشر جسمانی، یا اللہ تعالیٰ کا علم جزئیات وغیرہ یہ تو وہ بنیادی مسائل ہیں کہ ان کا انکار کرنے والا یقیناً کافر ہے، اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور ساری عمر عبادات و طاعات اور احکام شرعیہ پر کاربند رہا ہو، اسی طرح وہ شخص بھی بغیر کسی اختلاف کے کافر ہونا چاہئے جو کسی بھی موجب کفر قول یا فعل کا مرتکب ہو، ایسی صورت میں ''خطابیہ'' (کہ جن کا عقیدہ ہے کہ جھوٹ بولنا حلال اور جائز ہے) کو بھی ان وجوہ کی بنا پر کافر کہنا چاہئے جن کو ہم ''شرائط راوی'' کے ذیل میں بیان کرچکے ہیں۔ اس تحقیق سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ: ''کسی گناہ کی وجہ سے اہل قبلہ کی تکفیر کی ممانعت کا ضابطہ بھی عام نہیں ہے،

الّا یہ کہ گناہ سے وہ گناہ مراد لیا جائے جو کفر نہ ہو، تو وہ شخص جس
کی تکفیر کسی موجب کفر گناہ کی وجہ سے کی جائے وہ تو ضرور اس
ضابطہ سے خارج ہوگا (اور اس کو کافر کہا جائے گا) جیسا کہ شیخ
تقی الدین سبکیؒ نے اس جانب اشارہ کیا ہے۔''

حضرت مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے بعد محقق ابن امیر الحاج نے سبکیؒ کا قول نقل کیا ہے جو ہماری اس تحقیق کے لئے قطعاً مضر نہیں ہے، اس لئے کہ شیخ سبکیؒ اس شخص کے بارے میں بحث کر رہے ہیں جو زبان سے کلمہ کفر بک دینے کے بعد کلمہ شہادت پڑھ لے (کہ یہ شخص کافر نہیں ہے) اور وہ اِس شخص کو اُس مسلمان کی مانند قرار دیتے ہیں جو مرتد ہوجانے کے بعد اسلام لے آئے، تاہم محقق موصوف اس کو بھی محل نظر قرار دیتے ہیں اور اس شخص کے مسلمان ہونے کے لئے بھی اس کلمہ کفر سے توبہ اور اظہار برأت کو ضروری قرار دیتے ہیں جو اس نے زبان سے نکالا تھا، یہ شرط سبکیؒ کے کلام میں بھی ملحوظ ہے، لہٰذا محقق موصوف اور شیخ سبکیؒ کے درمیان کوئی اختلاف نہ رہا۔ (۱)

---

(۱) اور دونوں بزرگوں کے نزدیک ضروریاتِ دین کا انکار یا موجبات کفر کا ارتکاب کرنے والا شخص قطعاً کافر ہے، اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور خود کو مسلمان کہتا ہو احکام شرعیہ و عبادات پر کاربند بھی ہو، نیز یہ ثابت ہوا کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا انکار یا موجبات کفر کا ارتکاب اس کو اہل قبلہ سے خارج کر دیتا ہے، نیز یہ کہ اہل قبلہ ہونے کے معنی ''قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والے'' سمجھنا ناواقفیت کی دلیل ہے، درحقیقت اہل حق نے کسی شخص کے شرعاً مؤمن ہونے کے لئے یہ عنوان بطور اصطلاح اختیار کیا ہے اور یہ اصطلاح بھی جیسا کہ عنقریب معلوم ہوجائے گا: ''ما صلوا صلوٰتنا واستقبلوا قبلتنا.'' سے ماخوذ اور صاحب شریعت علیہ السلام سے ثابت ہے۔ مترجم۔

دین کے اساسی عقائد اور قطعی احکام کی مخالفت شریعت کی بیخ کنی کے مرادف اور موجب کفر ہے:

محقق محمد بن ابراہیم وزیر یمانی اپنی کتاب ''ایثار الحق'' کے ص:۴۱۳ پر فرماتے ہیں:

''دوسری فرع یہ ہے کہ ''معمولی سا اختلاف'' مسلمانوں میں باہمی خصومت وعداوت کا موجب نہ ہونا چاہئے، اور یہ معمولی سا اختلاف وہ ہوتا ہے جو دین کے ان اساسی اور قطعی امور میں نہ ہو جن سے اختلاف کرنے والے کی تکفیر پر شرعی دلائل قائم ہوچکے ہیں (بلکہ ان فرعی اور نظری مسائل میں اختلاف ہو جن کا دین ہونا قطعی اور مجمع علیہ نہیں ہے)۔''

یہی محقق کتاب مذکورہ کے ص:۴۴۵ پر فرماتے ہیں:

''جیسے ان ملحدوں اور زندیقوں کا کفر جنہوں نے کتاب اللہ عز وجل کی تمامتر آیات کی ایسے باطنی امور سے تاویلیں کرکے قرآن کو ایک کھیل بنالیا ہے، جن میں سے نہ کسی کی کوئی دلیل ہے، نہ کوئی علامت، نہ ہی سلف صالحین کے عہد میں ان باطنی معانی کی جانب کوئی اشارہ (یعنی قرآن کریم کے الفاظ (۱) کے من مانے معانی اور مرادیں گھڑتے ہیں) اسی زمرہ میں وہ تمام اشخاص اور فرقے بھی داخل ہیں جو شریعت الٰہیہ کا

---

(۱) مثلاً کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں جہاں اللہ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ''امامِ وقت'' ہے، ایسے ہی آج کل ہمارے زمانہ کا ایک زندیق غلام احمد پرویز کہتا ہے کہ اللہ سے مراد ''مرکزِ ملت'' ہے، اور کہیں کہتا ہے کہ اللہ سے مراد وہ ''صفات علیا'' ہیں جو انسان کو اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔ از مترجم۔

نام ونشان مٹا دینے اور ان تمام یقینی اور قطعی علوم کو رد کرنے میں
ان زندیقوں اور ملحدوں کے نقش قدم پر گامزن ہیں جن کو ہمیشہ
سے امت مسلمہ کے پچھلے لوگ اپنے پہلے بزرگوں سے سنتے
سناتے اور نقل کرتے چلے آتے ہیں۔“

یہی محقق کتاب مذکور کے ص:۱۶۸ پر فرماتے ہیں:

”پس یاد رکھو کہ ”اجماع“ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک وہ
اجماع جس کی صحت قطعی اور یقینی طور پر دین سے اس طرح
ثابت ہو کہ اس سے مخالفت کرنے والے کو کافر کہا جائے، یہی
وہ صحیح اور حقیقی اجماع ہے جو قطعاً اور یقیناً دین ہونے کی بنا پر
بحث سے بالاتر ہے (یعنی اس اجماع کا حجت ہونا محتاج بحث ہی
نہیں)۔“

مسئلہ ممانعت تکفیر اہل قبلہ کا اصل ماخذ اور حقیقت:

مصنف نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: یاد رکھو! اہل قبلہ کو کافر کہنے کی ممانعت
کے زیر بحث مسئلہ کا اصل ماخذ ”سنن ابو داؤد“ باب الجہاد ج:۱ ص:۲۴۳ کی ایک
حدیث ہے، جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”تین چیزیں اصل ایمان ہیں: (۱) لا الہ الا اللہ کہنے
والے (کے جان و مال) پر دست درازی نہ کرنا۔ (۲) کسی
”گناہ“ کا ارتکاب کرنے کی بنا پر اس کو کافر نہ کہنا۔ (۳) کسی
عمل کی وجہ سے اس کو اسلام سے خارج نہ کرنا۔“

اس حدیث میں شریعت کے عرف کے مطابق ”گناہ“ سے یقیناً وہ گناہ مراد

ہے جو کفر نہ ہو اور بالکل اسی طرح یہ جملہ امام ابوحنیفہؒ وغیرہ سے مثلاً امام شافعیؒ سے "الیواقیت" میں منقول ہے، اور سفیان بن عُیینہ سے حُمیدی نے اپنی مسند کے آخر میں نقل کیا ہے، اور ان کے علاوہ ائمہ دین کی تعبیرات و اقوال میں "گناہ" کی قید کے ساتھ وارد ہوا ہے (یعنی جس طرح حدیث میں: "لا یکفرہ بذنب" آیا ہے، اسی طرح یہ ائمہ بھی: "لا نکفر اھل القبلة بذنب." فرماتے ہیں) جیسا کہ "الیواقیت والجواہر" میں ج:۲ ص:۱۲۳ پر امام شافعیؒ سے منقول ہے، لیکن مرور ایام کے بعد کچھ ظاہر پرستوں، کچھ جاہلوں اور کچھ ملحدوں نے ان ائمہ کے اقوال میں سے "گناہ" کی قید کو اڑا دیا (اور "لا نکفر اھل القبلة" رہنے دیا) اور ان ائمہ کے اقوال کو بے محل استعمال کرنے لگے (کہ ان ائمہ کے نزدیک کسی بھی اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں، ظاہر ہے کہ یہ کھلی ہوئی تحریف اور ان ائمہ پر بہتان ہے)۔

ممانعت تکفیر اہل قبلہ کا تعلق حکمرانوں سے ہے:

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ممانعت تکفیر اہل قبلہ کا تعلق دراصل امراً اور حکمرانوں سے ہے (یعنی یہ مقولہ دراصل حکمرانوں کے حق میں ہے)، چنانچہ حضرت انسؓ کی مذکورہ بالا روایت اور اسی قسم کی دوسری روایتیں دراصل امیر اور حکمرانوں کی اطاعت کے وجوب اور جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں ان کے خلاف بغاوت کی ممانعت کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں، چنانچہ امام مسلمؒ نے "صحیح مسلم" میں (ج:۲ ص:۱۲۵) ان تمام روایات کی تخریج اسی باب کے ذیل میں کی ہے اور ان تمام روایات میں خواہ "صحیح مسلم" میں ہوں، خواہ دوسری کتب حدیث میں، مذکورہ ذیل استثنا موجود ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

"اِلَّا ان تروا کفرًا بواحا عندکم من اللہ فیه برھان." (صحیح بخاری ج:۲ ص:۱۰۴۵ کتاب الفتن)

ترجمہ:......"الّا یہ کہ تم (ان امراء کے قول وفعل میں) ایسا کھلا ہوا کفر دیکھو کہ اس کے کفر ہونے پر تمہارے پاس اللہ کی جانب سے دلیل و برہان موجود ہو۔"

اور یہی مراد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ ذیل روایت کی بھی ہے، جس کی تخریج امام بخاریؒ وغیرہ نے کی ہے:

"من شهد ان لا اله الا الله واستقبل قبلتنا وصلّٰى صلٰوتنا واكل ذبيحتنا فهو مسلم، له ما للمسلم وعليه ما على المسلم." (صحیح بخاری ج:۱ ص:۵۶)

ترجمہ:......"جس نے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دی، اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا، اور ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی، اور ہمارے ذبیحہ کو (حلال جانا اور) کھالیا وہ مسلمان ہے، اس کے وہی تمام حقوق ہیں جو ایک مسلمان کے ہیں، اور اس پر وہی تمام ذمہ داریاں ہیں، جو ایک مسلمان پر ہوتی ہیں (یعنی ایسا حکمران جو ان تمام شعائر اسلام کو مانتا اور کرتا ہو وہ مسلمان ہے اس کی اطاعت واجب اور اس کے خلاف بغاوت ممنوع ہے)۔"

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: "الّا ان تروا كفرًا بواحا عندكم من الله فيه برهان" ثابت کرتا ہے کہ یہ دیکھنا (اور فیصلہ کرنا) دیکھنے والوں کا کام ہے، ان کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان دیکھ لینا چاہئے کہ یہ کھلا ہوا کفر ہے، یا نہیں؟ باقی اس شخص کو اس طرح قائل کرنا ان پر واجب نہیں کہ وہ کوئی جواب ہی نہ دے سکے، اور (اپنے قول وفعل کی) کوئی تاویل ہی نہ کرسکے، بلکہ ان پر صرف اتنا واجب ہے کہ خود ان کے پاس اُس کے کفر پر اللہ تعالیٰ

کی جانب سے دلیل و برہان موجود ہو۔

کفر صریح میں کوئی تاویل مسموع نہیں ہوتی:

اس لئے کہ ''طبرانی'' کی روایت میں اس حدیث میں ''کفرًا بواحا'' کے بجائے ''کفرًا صُرَاحا'' (''ص'' مضموم اور ''ر'' مفتوح کے ساتھ) آیا ہے (جس کے معنی ہیں صریح کفر)، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' شرح البخاری ج:۱۳ ص:٦ میں نقل کیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ کفر صریح میں کوئی تاویل مسموع نہیں ہوتی۔

کون سی تاویل باطل اور غیر مسموع ہے؟

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱) نے ''ازالۃ الخفا'' کے ص:۷ پر خلیفہ کے خلاف بغاوت کے جواز اور ضروریاتِ دین کا انکار کرنے کی وجہ سے اس کے کافر ہوجانے کے بارے میں مزید وضاحت فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ''تاویل کے قطعی طور پر باطل ہونے کا مدار اس پر ہے کہ وہ تاویل قرآن کریم کی صریح آیت، یا حدیث مشہور، یا اجماع، یا قیاسِ جلی (واضح قیاس) کے خلاف ہو۔'' (یعنی ہر وہ تاویل جو قرآن، حدیثِ مشہور، اجماعِ امت یا واضح قیاس کے مخالف ہو قطعاً نہیں مانی جائے گی)۔

خبر واحد کی مخالفت کی بنا پر بھی تکفیر جائز ہے:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباری'' میں ''عندکم من اللہ فیه برهان.'' کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''ای نصٌّ آیةٌ او خبرٌ صحیحٌ لا یحتمل التاویل.'' (فتح الباری ج:۱۳ ص:٦ کتاب الفتن)

---

(۱) یہ حاشیہ کی عبارت کا ترجمہ ہے۔

ترجمہ:......"یعنی صریح دلیل ہو خواہ (کلام اللہ کی) کوئی آیت ہو یا ایسی صحیح حدیث جس میں تاویل کا احتمال نہ ہو۔"

اس سے ثابت ہوا کہ خبر واحد صحیح کی بنا پر بھی تکفیر جائز ہے، اگرچہ مشہور یا متواتر نہ ہو، اور ہونا بھی یہی چاہئے اس لئے کہ جب فقہاً کی شمار کردہ وجوہ کی بنا پر تکفیر کی جاتی ہے تو کیا ایسی صحیح حدیث کی بنا پر جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو ان کو کافر نہ کہا جائے گا؟

صریح کفر کے مرتکب اہل قبلہ کو کافر کہا جائے گا اگرچہ وہ قبلہ سے منحرف نہ ہوں اور اسلام سے خارج ہونے کا قصد بھی نہ کریں:

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اہل قبلہ کو کافر کہا جاسکتا ہے (جب کہ وہ کفر صریح کے مرتکب ہوں) اگرچہ وہ قبلہ سے منحرف نہ بھی ہوں، نیز یہ بھی ثابت ہوگیا کہ بسا اوقات قصداً کفر اختیار کئے بغیر اور تبدیل مذہب کا ارادہ کئے بغیر بھی انسان کافر ہوجاتا ہے (یعنی اگرچہ انسان خود کو مسلمان سمجھتا رہے تب بھی کفریہ قول یا فعل کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے کافر ہوجاتا ہے) اگر ایسا نہ ہوتا تو مذکورہ بالا حدیث میں: "مشاہدہ کرنے والوں کے پاس دلیل و برہان کے موجود ہونے کی ضرورت نہ ہوتی" (بلکہ ان لوگوں کے قصد و ارادہ پر مدار ہوتا) اور ایسے مستحق تکفیر لوگ ہم ہی میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے ہی) ہوتے ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک دوسری حدیث کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں:

"نعم دعاةٌ علیٰ ابواب جهنم مَن اجابهم اليها قذفوه فيها ..... هم من جلدتنا ويتكلمون بالسنتنا."

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۱۰۴۹ باب "كيف الامر اذا لم تكن جماعة.")

ترجمہ:......''پس یہ لوگ ہماری ہی ملت میں سے ہیں، ہماری ہی زبان بولتے ہیں (یعنی مسلمان کہلاتے ہیں، قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہیں) حالانکہ وہ جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوئے ہیں اور لوگوں کو جہنم کی طرف بلا رہے ہیں، جو کوئی ان کی آواز پر لبیک کہے گا اس کو بھی جہنم میں ڈال دیں گے (یعنی ان کے عقائد سراسر گمراہی اور جہنم میں لے جانے والے ہیں جو ان کو اختیار کرے گا جہنم میں جائے گا)۔''

حافظ ابن حجرؒ، قابسیؒ سے ''من جلدتنا'' کی تفسیر ذیل کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

''معناہ انھم فی الظاھر علی ملتنا وفی الباطن مخالفون.''

ترجمہ:......''اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ظاہر میں تو ہمارے ہی دین پر ہیں (یعنی دیکھنے میں مسلمان ہیں) لیکن باطن میں وہ ہمارے مخالف ہیں (یعنی حقیقت میں مسلمان نہیں ہیں)۔''

حضرت مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ حافظ ابن حجرؒ ''خوارج'' کو اس حدیث کا مصداق قرار دیتے ہیں (اور مسلمانوں میں ایسے لوگوں کے پائے جانے کی صورت میں) فتح الباری ج:۱۳ ص:۷۷ میں دجال کے حالات کے تحت حسب ذیل بیان فرماتے ہیں:

''واما الذی یدعیہ فانہ یخرج اولا فیدعی الایمان والصلاح ثم یدعی النبوۃ ثم یدعی الالٰھیۃ.''

(فتح الباری ج:۱۳ ص:۷۷ باب ''ذکر الدجال'')

ترجمہ:......''جو شخص یہ دعویٰ کرے گا وہ ابتداءً میں
ایمان اور صلاح وتقویٰ کا دعویٰ کرے گا، اس کے بعد نبوت کا
اور پھر خدائی کا دعویٰ کرے گا۔''

اور ''ثلاثین دجالًا'' (تیس دجالوں) والی حدیث اور بعض روایات میں ان کی تیس سے زائد تعداد کی توجیہ کے ذیل میں ص:۴۷ پر فرماتے ہیں:

''ہوسکتا ہے کہ نبوت (اور خدائی) کا دعویٰ کرنے
والے تو تیس ہی ہوں اور باقی صرف کذاب ہوں، لیکن گمراہی
کی جانب لوگوں کو دعوت یہ بھی دیتے ہوں، جیسے غالی شیعہ، فرقہ
باطنیہ، فرقہ اتحادیہ، فرقہ حلولیہ اور ان کے علاوہ وہ تمام گمراہ
فرقے جو ایسے عقائد کی جانب لوگوں کو دعوت دیتے ہیں جن کا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے خلاف ہونا
قطعی اور یقینی ہے۔''

دیکھئے! حافظ ابن حجرؒ نے ان تمام فرقوں کو ''دجال'' کی صف میں داخل فرما کر نہ صرف اس لئے کافر قرار دیا کہ یہ ضروریاتِ دین کے منکر ہیں، بلکہ اس لئے بھی کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے مخالف ہیں (بہرحال یہ تمام گمراہ اور کافر فرقے مسلمانوں میں سے ہی پیدا ہوئے اور ہوں گے، اس کے باوجود وہ قطعی طور پر کافر ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اہل قبلہ اگر کفریہ عقائد و اعمال یا موجبات کفر کو اختیار کریں، تو خود کو مسلمان کہنے اور سمجھنے کے باوجود بھی کافر ہوجاتے ہیں اور ان کی تکفیر واجب ہے)۔

مصنف علیہ الرحمۃ (یہ ثابت کردینے کے بعد کہ اگر اہل قبلہ کفر صریح کے مرتکب ہوں تو قبلہ سے منحرف نہ ہونے کے باوجود وہ کافر ہوجاتے ہیں اور ان کی تکفیر ضروری ہے) فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد ابن عابدین (علامہ شامیؒ) کی ''شرح منحۃ

الخالق علی البحر الرائق'' ج:۱ ص:۳۷۱ باب الامامۃ میں ذیل کی تصریح میری نظر سے گزری:

''وحرَّر العلامة نوح آفندی ان مراد الامام بما نقل عنه ما ذكره فی "الفقه الاكبر" من عدم التكفير بالذنب، الذی هو مذهب اهل السنة والجماعة، تامل.''

ترجمہ:...... ''علامہ نوح آفندی کی تحقیق یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے جو اہل قبلہ کی تکفیر کی ممانعت منقول ہے اس سے مراد وہی ہے جو ''فقہ اکبر'' میں مذکور ہے کہ گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کی جائے، جو اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے، اچھی طرح سمجھ لو۔''

امام ابوحنیفہؒ نے کسی گناہ کی بنا پر اہل قبلہ کی تکفیر سے منع کیا ہے:

نیز حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہؒ سے ممانعت تکفیر اہل قبلہ کا مسئلہ سب نے صرف "منتقٰی" کے حوالہ سے ہی نقل کیا ہے، جیسا کہ ''شرح مقاصد'' ص:۲۶۹ اور ''مسایرہ'' ص:۲۱۴ طبع جدید مصر، میں تصریح کی ہے، اور محقق ابن امیر حاج نے ''شرح تحریر'' ج:۳ ص:۳۱۸ پر۔ "منتقٰی" کی عبارت امام ابوحنیفہؒ سے حسب ذیل الفاظ میں نقل کی ہے:

''ولا نكفر اهل القبلة بذنب.''

ترجمہ:...... ''اور ہم تو کسی گناہ کی وجہ سے اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے۔''

دیکھئے! اس عبارت میں ''بذنب'' کی قید موجود ہے، درحقیقت امام ابوحنیفہ

علیہ الرحمۃ کا یہ قول (جیسا کہ علامہ نوح آفندی کی تحقیق ہے) صرف ''معتزلہ'' اور ''خوارج'' کی تردید کے لئے ہے (کہ خوارج تو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے مسلمان کو کافر کہتے ہیں اور معتزلہ ایمان سے خارج اور مخلد فی النار کہتے ہیں، لیکن ہم اہل سنت والجماعت نہ اُس کو کافر کہتے ہیں نہ خارج از اسلام اور مخلد فی النار، بلکہ اس کو مسلمان اور لائق مغفرت مانتے ہیں) اس لئے کہ جملہ کا انداز بتلا رہا ہے کہ امام صاحبؒ ان لوگوں پر تعریض کر رہے ہیں جو ایک مؤمن مسلمان کو بغیر کسی کفریہ قول یا فعل کے سرزد ہوئے محض کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر اور خارج از اسلام قرار دے دیتے ہیں، لیکن کلمات کفر کہنے پر بھی اگر کسی کو کافر نہ کہا جائے گا تو پھر ان کلمات کو ''کلماتِ کفر'' نہ کہنا چاہئے، اور یہ محض فریب اور مغالطہ ہے۔

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس کے بعد حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ''کتاب الایمان'' طبع قدیم ۱۳۲۵ھ ص:۱۲۱ میں مندرجہ ذیل تصریح میری نظر سے گزری:

''ونحن اذا قلنا اهل السنة متفقون على انه لا يكفر بذنب فانما نريد به المعاصى كالزنا.''

ترجمہ:...... ''ہم جب یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ گناہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر نہ کہا جائے تو اس گناہ سے ہماری مراد زنا و شراب خوری وغیرہ معاصی ہوتے ہیں۔''

علامہ قونویؒ نے ''شرح عقیدہ طحاویہ'' ص:۲۴۶ میں پوری طرح اس کی وضاحت کی ہے۔

ملحدوں اور زندیقوں کا دجل وفریب:

(غرض ائمہ کرام کے قول: "لا نکفر اهل القبلة." سے ملحدوں اور زندیقوں نے ازراہِ دجل وفریب بہت زیادہ ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور ہمیشہ تکفیر سے بچنے کے لئے ائمہ کے اس قول کو بطور سپر استعمال کیا ہے) اسی لئے بہت سے ائمہ تو یہ کہنے سے بھی احتراز کرتے ہیں:

"لا نکفر احدا بذنب." (ہم کسی گناہ کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہتے)۔

بلکہ وہ کہتے ہیں:

"انا لا نکفرهم بکُل ذنب کما یفعله الخوارج." (شرح فقہ اکبر ص:۲۰۰ طبع مجتبائی، دہلی)

ترجمہ:......"ہم ہر گناہ کی وجہ سے ان کو اس طرح کافر نہیں کہتے جیسے خوارج کہتے ہیں۔"

چنانچہ "فقہ اکبر" ص:۱۹۶ میں بحث ایمان کے تحت علامہ قونویؒ سے (اسی مشہور و معروف مقولہ: "لا نکفر احدا بذنب." کے تحت صرف "فسادِ عقیدہ" کی صورت میں) تکفیر کو نقل کیا ہے:

"وفی قوله بذنب اشارة الی تکفیره بفساد اعتقاده کفساد اعتقاد المجسمة والمشبة ونحوهم لان ذلک لا یسمّی ذنبا والکلام فی الذنب."

ترجمہ:......"بذنب کے لفظ میں اس امر کی جانب اشارہ موجود ہے کہ فسادِ عقیدہ کی بنا پر ضرور کافر کہا جائے گا، جیسا کہ مشبہ اور مجسمہ وغیرہ کے فاسد عقیدے، کہ ان کو ان کے فاسد

عقائد کی بنا پر کافر کہا جاتا ہے (نہ کہ کسی گناہ کی بنا پر اور ظاہر ہے کہ فساد عقیدہ کو گناہ نہیں کہا جاسکتا) اور ہماری بحث گناہ (یعنی معصیت) سے ہے۔''

یہی فرق امام طحاویؒ کے کلام سے المعتصر باب التفسیر میں ص:۳۴۹ پر منقول ہے، اور امام غزالیؒ نے ''اقتصاد'' کے آخر میں بھی یہی فرق بیان فرمایا ہے۔

(حاصل یہ ہے کہ کسی گناہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر نہ کہنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کفریہ عقائد و اعمال کی وجہ سے بھی اس کو کافر نہ کہا جائے بلکہ ''بذنب'' کی قید سے یہ صاف ظاہر ہے کہ تکفیر سے ممانعت کا حکم صرف ''گناہ تک'' محدود ہے اور صرف مسلمان کے لئے ہے، اور کفریہ عقائد و اعمال اختیار کرلینے کے بعد تو وہ مسلمان اور اہل قبلہ میں سے ہی نہیں رہتا)۔

خلاصہ و حاصل کلام:

مصنف نور اللہ مرقدہ اس باب میں علمائے امت کی مذکورہ بالا عبارات و تصریحات سے مندرجہ ذیل امور کو ثابت فرمانا چاہتے ہیں:

ا:...... امت مسلمہ کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ ضروریاتِ دین یعنی وہ مجمع علیہ عقائد و احکام جن کا دین رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہونا قطعی اور یقینی ہے، ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے اور منکر قطعاً کافر ہے، اگرچہ وہ قبلہ سے منحرف نہ بھی ہو اور خود کو مسلمان بھی کہتا ہو۔

۲:...... کفر صریح یعنی کفریہ عقائد و اقوال و اعمال کا ارتکاب قطعاً کفر اور ان کا مرتکب یقیناً کافر ہے، اگرچہ وہ خود کو مسلمان سمجھتا رہے اور صوم و صلوٰۃ وغیرہ عبادات و احکام شرعیہ کا پابند ہو۔

۳:...... متکلمین کی اصطلاح میں ''اہل قبلہ'' سے مراد وہ مؤمن کامل ہے جو رسول اللہ کے لائے ہوئے پورے دین پر ایمان رکھتا ہو، کفریہ عقائد و اعمال کا ارتکاب کرنے والے یا ضروریاتِ دین کا انکار کرنے والے انسان کو ''اہل قبلہ'' میں سے ماننا یا کہنا...... (باقی اگلے صفحہ پر)

(گزشتہ سے پیوستہ) یا تو ناواقفیت پر مبنی ہے یا فریب اور دھوکا ہے۔

۴:......''اہل قبلہ'' کی اصطلاح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جس روایت سے ماخوذ ہے، اس کا تعلق امیر یا حاکم سے ہے، نہ کہ عام مسلمانوں سے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امیر یا حاکم جب تک ''شعائر دین'' کا احترام کرتا رہے، اس کی اطاعت واجب اور اس کے خلاف بغاوت ممنوع ہے لیکن اگر وہ بھی ''کفر صریح'' کا ارتکاب کرے تو اسلام سے خارج اور اس کے خلاف بغاوت جائز ہے۔

۵:......"لا نکفر اھل القبلة." یا ''اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں'' یہ ائمہ اہل سنت میں سے ہرگز کسی کا قول نہیں بلکہ جاہلوں، یا زندیقوں اور ملحدوں کا گھڑا ہوا مقولہ ہے۔

۶:......ائمہ کا مقولہ: "لا نکفر احدا بذنب." ہے، اور ''ذنب'' سے مراد گناہ اور معصیت ہے اس لئے کہ ائمہ سے یہ مقولہ ''خوارج'' اور ''معتزلہ'' کی تردید کے ذیل میں منقول ہے جو کسی بھی گناہ کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے ہر مؤمن مسلمان کو کافر اور ایمان و اسلام سے خارج قرار دے دیتے ہیں، اس مقولہ کو کسی کفر صریح کا ارتکاب کرنے والے یا ضروریاتِ دین کا انکار کرنے والے مسلمان کے حق میں استعمال کرنا کھلا ہوا فریب اور دھوکا ہے، یا خالص ناواقفیت اور لاعلمی۔

۷:......ضروریاتِ دین کے انکار میں کوئی تاویل مسموع اور معتبر نہیں، اس لئے کہ جو تاویل قرآن، حدیث، اجماعِ امت، یا قیاسِ جلی کے خلاف ہو وہ قطعاً باطل ہے۔

نوٹ......اس تحقیق کے مطابق جو لوگ ''تجارتی سود'' کو حلال اور ''سودی کاروبار'' کو جائز کہہ رہے ہیں، وہ ضروریاتِ دین کے منکر اور کافر ہیں، اعاذنا اللّٰہ! اس لئے کہ: "اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا." قرآن کی نص صریح ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر آج تک امت کا اس پر اتفاق ہے کہ ''ربوا'' مطلقاً یعنی سود کسی بھی صورت میں ہو، حرام ہے، نہ صرف یہ بلکہ مذاہب اربعہ کے فقہاء ہر اس معاملہ اور کاروبار کو فاسد اور ناجائز قرار دیتے ہیں جس میں ''ربوا'' (سود) کا شائبہ بھی ہو۔ فاعتبروا یا اولی الابصار! از مترجم۔

حافظ ابن حجرؒ کی کتاب ''فتح الباری شرح بخاری''

کے اقتباسات(۱)

جوسہل انگار اور تسامح پسند علماؑ کے شکوک وشبہات کے ازالہ اور ملحدوں کے دنداں شکن جوابات پر مشتمل ہیں:

کسی بھی فرض شرعی کا انکار، اتمام حجت کے بعد منکر کے کفر اور اس سے باز نہ آنے پر قتال کا موجب ہے:

حافظ ابن حجرؒ ''فتح الباری'' ج:۱۲ ص:۲۴۸ میں حدیث ''رِدَّت'' (۲) کی

---

(۱) چونکہ اس زمانہ میں آئے دن مسلمانوں میں نو بنو ملحد اور زندیق افراد اور فرقے پیدا ہو رہے ہیں اور اسلام کے نام پر کفر پھیلانے اور امت کو گمراہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اس لئے علماؑ امت کے لئے ''ملحدین اہل قبلہ کی تکفیر'' کا مسئلہ غایت درجہ اہمیت اختیار کر چکا ہے، لہٰذا حضرت مصنف نور اللہ مرقدہ نے اس مسئلہ میں علماؑ امت کے ہر طبقہ کے علماؑ اعلام کی تحقیقات کو پورے استیعاب کے ساتھ جمع کرنے کا عزم فرمایا ہے اور چونکہ حضرت شیخ قدس اللہ سرہ جامع العلوم والفنون ہونے کے باوجود طبقہ محدثین میں اپنے عہد کے اندر آیۃ من آیات اللہ کے مقام پر فائز اور حجۃ اللہ علی الخلق کی حیثیت کے مالک ہیں، اس لئے اول محدثین کے طبقہ میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات کو سرفہرست رکھتے ہیں، اس لئے کہ حافظ موصوفؒ متاخرین میں مسلمہ طور پر علوم حدیث کے یکتائے زمانہ امام اور حافظ حدیث ہیں، لہٰذا اس سلسلہ میں ''فتح الباری'' (ج:۱۲) کے مذکورہ اقتباسات پیش فرماتے ہیں۔ از مترجم۔

(۲) امام بخاری علیہ الرحمۃ باب ''من ابیٰ قبول الفرائض وما نسبوا من الردۃ.'' کے ذیل میں حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں:.................(باقی اگلے صفحہ پر)

مفصل شرح کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''مرتدین پر غلبہ حاصل ہونے کے بعد صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہوا کہ آیا کافروں کی طرح ان مرتدین کے اموال کو غنیمت اور ان کے بیوی بچوں کو غلام بنالیا جائے یا نہیں؟ یا ان کے ساتھ مسلمان باغیوں کا سا معاملہ کیا جائے؟ حضرت ابوبکر

(گزشتہ سے پیوستہ)

''لما توفي النبي صلى الله عليه وسلم واستخلف ابوبكر وكفر من كفر من العرب قال عمر: يا ابابكر! كيف تقاتل الناس وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم أُمرتُ ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله فمن قال لا اله الا الله عصم مني ماله ونفسه الا بحقه، وحسابه على الله. قال ابوبكر: والله! لاقاتلن من فرق بين الصلوٰة والزكوٰة، فان الزكوٰة حق المال والله لو منعوني عناقا كانوا يؤدونها الى رسول الله صلى الله عليه وسلم، لقاتلتهم على منعها. قال عمر: فوالله! ما هو الا ان رأيت ان قد شرح الله صدر ابي بكر للقتال فعرفت انه الحق.'' (بخاری ج:۲ ص:۱۰۲۳)

ترجمہ:...... ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور ابوبکرؓ خلیفہ ہوگئے اور عرب کے جو قبائل کافر ہونے تھے ہوگئے (اور حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا) تو حضرت عمرؓ نے کہا: اے ابوبکر! تم ان لوگوں سے جنگ کیونکر کرسکتے ہو؟ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرلیں، پس جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرلیا، اس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچالیا بجز حق اللہ کے (کہ اگر وہ حق اللہ کو ادا نہ کرے تو بے شک اس کو قتل کروں گا) اور اس کا حساب (کہ اس کے دل میں کیا ہے) اللہ کے سپرد ہے (وہ جانے)۔'' تو اس پر ابوبکرؓ نے کہا: بخدا! میں ہر اس شخص سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرے گا (ایک کو مانے اور ایک کو نہیں) اس لئے کہ زکوٰۃ ''مال'' کا حق ہے (جیسے نماز ''جان'' کا حق ہے) خدا کی قسم! اگر وہ ایک بکری کا بچہ بھی جو حضور علیہ السلام کو دیا کرتے تھے، مجھے دینے سے انکار کریں گے تو میں اس کے منع کرنے پر ان سے جنگ کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: پس بخدا! میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کرنے پر ابوبکرؓ کو شرح صدر (اور اطمینانِ قلب) عطا فرمادیا ہے تو میں نے بھی سمجھ لیا کہ یہی حق ہے (مجھے بھی ان کی اطاعت کرنی چاہئے)۔''

صدیقؓ پہلی رائے کے حامی تھے اور انہوں نے (اپنے عہد خلافت میں) اسی پر عمل کیا، حضرت عمرؓ دوسری ''رائے'' کے حامی تھے، چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس پر مناظرہ کیا جس کی تفصیل کتاب الاحکام میں آئے گی اور ان کے عہد خلافت میں اور صحابہؓ بھی ان کے ساتھ متفق ہوگئے (بہرحال اس وقت تو تمام صحابہ کرامؓ اس بات پر متفق ہوگئے، ہر وہ شخص (یا قوم) جو کسی بھی فرضِ شرعی کا کسی شبہ کی بنا پر انکار کرے، اس سے اِس انکار سے باز آنے کا مطالبہ کیا جائے، اس پر اگر وہ لڑنے کے لئے تیار ہوجائے تو اتمام حجت کے بعد اس سے جنگ کی جائے، اگر وہ (ہتھیار ڈالنے کے بعد) انکار سے باز آجائے تو فبہا، ورنہ اس صورت میں اس کے ساتھ کافروں کا سا معاملہ کیا جائے، (یعنی خود اس کو قتل کردیا جائے اور اس کے اموال کو مالِ غنیمت اور اس کے بیوی بچوں کو غلام قرار دے دیا جائے) اور کہا جاتا ہے کہ مالکیہ میں سے اصح پہلے ہی قول (رائے) کے قائل ہیں، اسی لئے ان کو نادر (منفرد) مخالف شمار کیا گیا ہے۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''عومل معاملة الكافر.'' سے مراد قتل بر بنا کفر ہے، اس لئے کہ حافظ ابن حجرؒ اس سے پہلے اسی صفحہ پر فرما چکے ہیں:

> ''والذين تمسكوا باصل الاسلام ومنعوا الزكوٰة بالشبهة التى ذكروها لم يحكم عليهم بالكفر قبل اقامة الحجة.'' (فتح الباری ج:۱۲ ص:۲۴۸)
>
> ترجمہ:......''جو لوگ اصل اسلام پر قائم رہے لیکن مذکورہ بالا شبہ کی بنا پر زکوٰۃ دینے سے انکار کرتے رہے، ان پر اتمام حجت سے پہلے، ان کو کافر نہیں قرار دیا گیا (یعنی اتمام حجت کے بعد کافر قرار دے دیا گیا)۔''

اسی طرح آگے چل کر حافظؒ نے امام قرطبیؒ سے ''اس شخص کے بارے میں

جو کسی بدعت (گمراہی) کو دل میں پوشیدہ رکھتا ہو، یہی (فیصلہ) نقل کیا ہے (کہ اتمام حجت کے بعد کافر قرار دے دیا جائے گا)۔

ضروریاتِ دین میں تاویل کفر سے نہیں بچاتی:

نیز مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "شبهة" سے حافظ علیہ الرحمۃ کی مراد "تاویل" ہے،(۱) لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ مؤول سے بھی توبہ کے لئے کہا جائے گا، اگر وہ توبہ کرلے تو فبہا ورنہ اسے کافر قرار دے دیا جائے گا، یہی تاویل کا انتہائی فائدہ ہے (کہ توبہ کا موقع دیا جاتا ہے) لیکن تاویل کی بنا پر حکم کفر سے بچ جائے، یہ ممکن نہیں (لہٰذا حافظ ابن حجرؒ اور امام قرطبیؒ کی اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ مؤول کو رجوع نہ کرنے کی صورت میں کافر قرار دے دیا جائے گا اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو، نیز یہ کہ تاویل، حکمِ کفر سے نہیں بچاتی)۔

خوارج اہل قبلہ ہونے کے باوجود کافر ہیں:

حافظ ابن حجرؒ ج:۱۲ ص:۲۶۶ و ۲۶۷ پر فرماتے ہیں کہ ابوسعید خدریؓ کی

---

(۱) حافظ علیہ الرحمۃ ج:۱۲ ص:۲۴۵ پر ان لوگوں کا شبہ اور تاویل حسب ذیل بیان کرتے ہیں:

"وصنف منعوا الزكاة وتأوّلوا قوله تعالىٰ: خذ من اموالهم ...... الآية، وزعموا ان دفع الزكوٰة خاص به صلى الله عليه وسلم، لان غيره لا يطهرهم ولا يصلى عليهم." (فتح الباری ج:۱۲ ص:۲۷۷)

ترجمہ:...... "مرتدین کی ایک قسم وہ لوگ تھے جنہوں نے صرف زکوٰۃ سے انکار کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے قول: "خذ من اموالهم." الآیہ، سے استدلال کیا تھا کہ زکوٰۃ دینا صرف رسول اللہ کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے کہ آپ کے علاوہ اور کوئی نہ پاک کرسکتا ہے اور نہ (سکون آفرین) دعا دے سکتا ہے (پھر کسی اور کو زکوٰۃ کیوں دی جائے؟)۔"

(مذکورہ بالا) روایت(۱) (کہ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے جسم سے نکل جاتا ہے) ان لوگوں کی دلیل ہے جو ''خوارج'' کو کافر کہتے ہیں اور امام بخاریؒ کے طرزِ عمل کا تقاضہ بھی یہی ہے اس لئے کہ انہوں نے ترجمۃ الباب میں خوارج کو ملحدین کے ساتھ رکھا ہے (اور فرمایا ہے: ''باب قتل الخوارج والملحدین ...الخ.'') اور ''متاولین'' کے لئے علیحدہ باب قائم کیا ہے (جس سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ کے نزدیک خوارج اور ملحدین کا حکم ایک ہے، دونوں کافر اور مستحق قتل ہیں)۔

خوارج کے کفر کے دلائل:

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے شرح ترمذی میں اس کی تصریح کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

---

(۱) امام بخاریؒ باب ''قتل الخوارج'' کے ذیل میں دوسری حدیث ابوسعید خدریؓ کی لائے ہیں، جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

''قال ..... سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول یخرج فی ھذہ الامۃ، ولم یقل منھا، قوم تحقرون صلٰوتکم مع صلٰوتھم، یقرؤن القرآن لا یجاوز حلوقھم او حناجرھم، یمرقون من الدین کمروق السھم من الرمیۃ، فینظر الرامی الی سھمہ، الی نصلہ، الی رصافہ فیتماری فی الفوقۃ ھل علق بھا من الدم شیء.'' (بخاری ج:۲ ص:۱۰۲۴)

ترجمہ:...... ''ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''اس امت میں'' آپ نے ''اس امت سے'' نہیں فرمایا (یعنی مسلمان نہ ہوں گے) ایک ایسی قوم پیدا ہوگی کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے، وہ قرآن بھی پڑھتے ہوں گے مگر وہ ان کے حلقوں سے یا (فرمایا) ہنسلیوں سے نیچے نہ اترتا ہوگا (یعنی دل علم قرآن سے بالکل کورے ہوں گے) وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے (تیر انداز کا) تیر شکار کے جسم سے صاف نکل جاتا ہے، پس تیر انداز اپنے تیر کو یعنی کبھی اس کے پھل کو دیکھتا ہے کبھی ڈنڈی کو پھر اس کے سرے پر شک کرتا ہے کہ اس پر کچھ خون وغیرہ لگا بھی ہے یا نہیں۔''

''صحیح یہ ہے کہ خوارج کافر ہیں، اس لئے کہ:

۱:......حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ''وہ دین سے نکل گئے۔''

۲:......نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''میں ان کو قوم عاد کی طرح قتل (اور نیست و نابود) کروں گا۔'' بعض روایات میں ''عاد'' کے بجائے ''ثمود'' کا لفظ آیا ہے اور یہ دونوں قومیں کفر کی بنا پر ہلاک ہوئی ہیں۔

۳:......نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''ھم شر الخلق۔'' اور یہ عنوان صرف کفار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

۴:......نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ (خوارج) اللہ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ مبغوض ہیں۔

۵:......نیز یہ خوارج ہر اس شخص کو جو ان کے عقائد کا مخالف ہو ''کافر'' اور ''مخلد فی النار'' (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنمی) کہتے ہیں، اس لئے یہ خود ہی اس نام کے سب سے زیادہ مستحق ہیں (یعنی کافر اور مخلد فی النار ہیں کیونکہ جو کسی مسلمان کو کافر کہے وہ خود کافر ہے)۔''

شیخ سبکیؒ کا استدلال اور مخالفین کے شبہات کا جواب:

حافظ علیہ الرحمۃ ج:۱۲ ص:۲۶۷ پر فرماتے ہیں متاخرین میں سے جو حضرات خارجیوں کو کافر کہتے ہیں شیخ تقی الدین سبکیؒ بھی ان میں شامل ہیں، چنانچہ وہ اپنے ''فتاویٰ'' میں فرماتے ہیں:

''جولوگ خارجیوں اور غالی رافضیوں (تبرائی شیعوں)
کو کافر کہتے ہیں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ لوگ اعلام صحابہؓ
(چوٹی کے صحابہؓ) کو کافر کہتے ہیں اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے، اس لئے کہ آپؐ نے ان کے
جنتی ہونے کی شہادت دی ہے۔ (علامہ) سبکیؒ فرماتے ہیں:
میرے نزدیک ان کی تکفیر کے لئے یہ استدلال بالکل صحیح ہے،
باقی جو لوگ ان کو کافر نہیں کہتے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ
تکذیب اس وقت لازم آسکتی ہے جبکہ یہ ثابت ہوجائے کہ ان
صحابہ کبار کی تکفیر سے پہلے ان کو رسول اللہ کی اس شہادت کا یقینی
طور پر علم تھا (اور اس کے باوجود انہوں نے ان صحابہ کرام کو کافر
کہا ہے) مگر (سبکیؒ کہتے ہیں) میرے نزدیک یہ دلیل محل نظر
ہے اس لئے کہ انہوں نے ان صحابہ کرامؓ کو کافر کہا ہے جن کے
مرتے دم تک کفر و شرک سے بری ہونے کا ہمیں قطعی اور یقینی علم
ہے (اور ایسے قطعی اور یقینی امور میں عدم علم عذر نہیں ہوتا) اور یہ
علم و یقین ہر اس شخص کی تکفیر پر اعتقاد رکھنے کے لئے جو ان کبار
صحابہ کو کافر کہے کافی ہے، فرماتے ہیں اس استدلال کی تائید اس
حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا ان دونوں میں سے
ایک ضرور کافر ہوگیا (یعنی اگر وہ کافر نہیں ہے تو کہنے والا ضرور
کافر ہوگیا)۔''

صحیح مسلم میں ج:۱ ص:۵۷ پر اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''من دعا رجلًا بالکفر او قال: ''عدو اللّٰہ''

وليس كذالك الا حارَّ عليه." (مسلم ج:۱ ص:۵۷)

ترجمہ:...... ''جس شخص نے کسی مسلمان پر کافر ہونے کا اتہام لگایا یا ''اللہ کا دشمن'' کہا وہ خود کافر ہو گیا۔''

اس کے بعد سبکیؒ فرماتے ہیں:

''یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ (خارجی اور غالی شیعہ) اس جماعت پر کفر کا اتہام لگاتے ہیں جن کے مؤمن ہونے کا ہمیں قطعی اور یقینی علم ہے، لہٰذا واجب ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مطابق ان کو کافر کہا جائے اور یہ (کبار صحابہ کو کافر کہنے کی وجہ سے خارجیوں اور رافضیوں کو کافر کہنا) ایسا ہی ہے جیسے علماً (متفقہ طور پر) کسی شخص کو بت یا کسی اور چیز کو سجدہ کرتے دیکھ کر اس کو کافر کہتے ہیں، اگرچہ وہ صراحتاً اسلام سے انکار نہ بھی کرے، حالانکہ تمام علماً کفر کی تفسیر ''جحود'' (انکار) سے کرتے ہیں (گویا جحود دو طریق پر ہے، ایک قولی اور ایک فعلی، ساجد صنم کا فعل وعمل زبانی انکار کے مرادف اور ''جحود فعلی'' ہے، اسی طرح ان خارجیوں اور غالی شیعوں کا یہ عمل، تکفیر صحابہ ومؤمنین، بھی جحود فعلی ہے لہٰذا ان کو بھی کافر کہنا چاہئے) سبکیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حضرات غیر اللہ کو سجدہ کرنے والے کو کافر کہنے کا باعث ''اجماع'' کو قرار دیں (کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے والا کافر ہے) تو ہم کہتے ہیں کہ جیسے ساجد صنم کو زبان سے انکار کئے بغیر اجماع امت کی بنا پر کافر کہا جاتا ہے، ایسے ہی ان احادیث صحیحہ ''متواترہ'' کی بنا پر جو ان خوارج کے بارے میں آئی ہیں ان کو

کافر کہنا چاہئے اگرچہ یہ لوگ ان صحابہ کرامؓ کے کفر سے بری ہونے کا عقیدہ نہ بھی رکھتے ہوں جن کی تکفیر کرتے ہیں، (اجماع اور خبر متواتر دونوں یکساں طور پر قطعی حجت ہیں) اسلام پر اجمالی اعتقاد اور فرائض شرعیہ پر عمل ایسے ہی ان کو کفر سے نہیں بچاسکتا جیسے غیر اللہ کو سجدہ کرنے والے کا اسلام پر اجمالی اعتقاد اور فرائض شرعیہ پر عمل اس کو کفر سے نہیں بچاسکتا (حاصل یہ ہے کہ کفریہ اقوال وافعال کا ارتکاب مطلقاً موجب کفر ہے اگرچہ وہ شخص خود کو مسلمان کہتا ہو اور فرائض شرعیہ پر عمل بھی کرتا ہو)۔"

اہل قبلہ قصد وارادہ کے بغیر بھی کفریہ عقائد واعمال کی بنا پر اسلام سے خارج ہوسکتے ہیں:

حافظ علیہ الرحمۃ اسی صفحہ پر فرماتے ہیں کہ امام طبریؒ کا رجحان بھی "تہذیب الآثار" میں کچھ اسی طرف ہے، چنانچہ احادیث باب تفصیل سے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ احادیث ان لوگوں کے قول کی تردید کرتی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں داخل ہونے اور مسلمان کہلانے کے بعد اہل قبلہ میں سے کوئی فرد یا گروہ اس وقت تک اسلام سے خارج (اور کافر) نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ جان بوجھ کر اسلام سے نکلنے کا ارادہ نہ کرے، یہ قول بالکل باطل ہے اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی حدیث میں فرماتے ہیں:

"یقولون الحق ویقرؤن القرآن ویمرقون من الاسلام، لا یتعلقون منه بشیء."

ترجمہ:......''وہ حق بات زبان سے کہتے ہوں گے،
قرآن پڑھتے ہوں گے اس کے باوجود وہ اسلام سے نکل جائیں
گے اور ان کو اسلام سے کوئی علاقہ باقی نہ رہے گا۔''

قرآن کی مراد کے خلاف باطل تاویلیں اور حرام کو حلال قرار دینے والے کافر ہیں:

اس کے بعد طبریؒ فرماتے ہیں: ''اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ خوارج مسلمانوں کے جان و مال کو حلال سمجھنے کے مرتکب صرف ان باطل تاویلات کی بنا پر ہوئے ہیں، جو انہوں نے قرآن کی آیات میں اس کی اصل مراد کے برعکس کر رکھی تھیں، (لہٰذا وہ مسلمانوں کو کافر کہنے اور ان کے جان و مال کو حلال قرار دینے کے مرتکب ہو چکے ہیں، اس لئے وہ خود کافر ہو گئے، اگرچہ اسلام سے نکلنے کا قصد نہ بھی کیا ہو)۔''

اس کے بعد طبریؒ نے اپنے بیان کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ ذیل روایت بسند صحیح نقل کی ہے:

''وذكر عنده الخوارج وما يقولون عند قراءة القرآن فقال: يؤمنون بمحكمه ويهلكون عند متشابهه.''

ترجمہ:......''حضرت ابن عباسؓ کے سامنے خوارج کا اور قرأت قرآن کے وقت جو وہ تاویلیں کرتے ہیں ان کا ذکر آیا تو اس پر فرمایا کہ یہ لوگ قرآن کی محکم (واضح) آیات پر تو ایمان لاتے ہیں اور متشابہ (غیرواضح) آیات (کی باطل تاویلات) میں ہلاک ہوتے ہیں۔''

طبریؒ فرماتے ہیں: جو لوگ خوارج کو کافر کہتے ہیں ان کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث میں ان کے قتل کردینے کا حکم آیا ہے:

"فاینما لقیتموھم فاقتلوھم فان فی قتلھم اجرٌ لمن قتلھم یوم القیامة." (فتح الباری ج:۱۲ ص:۲۸۸)

ترجمہ:......"پس جہاں یہ تمہیں ملیں ان کو قتل کردو، بے شک جو شخص ان کو قتل کرے گا، قیامت کے دن ان کے قتل کرنے کا اجر پائے گا۔"

باوجودیکہ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں تصریح آچکی ہے کہ: "کسی بھی مسلمان کو قتل کرنا تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کے بغیر جائز نہیں، جن میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے دین کو چھوڑ دے اور جماعت المسلمین سے الگ ہوجائے (معلوم ہوا کہ خارجیوں کے قتل کردینے کا حکم اسی وجہ کے ذیل میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے دین کو چھوڑ دیا اور مسلمانوں سے الگ ہوگئے)۔

چنانچہ امام قرطبیؒ "المفھم" میں فرماتے ہیں:

"خارجیوں کے کافر ہونے کی تائید حدیث ابوسعید خدریؓ کی تمثیل سے بھی ہوتی ہے (جس کے مختلف طرق ص:۲۵۳ اور ۲۶۱ پر مذکور ہیں اور سابقہ حاشیہ میں ہم اس حدیث کو نقل کرچکے ہیں) اس لئے کہ اس تمثیل کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اسلام سے اس طرح صاف نکل جائیں گے اور ان کا اسلام سے ایسے ہی کوئی علاقہ باقی نہ رہے گا جیسے تیرانداز کا تیر اپنی تیز رفتاری اور تیرانداز کی قوت کی وجہ سے شکار کے جسم سے صاف نکل جاتا ہے اور اس کا کوئی اثر تیر پر باقی نہیں رہتا، چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی "علاقہ"

کے مطلقاً باقی نہ رہنے کو ان الفاظ سے ظاہر فرمایا ہے (دیکھو حدیث ابوسعید باب ''من ترک قتال الخوارج'' کے ذیل میں):

''سبق الفرث والدم.''

ترجمہ:...... ''وہ تیر شکار کے خون اور لید سے بھی صاف نکل گیا، (یعنی خون وغیرہ تک کا اس پر کوئی اثر نہیں، اسی طرح خوارج اسلام سے نکل جائیں گے کہ اسلام کا نام ونشان تک بھی ان میں نہ رہے گا)۔''

امت کو گمراہ یا صحابہ کو کافر کہنے والا کافر ہے، اسلام سے اس کا کوئی علاقہ نہیں:

چنانچہ قاضی عیاضؒ اسی حدیث کے ذیل میں ''شفا'' کے اندر فرماتے ہیں:

''اسی طرح ہم ہر اس شخص کے کافر اور اسلام سے خارج و بے تعلق ہونے کا قطعی یقین رکھتے ہیں جو کوئی ایسی بات کہے جس سے امت کی تضلیل یا صحابہؓ کی تکفیر ہوتی ہو۔''

مصنف ''الروضۃ'' نے کتاب ''الردۃ'' میں قاضی عیاضؒ کے اس قول کو نقل کیا ہے اور اس کی تائید بھی کی ہے۔

خوارج کے متعلق علمائے کلام کی احتیاط کوشی:

حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اہل سنت میں سے علمائے کلام (متکلمین) عام طور پر خارجیوں کو ''فاسق'' کہتے ہیں (کافر نہیں کہتے) اور یہ کہ کلمہ شہادت پڑھ لینے اور ارکان اسلام کی پابندی کرنے کی وجہ سے (وہ مسلمان ہیں اور) ان پر اسلام کے احکام جاری ہیں۔ فاسق

بھی صرف اس وجہ سے ہیں کہ انہوں نے ایک باطل تاویل کی بنا پر اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر قرار دے دیا اور ان کا یہ باطل عقیدہ ہی اپنے مخالفین کے جان و مال کو حلال اور مباح سمجھ لینے اور ان پر کفر و شرک کی شہادت دے دینے کا موجب ہوا ہے۔''

خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علمائے اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ خارجی اپنی مشہور و معروف گمراہی کے باوجود مسلمان فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے، اور ان سے شادی بیاہ کرنے اور ان کا ذبیحہ کھانے کو وہ جائز کہتے ہیں اور یہ کہ جب تک وہ اصل اسلام (یعنی توحید و رسالت، حیات بعد الموت کے عقیدہ) پر قائم ہیں اس وقت تک کافر نہ کہا جائے گا۔''

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ (تکفیر خوارج کا) مسئلہ متکلمین کے لئے سب سے زیادہ اشکال کا موجب بن گیا ہے، چنانچہ فقیہ عبدالحق نے جب امام ابوالمعالی سے اس مسئلہ کو دریافت کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر جواب دینے سے معذرت ظاہر کی کہ: کسی کافر کو اسلام میں داخل کردینا (اور مسلمان کہہ دینا) اور کسی مسلمان کو اسلام سے خارج کردینا (اور کافر کہہ دینا) دینی اعتبار سے بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔''

نیز قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں:

''ابوالمعالی سے پہلے قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی اس مسئلہ میں توقف کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ: ان خوارج

نے صراحتاً تو کفر کا ارتکاب نہیں کیا، ہاں! ایسے عقائد ضرور اختیار کیۓ ہیں جو کفر تک پہنچا دینے والے ہیں۔''

امام غزالی رحمہ اللہ ''**فیصل التفرقة بین الایمان والزندقة.**'' میں فرماتے ہیں:

''جہاں تک ہوسکے کسی کو کافر کہنے سے احتراز کرنا چاہیۓ، اس لئے کہ توحید کا اقرار کرنے والے نمازیوں کی جان و مال کو مباح (اور ان کو کافر) قرار دے دینا بہت بڑی غلطی ہے اور ہزارہا کافروں کو (مسلمان کہہ دینے اور ان کو) زندہ سلامت چھوڑ دینے میں غلطی کرنا، ایک مسلمان کو (کافر کہہ دینے اور اس کا) خون بہانے میں غلطی کرنے کے مقابلہ میں بہت آسان ہے۔''

مخالفین کے دلائل:

حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''خوارج کی تکفیر نہ کرنے والے علماً ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ تیسری (اور بخاری میں دوسری) حدیث(۱) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دین سے نکل جانے کو تیر کے شکار سے نکل جانے کے ساتھ تشبیہ دے کر فرمایا:

''**فیتماریٰ فی الفوقة هل علق بها شیء؟**''

ترجمہ:...... ''پس تیرانداز تیر کے سرے کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتا ہے کہ اس میں کچھ لگا بھی ہے؟ (یا نہیں، یعنی یہ تیر جسم سے نکلا بھی ہے یا نہیں؟ ایسے ہی ان لوگوں کے متعلق

(۱) یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ اس سے قبل حاشیہ میں نقل کی جا چکی ہے۔

شک ہوگا کہ یہ دین سے نکلے بھی ہیں یا نہیں؟)۔"

چنانچہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں:

"جمہور علماء کی رائے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: "فیتماریٰ في الفوقة." سے ثابت ہوتا ہے کہ خارجی مسلمانوں کی جماعت سے خارج (اور کافر) نہیں ہیں، اس لئے کہ "فیتماریٰ" شک کی دلیل ہے، اور جب ان کا کفر مشکوک ہوا تو ان کے اسلام سے خارج ہونے کا حکم قطعی طور پر کیسے لگایا جاسکتا ہے؟ اس لئے کہ جو شخص قطعی اور یقینی طور پر اسلام میں داخل ہوچکا وہ قطع و یقین کے بغیر اسلام سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔"

حضرت علیؓ کی روایت:

ابن بطالؒ فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے "اہل نہروان" (خوارج) کے کفر کے متعلق سوال کیا گیا (کہ کیا وہ کافر ہیں یا نہیں؟) فرمایا: "من الكفر فَرُّوا." (کفر سے تو وہ بھاگے ہیں) (یعنی انہوں نے اپنے خیال کے مطابق کفر سے بچنے کے لئے ہی مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کی ہے تو جو شخص کفر سے اس قدر بچتا ہو وہ کافر کیسے ہوجائے گا؟)۔

محدثین کی جانب سے جواب:

حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"اگر حضرت علیؓ کا یہ قول (اثر) از روئے سند صحیح ثابت ہو تو اس کو حضرت علیؓ کے خارجیوں کے ان کفریہ عقائد سے واقف نہ ہونے کے زمانے پر محمول کیا جائے گا جن کی بنا پر

تکفیر کرنے والوں نے ان کو کافر کہا ہے (یعنی حضرت علیؓ نے یہ اس وقت فرمایا ہوگا جبکہ ان کو ''نہروانیوں'' کے کفریہ عقائد کا علم نہ تھا، ورنہ وہ تو خود بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کو روایت کرتے ہیں اور اس میں ''فاقتلوهم فان في قتلهم اجرا لمن قتلهم.'' (۱) کی تصریح موجود ہے، اور اسی بنا پر انہوں نے خوارج سے خونریز لڑائیاں لڑی ہیں اور ان کو بے دریغ قتل کیا ہے)۔''

نیز حافظؒ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: ''فیتماریٰ في الفوقة.'' سے ان کے کفر کے مشکوک ہونے پر استدلال بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ جیسے بعض طرق حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں، ایسے ہی بعض طرق میں جیسا کہ ہم اس سے قبل ذکر کر چکے اور آئندہ بھی آئے گا: ''لم يعلق منه بشيء.'' (شکار کا خون وغیرہ مطلق لگا ہوا نہیں) اور بعض طرق میں: ''سبق الفرث والدم.'' (تیر شکار کے خون اور لید سے بھی صاف نکل گیا) بھی آیا ہے (جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ تیر پر مطلق کچھ لگا ہوا نہ ہونا بیان فرمانا چاہتے ہیں، نہ کہ ''شکار کے جسم سے نکلنے یا نہ نکلنے میں شک'' ظاہر کرنا) لہٰذا ان تینوں طریقوں کے (مذکورہ بالا) الفاظ کو جمع کرنے کی صورت یہی ہے کہ تیرانداز اول وہلہ میں تیر کو بالکل صاف دیکھ کر ''فوقہ'' کو شک و شبہ کی نظر سے

---

(۱) یہ الفاظ باب قتل الخوارج ... الخ کی پہلی حدیث میں موجود ہیں جو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

دیکھتا ہے کہ شکار کے بدن سے گزرا اور نکلا بھی ہے یا نہیں؟ اس کے بعد اسے یقین ہو جاتا ہے کہ (تیر شکار کے جسم سے گزرا اور نکلا تو ضرور ہے لیکن) اتنی تیزی سے گزرا ہے کہ اس کے سرے پر شکار کے خون، لید وغیرہ کا نام و نشان تک نہیں بالکل صاف نکل گیا)۔''

فرماتے ہیں:

''یہ بھی ممکن ہے کہ الفاظ حدیث کا اختلاف ان لوگوں کے اختلاف حال پر مبنی ہو (کہ بعض لوگ تو قطعی طور پر اسلام سے نکل گئے ہوں گے اور بعض کے متعلق شک ہوگا کہ اسلام سے ان کا کوئی علاقہ ہے یا نہیں؟ اور ''فیتماریٰ'' کے الفاظ پچھلے گروہ سے متعلق ہوں، اور ''لم یعلق'' اور ''سبق الفرث والدم.'' پہلے گروہ سے متعلق ہوں۔''

امام قرطبیؒ ''المفهم'' میں فرماتے ہیں: ''ازروئے حدیث خوارج کا کفر (بمقابلہ عدم کفر کے) زیادہ واضح ہے۔''

خوارج کو کافر کہنے اور نہ کہنے کا فرق:

اس کے بعد قرطبیؒ فرماتے ہیں:

''خوارج کو کافر کہنے کی صورت میں ان سے جنگ کی جائے گی اور قتل کیا جائے گا اور ان کے بیوی بچوں کو قیدی بنایا جائے گا، چنانچہ محدثین کے ایک گروہ کا مسلک اموالِ خوارج کے بارے میں یہی ہے اور کافر نہ کہنے کی صورت میں باغی مسلمانوں کا سا معاملہ ان کے ساتھ کیا جائے گا جو اسلامی

حکومت سے بغاوت کر کے لڑنے کے لئے مقابلہ پر آ جائیں (یعنی جو لڑتے ہوئے مارے جائیں گے وہ مارے جائیں گے اور جو بچ جائیں گے ان کو بغاوت کی سزا دی جائے گی یا معاف کر دیا جائے گا، امام کی رائے پر موقوف ہے)۔"

آگے فرماتے ہیں:

"لیکن ان میں سے جو لوگ کسی پوشیدہ گمراہی کو دل میں رکھتے ہوں گے اس کے منظر عام پر آ جانے کے بعد آیا ان سے توبہ کے لئے کہا جائے گا اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں ان کو قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ بلکہ ان کی گمراہی کے ازالہ اور تردید کی کوشش جاری رکھی جائے گی؟ اس کے بارے میں علماءؒ کے درمیان اسی طرح اختلاف ہے جیسے ان کو کافر کہنے اور نہ کہنے کے بارے میں (یعنی جو لوگ کافر کہتے ہیں وہ پہلی صورت کو اختیار کرتے ہیں اور قتل کا حکم دیتے ہیں اور جو کافر نہیں کہتے وہ دوسری صورت کو اختیار کرتے ہیں)۔"

لیکن فرماتے ہیں:

"تکفیر کا دروازہ بڑا خطرناک دروازہ ہے، اس سے احتراز اور سلامتی کے برابر ہمارے نزدیک کوئی چیز نہیں (یعنی جہاں تک ہو سکے اس سے احتراز کیا جائے)۔"

احادیث خوارج سے مستنبط فوائد و احکام:

ا:......قرطبیؒ فرماتے ہیں: ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم الشان پیشین گوئی اور صداقت کی دلیل بھی موجود ہے کہ ایک واقعہ کے پیش

آنے سے بہت پہلے آپ نے ہو بہو اس کی خبر دے دی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب خوارج نے اپنے مخالف مسلمانوں کے کفر کا اعلان کردیا تو ان کا خون بہانے کو بھی اپنے لئے حلال و مباح سمجھ لیا (اور بے دریغ خونریزی اور قتل و غارت شروع کردی) غیر مسلم ذمیوں (یہود و نصاریٰ) کی تو جان بخشی کردی کہ: ''یہ ذمی ہیں، ان سے ہم (جان و مال کی سلامتی کا) معاہدہ کرچکے ہیں، اس کو ضرور پورا کریں گے۔'' مشرکوں سے بھی قتل و قتال ترک اور جنگ بندی کردی (کہ یہ تو ہیں ہی کافر و مشرک ان سے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا) اور اپنے مخالف مسلمانوں سے خونریز لڑائیاں لڑنے (اور بے گناہ مسلمانوں کو قتل و غارت کرنے) میں مشغول ہوگئے (کہ ان سے دین کو نقصان پہنچتا ہے، گمراہی پھیلتی ہے، اس لئے کہ یہ مسلمان کہلاتے ہیں ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانا فرضِ عین ہے، العیاذ باللہ!) یہ ان جاہلوں کی انتہائی حماقت اور سیہ باطنی کی دلیل ہے جن کے قلوب علم و معرفت کے نور سے محروم اور تاریک تھے اور ان کے قدم ایمان و یقین کے کسی محکم مقام پر راسخ نہ تھے (اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی تھی: "يقرؤن القرآن ولا يجاوز حناجرهم.") اس کے ثبوت کے لئے یہی بہت کافی ہے کہ ان کے سرغنہ (ابن ذی الخویصرہ) نے خود صاحب شریعت علیہ السلام کے حکم کو ٹھکرایا اور العیاذ باللہ! آپؐ پر ظلم و جور کا بہتان لگایا تھا (جس پر حضرت عمرؓ اس کو قتل کرنے کے لئے تیار ہوگئے تھے) اللہ بچائے ایسی سرکشی اور گستاخی و بے باکی سے۔

۲:...... کفار و مشرکین کی بہ نسبت خوارج سے جنگ کرنا زیادہ ضروری ہے:

ابن ہبیرہؒ فرماتے ہیں: مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بہ نسبت کفار و مشرکین کے خوارج سے جنگ کرنا اور ان کے فتنہ کا استیصال کرنا زیادہ ضروری

ہے (اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: "اینما لقیتموھم فاقتلوھم فان فی قتلھم اجرا لمن قتلھم یوم القیامۃ.") اس کی حکمت یہ ہے کہ ان خارجیوں سے جنگ کرنا دین کے اصل سرمایہ (دین اور دیندار مؤمن) کی حفاظت کے لئے ہے اور کفار و مشرکین سے جنگ کرنا منافع کمانے (یعنی مسلمانوں کی تعداد بڑھانے اور غیر مسلموں کو مسلمان بنانے) کے لئے ہے (اور ظاہر ہے کہ اصل سرمایہ کی حفاظت منافع کمانے کی بہ نسبت زیادہ ضروری اور مقدم ہوتی ہے)۔

۳:......جن آیات کے ظاہری معنی اجماعِ امت کے خلاف ہوں ان میں تاویل ضروری ہے:

نیز اس حدیث سے ان تمام لائق تاویل آیات کے ایسے ظاہری معنی مراد لینے کی ممانعت بھی نکلتی ہے جو اجماع امت کے خلاف ہوں، (یعنی جن آیات میں صحیح تاویل کرکے اجماع امت کے موافق و مطابق بنایا جاسکتا ہے ان کے وہ ظاہری معنی مراد نہ لینے چاہئیں جو اجماع امت کے مخالف ہوں، مثلاً: "ان الحکم الا للہ." کے یہ معنی مراد لینا کہ اللہ کے سوا اور کسی کی حاکمیت درست نہیں، لہٰذا علیؓ بھی کافر اور واجب القتل ہیں اور معاویہؓ بھی، اس لئے کہ دونوں حاکمیت کے مدعی ہیں یا دونوں نے حَکَم کے فیصلہ کو مان لیا ہے، قطعاً غلط اور اجماع امت و نصوص قرآنیہ کے خلاف ہیں)۔

۴:......دینداری میں غلو خطرناک ہے:

نیز ان احادیث میں دینداری کے اندر اس غلو (حد سے تجاوز) کو اور عبادت میں اس نفس کُشی کو جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی خطرناک قرار دیا ہے، (چنانچہ خوارج کا یہی غلو تمام تر فساد اور کفر و خذلان کا سبب بنا ہے) اس لئے کہ صاحب شریعت علیہ السلام نے تو اس شریعت کو انتہائی سہل اور قابل عمل قرار دیا ہے،

اسی طرح کفار کے ساتھ سختی اور تشدد کی اور مؤمنین کے ساتھ رأفت و شفقت کی مسلمانوں کو دعوت دی ہے، لیکن ان خوارج نے (محض اپنے جہل اور غلو فی الدّین کی وجہ سے) بالکل اس کے برعکس کردیا تھا (کہ مؤمنین کے ساتھ ظلم وتشدد اور کفار کے ساتھ شفقت و رأفت کو اپنا شعار بلکہ جزوِ ایمان بنالیا تھا اور ریاضات شاقہ میں غلو کی وجہ سے دین کو انتہائی دشوار اور شریعت کو ناقابلِ عمل بنادیا تھا)۔

۵:.......امام عادل کے خلاف جو بغاوت اور جنگ کرے، اس سے جنگ کرنا ضروری ہے:

اسی طرح ان احادیث سے اس فرد یا جماعت سے جنگ کرنے کی اجازت بھی نکلتی ہے جو امام عادل کی طاعت کو بالائے طاق رکھ کر اس کے مقابلہ پر آمادۂ کارزار ہوجائے اور اپنے فاسد عقائد کی بنا پر قتل و غارت اور خونریزی شروع کردے، اسی طرح وہ فرد یا گروہ جو رہزنی اور غارتگری اختیار کرکے ملک میں فساد اور بدامنی پھیلادے اور لوگوں کے لئے گھروں سے نکلنا اور سفر کرنا خطرناک و ناممکن بنادے۔

ہاں! جو فرد یا گروہ کسی ظالم حکمراں کے ظلم و جور سے اپنی جان و مال اور اہل وعیال کو بچانے کی غرض سے بغاوت کرے وہ شرعاً معذور ہے، اس کے خلاف (ظالم حکمراں کی حمایت میں) جنگ نہ کرنی چاہئے، اس لئے کہ اس مظلوم کو حق پہنچتا ہے کہ وہ بقدر طاقت وقوت ظالموں سے اپنے جان و مال اور اہل وعیال کی حفاظت کرے، ''کتاب الفتن'' میں اس کا تفصیلی بیان آئے گا۔

چنانچہ طبریؒ نے بسند صحیح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ نے خوارج کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''اگر یہ لوگ امام عادل کے خلاف بغاوت اور جنگ کریں تو بے شک ان سے جنگ کرو اور اگر امام ظالم کے خلاف بغاوت اور جنگ کریں تو ان سے جنگ ہرگز نہ کرو، اس لئے کہ اس صورت

میں یہ شرعاً معذور ہیں۔“

حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”کربلا کے میدان میں حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی جنگ یزید سے اور ”حرہ“ (مدینہ) میں اہل مدینہ کی جنگ عقبہ بن مسلم کی فوج سے (جو یزید کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا) اور ”مکہ“ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی جنگ حجاج سے، نیز عبدالرحمٰن بن اشعث کے واقعہ میں قرأ قرآن کی جنگ حجاج سے، اسی قبیل سے ہیں (یعنی ظالموں کے خلاف ان کے ظلم و جور سے بچنے کے لئے لڑی گئی ہیں، یہ حضرات عنداللہ معذور تھے)۔“

۶:...... بلا قصد بھی مسلمان دین سے خارج (اور کافر ہوجاتا) ہے:

ابن ہبیرہؒ فرماتے ہیں: ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض مسلمان دین سے خارج ہونے کا قصد اور اسلام کے بجائے کسی اور دین کے اختیار کرنے کا ارادہ کئے بغیر بھی (محض اپنے کفریہ عقائد و اعمال کی بنا پر) دین سے خارج اور کافر ہوجاتے ہیں (یعنی کسی مسلمان کے کافر ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ قصداً اسلام کو چھوڑ کر کسی اور مذہب کو اختیار کرے، بلکہ کفریہ عقائد اور اقوال و اعمال کا اختیار کرلینا ہی اسلام سے خارج اور کافر ہوجانے کے لئے کافی ہے، حدیث خوارج میں ”یمرقون“ کا لفظ خاص طور پر اس کو ظاہر کرتا ہے)۔

۷:...... خارجی فرقہ سب سے زیادہ خطرناک ہے:

نیز ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے تمام گمراہ اور

باطل پرست فرقوں میں سب سے زیادہ خطرناک خارجی فرقہ ہے، یہ اسلام کے حق میں یہودیوں اور نصرانیوں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہیں(۱) (اس لئے کہ یہ اسلام کے نام پر کفر پھیلاتے ہیں)۔

حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن ہبیرہؒ کا یہ آخری استنباط اس قول پر مبنی ہے کہ خوارج مطلقاً کافر ہیں (گویا حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک بھی یہی قول راجح ہے)۔

۸:......حضرت عمرؓ کی منقبت:

نیز ان احادیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی منقبت نکلتی ہے کہ وہ دین کے معاملہ میں بہت سخت تھے (اس لئے کہ وہ ابن ذی الخویصرہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظلم و جور کی جانب منسوب کرتے ہی اس کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے)۔

۹:......کسی کے دین و ایمان کی تصدیق محض اس کے ظاہر کو دیکھ کر نہ کر دینی چاہیئے:

نیز ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی فرد یا فرقہ کی تعدیل (دین و ایمان کی تصدیق) میں محض اس کے ظاہری اقوال و اعمال پر اکتفا نہ کرنا چاہیئے، اگرچہ وہ عبادت و طاعت، دینداری و پرہیزگاری اور زہد و تقشّف میں انتہائی مقام پر کیوں نہ پہنچا ہوا ہو، جب تک کہ اس کے باطنی عقائد و اعمال اور اندرونی حالات کی

---

(۱) ہمارے زمانہ میں بھی اسلام اور قرآن کے نام پر کفر اور دین کا نام لے کر بے دینی پھیلانے والے افراد اور فرقے موجود ہیں اور نو بہ نو پیدا ہو رہے ہیں اور بڑی مشکل سے مسلمان ان کو اسلام سے خارج اور کافر جانتے اور مانتے ہیں، ان کی تکفیر اور بیخ کنی اتنی ہی ضروری ہے جتنی اُس زمانہ میں خوارج کی تکفیر اور بیخ کنی ضروری تھی، اور اس رسالہ کو اس وقت اردو ترجمہ اور شائع کرنے کا مقصد بھی یہی ہے، اللہ تعالیٰ اس سعی کو مشکور اور دین و دینداروں کو ان فتنوں سے محفوظ فرمائیں، آمین ثم آمین! از مترجم۔

تحقیق نہ کرلی جائے (اس وقت تک اس کے دین و ایمان کی تصدیق نہ کی جائے، درحقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد ہی اس حدیث سے امت کو متنبہ کرنا اور دھوکے میں پڑنے سے بچانا ہے)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ص:۲۴۷ باب "قتل من ابی قبول الفرائض" کے تحت حدیث "ردّت" کے ذیل میں ایمان و اسلام کے شرعاً معتبر ہونے کے لئے توحید و رسالت کے ساتھ ساتھ "جمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" پر ایمان لانے اور جملہ احکام شریعت کی پابندی کا اقرار کرنے کا ضروری ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں، تاکہ ثابت ہوجائے کہ کسی بھی فرض شرعی کا انکار موجب کفر ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کے سلسلہ میں جس کی تخریج امام بخاریؒ نے باب "قتل من ابی قبول الفرائض" کے ذیل میں کی ہے، اور ہم حاشیہ میں اس کو نقل کرچکے ہیں، فرماتے ہیں:

> "اس حدیث ردّت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص صرف "لا الٰہ الا اللہ" کہے اگرچہ اس پر (محمد رسول اللہ کا) اضافہ نہ بھی کرے اس کو قتل کرنا ممنوع ہے، لیکن کیا وہ صرف اتنا ہی کہنے سے مسلمان بھی ہوجائے گا؟ یہ محل بحث ہے، صحیح یہ ہے کہ وہ مسلمان تو نہ ہوگا مگر اس کے قتل سے باز رہنا واجب ہے، اس کے بعد تحقیق کی جائے اگر وہ اس کے ساتھ رسالت (محمد رسول اللہ) کی شہادت بھی دے اور تمام احکام شریعت کی پابندی کا اقرار بھی کرے تب اس کو مسلمان قرار دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں: "الّا بحق الاسلام." کے استثنائے سے اسی جانب اشارہ ہے (یعنی یہ استثنا اسی غرض سے ہے کہ اگر رسالت کی شہادت نہ دے یا کل یا بعض احکام شریعت کی پابندی کا اقرار نہ کرے تو "لا الٰہ الا اللہ" کہنے کے باوجود

کافر اور واجب القتل ہے)۔''

امام بغویؒ فرماتے ہیں:

''یہ کافر اگر بت پرست ہو یا دو خداؤں کا ماننے والا ہو (جیسے مجوسی کہ ''یزداں'' اور ''اہرمن'' دو خدا مانتے ہیں) تب تو صرف کلمہ توحید لا الہ الا اللہ پڑھ لینے پر ہی اس کو مسلمان قرار دے دیا جائے اور اس کے بعد تمام احکام شریعت کے ماننے اور اسلام کے سوا تمام مذاہب سے بے تعلقی کا اعلان کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اور اگر یہ کافر توحید کا تو قائل ہے مگر رسول اللہ کی نبوت کو نہیں مانتا (جیسے یہودی یا نصرانی) تو جب تک ''محمد رسول اللہ'' نہ کہے اس کو مسلمان نہ قرار دیا جائے گا، اور اگر اس کا عقیدہ یہ ہے کہ محمدؐ رسول تو ہیں مگر صرف اہل عرب کے لئے ہیں تو اس کے مسلمان قرار دینے کے لئے ''رسول اللہ'' کے ساتھ ''الی جمیع الخلق'' (تمام مخلوق کے لئے) کا اضافہ بھی ضروری ہے اور اگر کسی فرض شرعی کا انکار کرنے یا حرام کو حلال سمجھ لینے کی وجہ سے اس کو کافر قرار دیا گیا ہے تو اس کے مسلمان ہونے کے لئے اپنے اس عقیدہ سے تائب ہونے کا اعلان کرنا بھی ضروری ہے۔''

حافظؒ فتح الباری ج:۱۲ ص:۲۴۷ میں فرماتے ہیں:

''علامہ بغویؒ کے بیان میں ''یجبر'' کے لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ اگر وہ التزام احکام شرعیہ کا اقرار نہ کرے تو اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے (یعنی اس کو اسی حالت پر نہ چھوڑا جائے گا بلکہ اقرار نہ کرے تو مرتد قرار دے کر اس کو قتل کردیا

جائے گا) علامہ قفال نے اس کی تصریح کی ہے۔"

خوارج کے بارے میں امام غزالیؒ کی تحقیق:

حافظ علیہ الرحمۃ فتح الباری ص:۲۵۲ پر باب "قتل الخوارج" کے ذیل میں خوارج کے مختلف فرقوں اور ان کے عقائد کا حال تفصیل سے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"امام غزالی علیہ الرحمۃ "وسیط" میں دوسرے علما اسلام کا اتباع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حکم خوارج کے سلسلہ میں دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ان پر مرتد کا حکم لگایا جائے، دوسرے یہ کہ ان کو باغی مسلمان قرار دیا جائے، امام رافعیؒ نے اول صورت کو ترجیح دی ہے ...... مگر یہ ارتداد کا حکم ہر خارجی پر نہیں لگایا جاسکتا، اس لئے کہ خارجیوں کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ وہ ہے جو حکومت سے بغاوت بھی کرتا ہے اور اپنے باطل عقائد کے ماننے پر بھی لوگوں کو مجبور کرتا ہے، یہ وہی ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے (اور یقیناً کافر ہیں) دوسرا فرقہ وہ ہے جو اپنے عقائد کے ماننے پر کسی کو مجبور نہیں کرتا بلکہ حکومت حاصل کرنے کے لئے موجودہ حکومت کے خلاف بغاوت کرتا ہے، پھر اس دوسرے گروہ کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جماعت جن کی بغاوت کا محرک دین کی حمایت و صیانت اور خلق اللہ کو ظالم حکمرانوں کے جور و ستم سے نجات دلانے اور سنت رسول اللہ کو قائم کرنے کا جذبہ ہے، یہ حضرات اہل حق ہیں، انہی میں شہید کربلا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور "حرہ" (مدینہ) میں (مروانیوں

سے) جنگ کرنے والے اہل مدینہ اور (حجاج سے جنگ کرنے والے) ''قرأ'' داخل ہیں (ان کو یقیناً کافر و مرتد نہیں کہا جاسکتا، یہ تو غازی اور مجاہد فی سبیل اللہ ہیں) دوسری قسم وہ جماعت ہے جو صرف ملک گیری کے جذبہ کے تحت (حکومت وقت سے) بغاوت کرتی ہے خواہ کوئی مذہبی گمراہی ان میں پائی جائے، خواہ نہیں، یہ یقیناً باغی ہیں، کتاب الفتن میں انشا اللہ ان کا حکم بیان کیا جائے گا۔''

اجماعِ امت کا مخالف کافر اور دین سے خارج ہے:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ فرائض و احکام شرعیہ، جن کا انکار کرنے سے ایک مسلمان کافر و مرتد ہوجاتا ہے، ان کا ''متواتر'' ہونا ضروری نہیں، بلکہ ''مجمع علیہ'' عقائد و اعمال کا منکر بھی کافر و مرتد ہے، ج:۱۲ ص:۱۷۷ پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث: "**لا یحل دم امرأ مسلم ... الخ.**" کے ذیل میں "**التارک لدینه المفارق للجماعة.**" کی شرح کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> ''ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ "**المفارق للجماعة**" سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اجماع امت کا مخالف ہو، اس صورت میں اس سے وہ لوگ استدلال کرسکیں گے جو اجماع کی مخالفت کرنے والے کو کافر کہتے ہیں، چنانچہ بعض علماً کی جانب یہ استدلال منسوب بھی ہے لیکن یہ استدلال کچھ واضح نہیں، اس لئے کہ بعض اجماعی مسائل تو بطور ''تواتر'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت

ہیں، مثلاً نماز کا فرض ہونا، لیکن بعض اجماعی مسائل از روئے سند ''متواتر'' نہیں ہوتے، قسم اول کا منکر تو بے شک کافر ہے، اس لئے کہ وہ ایک امر متواتر کا منکر ہے، اس لئے کہ اجماع امت کا مخالف ہے، لیکن قسم دوم کا منکر کافر نہ ہوگا (اس لئے کہ وہ کسی امر متواتر کا منکر نہیں ہے) چنانچہ ہمارے استاذ (حافظ عراقی) رحمۃ اللہ علیہ ''شرح ترمذی'' میں فرماتے ہیں کہ:

''صحیح یہ ہے کہ منکر اجماع کو صرف اس صورت میں کافر کہا جائے گا جبکہ وہ کسی ایسے امر اجماعی کا انکار کرے جس کا وجوب قطعی طور پر دین سے ثابت ہو، مثلاً صلوات خمسہ کا منکر۔''

بعض علما نے اس سے زیادہ محتاط تعبیر اختیار کی ہے اور کہا ہے کہ جس امر اجماعی کا ''وجوب'' تواتر سے ثابت ہو، اس کا منکر کافر ہے۔ حدوث عالم کا عقیدہ بھی اسی میں داخل ہے، چنانچہ قاضی عیاضؒ وغیرہ علمائے دین نے عالم کے قدیم ہونے کا عقیدہ رکھنے والے کے کفر پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔''

شیخ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس مقام پر (مسئلہ حدوث عالم کے باب میں) بعض ایسے بزرگوں کے قدم پھسل گئے ہیں جو علوم عقلیہ میں مہارت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ فلسفہ یونان کی طرف مائل ہیں، ان کا خیال ہے کہ جو حدوث عالم کا منکر ہو اس کو کافر نہ کہا جائے، اس لئے کہ اس میں صرف ''اجماع'' کی مخالفت ہے، اور اہل سنت کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ: ''اجماع کا مخالف مطلقاً کافر نہیں بلکہ جو

اجماعی مسائل بطور تواتر صاحب شریعت سے ثابت ہوں صرف ان کا مخالف کافر ہوتا ہے۔'' (اور حدوث عالم ان کے خیال میں صاحب شریعت سے بطور تواتر ثابت نہیں ہے) شیخ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں یہ استدلال ساقط اور ناقابل التفات ہے، یا بصیرت ایمانی سے محرومی اس کا محرک ہے، یا جان بوجھ کر حقیقت سے آنکھیں بند کر لینا اس کا باعث ہے، اس لئے کہ حدوث عالم ایک ایسا عقیدہ ہے جس پر امت کا اجماع بھی ہے اور از روئے سند متواتر بھی ہے (لہٰذا اس کا منکر یقیناً کافر ہے)۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ص:۱۸۰ پر اس بحث کو اس پر ختم کرتے ہیں کہ:

''اجماع کا مخالف ''مفارق للجماعة'' میں داخل (اور کافر) ہے۔''

حافظ ابن حجرؒ کے مذکورہ بالا اقتباسات سے جو امور منقح ہوتے ہیں ان کا بیان

اور مصنفؒ کی ان پر تنبیہ اور دوسرے مآخذ سے مزید تائید

اول: خوارج وملحدین کی تکفیر کے بارے میں امام بخاریؒ کی رائے:

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ''خوارج'' کے ان بعض فرقوں کی تکفیر کی جانب مائل ہیں جو مستحق تکفیر ہیں، چنانچہ وہ اپنی کتاب ''خلق افعال العباد'' میں اس کی تصریح کرتے ہیں، نیز حق کو منوا دینے اور توبہ کرانے کے بعد (بھی اگر وہ باز نہ آئیں تو) ان کو کافر اور واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ اور یہ ان سے منوانا بھی واجب اور ضروری نہیں ہے بلکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ ان کو حق کے قبول کرنے پر مجبور و مضطر کر دیا جائے، یعنی انسان کی قدرت سے باہر ہے کہ وہ کسی منکر حق کے دل میں اس طرح یقین و ایمان پیدا کر دے اور حق کو دل میں اتار دے کہ اس کے بعد بس عناد اور سینہ زوری کے علاوہ اور کوئی مرتبہ باقی نہ رہے، جیسا کہ ان سطحی عقل والوں کا زعم ہے جو ائمہ دین کے اقوال و کتب کے علم و مطالعہ سے محروم ہیں، اور انہوں نے اپنے اس خیال کی بنیاد صرف اس زمانہ کی رائج آزادیٔ فکر و رائے (۱) اور عقلی حسن و قبح پر رکھی ہے (یعنی ان کے نزدیک حق و باطل کا معیار عقل انسانی ہے

(۱) اسی نظریہ کی بنا پر آج ہر معمولی اردو داں بھی علی الاعلان .... (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جس کو انسان کی عقل حق کہے وہ حق ہے، اور جس کو باطل کہے وہ باطل اور آزادیٔ فکر اور رائے کی بنا پر کوئی کسی کا پابند نہیں اور نہ کوئی کسی کو اسلام سے خارج و کافر قرار دے سکتا ہے، ان لوگوں کے نزدیک کسی منکرِ حق کو جب تک کہ وہ خود قائل نہ ہو جائے، اسلام سے خارج، کافر اور مستحق سزا قرار دینا درست نہیں)۔

چنانچہ مرتد کے بارے میں علمائے مذاہب اربعہ کا فیصلہ یہی ہے کہ مرتد سے توبہ کرائی جائے، اس کے شبہ کو (جو باعث ارتداد ہے) دور کیا جائے، یعنی اس کے سامنے ایسے دلائل بیان کئے جائیں جو اس کے شبہ کو دور کرنے کے لئے کافی ہوں، نہ یہ کہ کوئی خواہی نخواہی اس کے دل میں حق کا یقین اتار دے اور اس کے ماننے پر اس کو مجبور کردے، اس کے بعد بھی اگر وہ باز نہ آئے تو اس کو کفر کی بنا پر قتل کردیا جائے۔

شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ ''مسایرہ'' میں ص:۲۰۸ طبع جدید مصر، پر ایسے امر قطعی کے انکار کے بارے میں جو ضروری (متواتر) نہ ہو، فرماتے ہیں:

> ''مگر یہ کہ اہل علم اس منکر کو سمجھائیں اور بتلائیں کہ یہ قطعی (یقینی) امر ہے، اس پر بھی اگر وہ (انکار پر) اڑا رہے تو اس کو کافر قرار دے کر قتل کردینا جائز ہے۔''

(گزشتہ سے پیوستہ) فہم قرآن کا مدعی ہے اور اپنی عقل و فہم کے معیار پر قرآن کی مراد متعین کرنے میں مصروف اور مصر ہے، اور دین کے قطعی اور یقینی احکام میں نہایت آزادی کے ساتھ تاویلیں اور تحریفیں کر رہا ہے، نہایت بے باکی سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر رہا ہے اور مدعی ہے کہ اسلام یہی ہے جو میں نے سمجھا ہے اور میں کہتا ہوں۔ حالانکہ علوم قرآن و حدیث اور اصولِ دین و مذہب سے بالکل کورا اور جاہل محض ہے، قرآن و حدیث اور علوم دینیہ کی زبان عربی تک سے قطعاً ناآشنا ہے اور علما اگر اس کے خلاف لب کشائی کرتے ہیں تو برملا کہتا ہے کہ: ''قرآن صرف علما کے لئے نہیں اترا ہے اور مولوی ہی دین کے ٹھیکہ دار نہیں ہیں، ہم ان کی پیروی کیوں کریں؟ ہمیں بھی خدا نے عقل و فہم دی ہے۔'' غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی: ''اعجاب كل ذی رأی برأيه.'' اس زمانہ میں پوری پوری صادق آرہی ہے، اعاذنا اللہ منہ! از مترجم۔

حمویؒ نے کتاب ''الجمع والفرق'' میں امام محمد رحمہ اللہ کا اور ''البحر الرائق'' میں امام ابویوسف رحمہ اللہ کا جو قول ''فرقہ جاہلہ'' کی تعلیم کے ذیل میں اور ''فتاویٰ ہندیہ'' (عالمگیری) میں ج:۱ ص:۲۶۹ پر کتاب ''الیتیمہ'' سے نماز کے متعلق جو قول نقل کیا ہے، ان تمام اقوال سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مخالف کے سامنے دلائل بیان کردینا اور اس کے شکوک وشبہات کا ازالہ کردینا کافی ہے، اس کے دل میں حق کو اتار دینا اور منوادینا ضروری نہیں کہ یہ انسانی قدرت سے باہر ہے۔

اب آپ ''صحیح بخاری'' کے تراجم لیجئے اور دیکھئے کہ ہم نے امام بخاریؒ کے جس رجحان کا دعویٰ کیا ہے (وہ کس طرح ظاہر و ثابت ہے) ''صحیح بخاری'' میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

''باب قتل الخوارج والملحدین بعد اقامة الحجة علیهم وقوله تعالیٰ: وما کان الله لیضل قوما بعد اذ هدٰیهم حتی یبین لهم ما یتقون.'' (ج:۲ ص:۱۰۲۴)

ترجمہ:...... ''خارجیوں اور ملحدوں پر حجت قائم کردینے کے بعد ان کے قتل کردینے کا بیان اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے اس کا ثبوت: اور اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ بعید ہے کہ کسی قوم کو وہ ہدایت کردینے (اور راہ حق دکھادینے) کے بعد گمراہ کردے، یہاں تک کہ ان پر وہ طریقے واضح فرمادے جن سے وہ (گمراہی سے) بچ سکیں۔''

اس کے بعد وہ دوسرا باب ان ''اعذار'' کو بیان کرنے کے لئے قائم کرتے ہیں جن کی بنا پر ان لوگوں کے قتل کو ترک کیا گیا، جہاں بھی ترک کیا گیا اور فرماتے ہیں:

''باب من ترک قتال الخوارج للتألف ولئلا

ینفر الناس منه." (ج:۲ ص:۱۰۲۴)

ترجمہ:...... ''خوارج سے جنگ ترک کرنے کا بیان تالیف قلب کی غرض سے، اور اس لئے کہ لوگ اسلام سے نفرت نہ کرنے لگیں۔''

اس کے بعد تیسرا باب ص:۱۰۲۵ پر ''تاویل'' پر قائم کرتے ہیں (کہ کون سی تاویل معتبر اور مؤثر ہے اور کون سی نہیں) فرماتے ہیں:

''باب ما جاء فی المتأوّلین.'' (تاویل کرنے والوں کا بیان)۔

واضح ہو کہ اس تاویل سے ''خوارج'' کی تاویلوں جیسے تاویلیں کرنے والے مراد نہیں ہیں، اس لئے کہ ''خوارج'' کے متعلق تو باب پہلے قائم ہی کر چکے ہیں (جس سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ کے نزدیک خوارج متأوّلین میں داخل ہی نہیں اور ان کی تاویل معتبر نہیں، یعنی ان کو کفر اور قتل سے نہیں بچاسکتی) بلکہ صاحب ''فتح الباری'' کے الفاظ میں: ''ان سے وہ تاویلیں مراد ہیں جن کی کلام اہل عرب میں گنجائش ہو اور ازروئے علم دین ان کے لئے وجہ جواز و صحت موجود ہو۔'' (فتح الباری ج:۱۲ ص:۲۷۰) چنانچہ حافظ ابن حجرؒ کے شاگرد رشید شیخ الاسلام زکریا انصاری ''تحفۃ الباری'' شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

''ولا خلاف ان المتأول معذور بتأويله اذا كان تأويله سائغا.''

ترجمہ:...... ''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ تاویل کرنے والا اپنی تاویل کی وجہ سے معذور (اور جاہل) سمجھا جائے گا، بشرطیکہ کلام عرب میں اس تاویل کی گنجائش ہو۔''

لہٰذا معلوم ہوا کہ اس سے مطلق تاویل (چاہے کلام عرب میں اس کی گنجائش

ہو، چاہے نہ ہو) مراد نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ محض تاویل (خواہ کیسی ہی ہو) موّول کو قتل سے نہیں بچاسکتی بلکہ کفر سے بھی نہیں بچاسکتی (جیسا کہ حکم خوارج سے ظاہر ہے)۔

ثانی: کسی بھی قطعی امر کا انکار کفر ہے، اگرچہ منکر اس کے قطعی ہونے کو نہ بھی جانتا ہو:

کسی بھی قطعی (یقینی) امر کا انکار کفر ہے، اور یہ بھی شرط نہیں کہ اس کے قطعی ہونے کو وہ جانتا ہو، پھر انکار کرے اور تب ایک قطعی امر کا (جان بوجھ کر) انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہو، جیسا کہ بعض وہم پرستوں کا توہم ہے بلکہ اس امر کا فی الواقع قطعی ہونا شرط ہے (خواہ منکر کو اس کا علم ہو یا نہ ہو) ایسے واقعی امر قطعی کا جو شخص بھی انکار کرے گا (کافر ہوجائے گا) اس سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا اگر توبہ کرلی تو فبہا ورنہ کفر کی بنا پر اس کو قتل کردیا جائے گا، اور بقول شاعر:

ولیس وراء اللہ للمرء مذھب!

ترجمہ:...... ''انسان کے لئے اللہ (پر ایمان لانے اور اس) سے ڈرنے کے سوا کوئی راہ نہیں۔''

(ایک کافر و مرتد کے لئے بھی توبہ کے سوا اور کوئی راہ (نجات) نہیں) یہ تنقیح شیخ تقی الدین سبکیؒ کے بیان سے بھی جس کو حافظؒ نے ج:۱۲ ص:۲۶۷ پر نقل کیا ہے، مستنبط ہوتی ہے۔

ثالث: کسی اہل قبلہ کے اسلام سے خارج اور کافر ہونے کے لئے تبدیل مذہب کا قصد ضروری نہیں:

حافظ ابن حجرؒ کا مذکورہ بالا بیان ان لوگوں کے قول کی بھی تردید کرتا ہے جو

کہتے ہیں کہ: ’’اسلام میں داخل ہونے اور مسلمان کہلانے کے بعد کسی اہل قبلہ مسلمان کو اس وقت تک کافر نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ وہ خود جان بوجھ کر اسلام سے نکلنے (اور مذہب تبدیل کرنے) کا ارادہ نہ کرے۔‘‘

یہ تنقیح حافظؒ کے ج:۱۲ ص:۲۶۷ پر نقل کردہ طبریؒ کے بیان سے، نیز قرطبیؒ کے بیان کے آخری حصہ سے بھی نکلتی ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مذکورہ ذیل بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، وہ ’’الصارم المسلول‘‘ کے ص:۳۶۸ پر (مرتد کی توبہ کے معتبر نہ ہونے کے ذیل میں) فرماتے ہیں:

> ’’غرض یہاں یہ ہے کہ جیسے ارتداد سبّ وشتم کے بغیر بھی متحقق ہوسکتا ہے اسی طرح تبدیل مذہب کے قصد اور تکذیبِ رسول کے ارادہ کے بغیر بھی متحقق ہوسکتا ہے (یعنی کسی بھی موجب ارتداد قول وفعل کا ارتکاب انسان کے مرتد ہوجانے کے لئے کافی ہے، قصد و ارادہ کا مطلق دخل نہیں) جیسے کہ ابلیس ’’انکارِ ربوبیت‘‘ کا قصد کئے بغیر (محض آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار و استکبار کی وجہ سے) کافر ہوگیا (حالانکہ ’’یا رب‘‘ کہہ رہا ہے) اگرچہ اس قصد (تبدیل مذہب و ارادۂ تکذیبِ رسول) کا نہ ہونا اس شخص کے لئے ایسا ہی مفید نہیں جیسا کلمہ کفر کہنے والے کے لئے قصد کفر کا نہ ہونا مفید نہیں (یعنی جیسے کلمہ کفر کا زبان سے کہنا ہی موجب کفر ہے، خواہ کہنے والا کافر ہونے اور مذہب تبدیل کرنے کا قصد و ارادہ کرے یا نہ کرے، ایسے ہی محض زبان سے موجب ارتداد کلمہ کا کہنا ہی مرتد ہونے کے لئے کافی ہے، تبدیل مذہب کے قصد اور تکذیب رسول کے

ارادہ کی نہ ضرورت ہے نہ کوئی فائدہ)۔''

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''(علاوہ ازیں) اس شخص نے (موجب ارتداد قول یا فعل کا ارتکاب کرکے) محض اعتقاد کی تبدیلی کا اظہار نہیں کیا کہ دوبارہ اس عقیدہ کی جانب رجوع کرلینے (اور توبہ کرنے) سے اس کی جان و مال محفوظ ہوجائے (اور پاداش ارتداد یعنی قتل سے بچ جائے) بلکہ یہ توہین دین اور ایذأ مسلمین کا مرتکب ہوا ہے (اس کی سزا اس کو ضرور دی جائے گی) اور یہ قول (یعنی زبان سے کلمہ ارتداد کہنا) تغیر اعتقاد کے لئے لازم بھی تو نہیں (ہوسکتا ہے کہ اعتقاد نہ بدلا ہو اور محض ایذأ مسلمین کے لئے یہ کلمہ کہتا ہو یا اعتقاد بدل جائے اور زبان سے اظہار نہ کرے) تاکہ اس قول (کلمہ ارتداد) کا حکم تغیر اعتقاد کے حکم کی مانند ہوجائے (اور توبہ قبول کرلی جائے، درحقیقت موجب ارتداد قول یا فعل کا ارتکاب بجائے خود ارتداد اور اس کی پاداش میں قتل کو موجب ہے، اعتقاد کی تبدیلی کا اس میں کچھ دخل نہیں)۔''

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''اور اس جہت سے کہ اس شخص کے متعلق یہ گمان کیا جاسکتا ہے یا کہا جاسکتا ہے کہ: ''اعتقاد برقرار ہونے کے باوجود ایسا کلمہ زبان سے نکل جاتا ہے۔'' تو پھر ایسے شخص سے یہ بھی کلمہ ارتداد سرزد ہوسکتا ہے جو ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہونے کا ارادہ نہ کرے (تو اس کو بھی مرتد اور واجب القتل نہ کہنا چاہئے) اور ظاہر ہے کہ اس کا فساد قصداً تبدیل

مذہب کے فساد سے بہت زیادہ ہے، اس لئے کہ تبدیل مذہب کو
تو وہ جانتا ہے کہ یہ کفر ہے، لہٰذا کفر کے نتائج بد اس کو تبدیل
مذہب سے باز رکھیں گے اور اس (زبان سے کلمہ کفر و ارتداد
کہنے) کو وہ اس وقت تک کفر (و ارتداد) نہیں سمجھتا جب تک
حلال جان کر سرزد نہ ہو، بلکہ اس کو وہ صرف معصیت سمجھتا ہے،
حالانکہ یہ سب سے بڑا کفر ہے (حاصل یہ ہے کہ اگر زبان سے
کلمہ ارتداد و کفر کہنے والے کی تکفیر و حکم ارتداد لگانے میں تبدیل
مذہب کے قصد و ارادہ کی شرط کو معتبر مان لیا جائے گا تو ایک عظیم
تر کفر یعنی توہین دین و ایذأ مسلمین کا دروازہ کھل جائے گا اور
زبان سے کلمہ ارتداد و کفر کہنے کا خوف دلوں سے نکل جائے
گا)۔''

حافظ ابن تیمیہؒ کی اس تحقیق کو نقل کرنے کے بعد حضرت مصنف نور اللہ مرقدہ، حافظ ابن حجرؒ کے اس فیصلہ کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا حدیث میں لفظ ''مروق'' کا مطلب یہی ہے کہ وہ دین سے نکل جائیں گے اور ان کو پتہ بھی نہ چلے گا، اس لفظ کے لغوی معنی کا تقاضہ اور حق بھی یہی ہے (یعنی ''مروق'' اور ''خروج'' میں فرق ہی یہ ہے کہ ''مروق'' ایسے نکل جانے کو کہتے ہیں کہ نکلنے کا احساس نہ ہو اور نکل جائے۔ بخلاف ''خروج'' کے کہ اس میں یہ شرط معتبر نہیں ہے، لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ''خروج'' کے بجائے ''مروق'' سے تعبیر کرنے میں اسی کی جانب اشارہ ہے کہ وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ ہم دین سے خارج ہوگئے، چنانچہ ''مروق سہم'' کی تمثیل اور اس کی تفصیل بھی اسی امر کی نشاندہی کرتی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ دین سے نکل جانے اور کافر ہوجانے کے لئے تبدیل مذہب کا قصد یا

اس کا علم ہونا ضروری نہیں ہے)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

اور جو لوگ تکفیر میں قصد و ارادہ کا اعتبار کرنے کے قائل ہیں، ممکن ہے وہ اس کے بھی قائل ہوں کہ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اگر معاند نہ ہوں تو ہلاک (یعنی مخلد فی النار) نہ ہوں گے، (اس لئے کہ وہ اسلام کی تکذیب کا قصد نہیں کرتے)، چنانچہ بعض علماؒ کی جانب یہ قول منسوب بھی ہے، حالانکہ قاضی ابوبکر باقلانیؒ فرماتے ہیں کہ: ''یہ قول سراسر کفر ہے۔'' جیسا کہ قاضی عیاضؒ ''شفا'' میں ذکر فرماتے ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس (قصد و ارادہ کا اعتبار کرنے والے) قائل کی دلیل اگر بالفرض ثابت ہوجائے تو یقیناً عام ہوگی اور ان تمام لوگوں کو شامل ہوگی جو معاند نہ ہوں، خواہ مسلمان ہوں، خواہ غیر مسلم، (حالانکہ یہ قطعاً غلط اور باطل ہے اس لئے کہ غیر مسلم خواہ معاند ہو، خواہ نہ ہو، یقیناً کافر اور مخلد فی النار ہے، جیسا کہ نصوصِ شرعیہ سے ثابت ہے، لہٰذا کلمہ کفر کہنے والے کی تکفیر میں قصد و ارادہ کا اعتبار کرنا سراسر غلط ہے)۔

رابع و خامس: تکفیر خوارج کے متعلق مصنفؒ کا فیصلہ اور ''خوارج'' کا مصداق:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: حافظ رحمہ اللہ کا ان لوگوں کے دلائل کا جواب دینا جو خوارج کی تکفیر کے قائل نہیں ہیں اور اس کے بعد خود ان کو دو قسموں پر تقسیم کرنا، ایک وہ جو کافر ہیں، اور ایک وہ جو کافر نہیں ہیں، اور ''وسیط'' سے امام غزالی رحمہ اللہ کا بیان اس کی تائید میں نقل کرنا، ثابت کرتا ہے کہ اگر حافظؒ مطلقاً تکفیر خوارج کے قائل نہ بھی ہوں تب بھی وہ عدم تکفیر کے دلائل کا جواب دے رہے ہیں (جس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ دلائل عدم تکفیر کے ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں)۔

مصنف علیہ الرحمۃ خود فیصلہ کرتے ہیں:

حق یہ ہے کہ جو لوگ کسی امر متواتر کا انکار کریں ان کی تکفیر کی جائے گی اور جو کسی امر متواتر کا انکار نہ کریں ان کو کافر نہ کہا جائے گا، نیز یہ بھی حق ہے کہ ''یمرقون'' والی حدیث کا مدلول یہ ہے کہ فرقہ مارقہ (دین سے غیر محسوس طریق پر نکل جانے والا فرقہ) ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب ہے(۱) اور اس (تکفیر خوارج کے) مسئلہ میں صریح تر روایت جو مجھے ملی ہے وہ ''سنن ابن ماجہ'' کی ابوامامہؓ سے روایت ہے، جس میں تصریح ہے:

''قد كان هؤلاء مسلمين فصاروا كفارًا.'' (یہ لوگ مسلمان تھے اس کے بعد کافر ہوگئے)۔

راوی کہتا ہے: ''میں نے کہا: اے ابوامامہ یہ تمہاری اپنی رائے ہے؟'' ابوامامہؓ نے کہا: ''نہیں! بلکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔''

حافظ محمد بن ابراہیم یمانی ''ایثار الحق'' میں ص:۴۲۱ پر فرماتے ہیں: ''اس حدیث کی سند صحیح ہے۔'' امام ترمذیؒ نے بھی اس روایت کو مختصراً روایت کیا ہے اور تحسین کی ہے، امام طحطاویؒ اور ابن عابدینؒ (علامہ شامی) وغیرہ بعض فقہاؒ نے ج:۱ ص:۵۲۴ پر مسئلہ امامت کے ذیل میں خوارج کی تفسیر ان لوگوں سے کی ہے جو اہل سنت کے عقائد سے خارج اور منکر ہیں (اور ان میں معتزلہ، شیعہ وغیرہ تمام فرق باطلہ کو شامل قرار دیا ہے)۔

''خوارج'' کے مصداق کی تعمیم کو ثابت کرتے ہوئے حضرت مصنف رحمۃ

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل آیات کے تحت ''موضح القرآن'' کی مراجعت کیجئے: ۱:''هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ.'' ۲:''وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ.'' ۳:''لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ.'' ۴:''وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللهِ وَرُسُلِه.'' از مصنفؒ۔

اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نسائیؒ نے ابو برزہ اسلمیؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (صدقہ کا) کچھ مال آیا، آپؐ نے اس کو تقسیم فرمادیا، اس کے بعد (ابن ذی الخویصرہ کے اعتراض کرنے پر) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''آخر زمانہ میں ایک قوم نمودار ہوگی (اس شخص کے قول وفعل سے ظاہر ہوتا ہے کہ) گویا یہ شخص بھی انہی میں سے ہے جو قرآن پڑھتے ہوں گے، مگر قرآن (صرف ان کی زبانوں پر ہوگا) ان کے حلقوم سے تجاوز نہ کرے گا (یعنی دل اس کے معانی ومطالب سے ناآشنا ہوں گے)۔'' آخر میں آپؐ نے فرمایا: ''یہ لوگ برابر نمودار ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ ان میں کا آخری شخص مسیح دجال کے ساتھ نمودار (اور اس کا ہمنوا) ہوگا۔'' (اس روایت سے خوارج کا کفر بھی ثابت ہوتا ہے اور ان کی تشخیص بھی ہوتی ہے کہ: ''وہ غیر محسوس طریق پر اسلام سے خارج ہوجائیں گے، ان کی زبانوں پر قرآن کی آیات ہوں گی مگر دل تعلیمات قرآن سے کورے ہوں گے۔'' لہٰذا جس طرح خوارج کافر اور دین سے خارج ہیں ایسے ہی جو بھی افراد یا فرقے ان صفات کے ساتھ متصف ہوں وہ کافر اور دین سے خارج ہیں، نیز یہ کہ ایسے لوگ ہر زمانہ میں پیدا ہوتے رہیں گے، حتیٰ کہ دجال کے علمبردار بھی یہی لوگ ہوں گے)۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے ''الصارم المسلول'' میں ص:۱۷۷و۱۷۸ پر ''سنة رابعة عشر.'' کے ذیل میں خوارج کے کافر ہونے کی تصریح فرمائی ہے، اور وہاں ان تمام دلائل و اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں جو اس سلسلہ میں وارد ہوتے ہیں، نیز ''پندرہویں حدیث'' کا بھی جواب دیا ہے (دیکھئے ''الصارم'' صفحہ مذکور)۔

نیز فرماتے ہیں کہ: ابو برزہ اسلمیؓ کی مذکورہ بالا روایت کے شواہد ''کنز العمال'' ج:۶ ص:۶۸ میں، اور ''مستدرک حاکم'' ج:۴ ص:۴۸ میں موجود ہیں۔

سادس: خوارج کی طرح اس زمانہ کے ملحدین کی تکفیر بھی غیر مسلموں کی بہ نسبت زیادہ ضروری ہے:

''مشرکین کی بہ نسبت خوارج کے ساتھ جنگ کرنا زیادہ اہم اور ضروری ہے۔'' یہ ابن ہبیرہؒ کا بیان ہے، فرماتے ہیں: میرے نزدیک بالکل اسی طرح اس زمانہ میں معاندوں (اسلام کے کھلے دشمنوں یعنی غیر مسلموں) کی بہ نسبت ملحدوں اور باطل تاویلیں کرنے والوں کی تکفیر زیادہ اہم اور ضروری ہے، اس لئے کہ مؤوّل کی تاویل کو تو لوگ عین دین قرار دے لیتے ہیں، جیسا کہ اس لعین (دجال قادیان) کے پیروؤں نے اس کی باطل تاویلوں کو ہی دین سمجھ رکھا ہے (اور ''مرزائیت'' اس کا نام ہے) بخلاف اس مخالف اسلام شخص کے جو علانیہ اور بالقصد اسلام کا مخالف اور دشمن ہے (کہ اس کو سب دین کا مخالف اور دشمن جانتے ہیں اور اس کی کسی بات کو دین نہیں سمجھتے، اس لئے ان سے دین کو اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا نقصان ان بے دینوں سے پہنچتا ہے)۔

ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں:

امام بخاریؒ اس سے قبل ج:۲ ص:۱۰۲۳ پر بعض ضروریات دین کے انکار اور اس کے موجب ارتداد ہونے پر باب قائم کرچکے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

''باب قتل من ابیٰ قبول الفرائض وما نسبوا الی الردة.''

ترجمہ:...... ''ان لوگوں کے قتل سے متعلق باب جو ضروریات دین کے ماننے سے انکار کریں اور ان کا ارتداد کی جانب منسوب یعنی مرتد ہونا۔''

اور اس باب کے ذیل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ان لوگوں

کے ساتھ جنگ کرنے کی حدیث بیان کی ہے جنہوں نے نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کی تھی (اور کہا تھا کہ ہم نماز تو پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے) مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو "مرتد" قرار دیا، حالانکہ وہ بھی تاویل کرتے تھے (کہ زکوٰۃ لینے کا حکم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا اور "خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً." الآیہ، سے استدلال کرتے تھے)، پس ثابت ہوا کہ ضروریاتِ دین میں تاویل کرنا کفر سے نہیں بچاسکتا اور زیادہ سے زیادہ جو اس میں گنجائش نکل سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کو (جاہل اور) معذور قرار دیا جائے (اور اس گمراہی کے نتائج بد سے ڈرایا جائے) اور توبہ کرائی جائے، اگر توبہ کرلیں تو فبہا ورنہ قتل کردیا جائے گا۔

توبہ کرانا، جبر واکراہِ مذموم نہیں ہے:

واضح ہو کہ یہ توبہ کرانا وہ جبر واکراہ نہیں ہے جو عقلاً وشرعاً مذموم ہے، بلکہ یہ تو اس حق کے قبول کرنے پر آمادہ کرنا ہے جس کا حق ہونا اظہر من الشمس ہو، لہٰذا یہ تو سرتاسر ہدایت وارشاد اور عدل وصواب اور خیرِ محض ہے (جیسے ایک بیمار کو زبردستی دوا پلانا اور پرہیز کرانا کہ یہ عین صواب اور سرتاسر خیرخواہی ہے) اسی طرح حق کے قبول کرنے پر کسی کو مجبور کرنا سراسر حق پرستی اور خیرخواہی ہے، جبر واکراہ مذموم وہ ہوتا ہے جو برائی اور بدی پر ہو (جیسے کوئی کسی کو کفر وشرک یا بدکاری پر مجبور کرے)۔

قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ تفسیر "احکام القرآن" کے اندر "لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> "المسئلة الثانية: قوله تعالىٰ: لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ. عموم فى نفى اكراه الباطل فاما الاكراه بالحق فانه من الدين وهل يقتل الكافر الا على الدين؟ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "امرت ان اقاتل الناس

حتی یقولوا لا الہ الا اللہ.“ وھو مأخوذ من قولہ تعالٰی:
وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ.“

(احکام القرآن لابن عربی ج:۱ ص:۲۳۳)

ترجمہ:......”دوسرا مسئلہ: ”لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ“ کا مصداق ہر وہ اکراہ ہے جو امر باطل پر ہو، باقی حق کے قبول کرنے پر اکراہ تو عین دین ہے، آخر کافر کو دین (کے قبول نہ کرنے) پر ہی قتل کیا جاتا ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ”مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے برابر جنگ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرلیں (اور دین میں داخل ہوجائیں)۔“ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول (حدیث) کا مأخذ اللہ تعالٰی کا یہ قول ہے کہ: تم کافروں سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ بالکل باقی نہ رہے اور اطاعت صرف اللہ کی ہوجائے۔“

سورۂ ممتحنہ کی تفسیر میں پھر اس تحقیق کا اعادہ کرتے ہیں اور اس کی تائید میں فرماتے ہیں:

”فی الصحیح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عجب ربکم من قوم یقادون الی الجنۃ فی السلاسل.“

ترجمہ:......”صحیح حدیث (قدسی) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: تمہارا رب ان لوگوں پر تعجب کا اظہار فرماتا ہے جو زنجیروں میں جکڑ کر جنت کی طرف لائے جاتے ہیں (یعنی اللہ تعالٰی زبردستی ان سے ایسے کام کرالیتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ جنت میں جائیں گے)۔“

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

تحقیق یہ ہے کہ اس حق کے قبول کرنے پر مجبور کرنا جس کا حق ہونا بدیہی ہو، اکراہ ہے ہی نہیں، علامہ آلوسیؒ نے بھی ''روح المعانی'' میں اسی کو اختیار کیا ہے (ج:۳ ص:۱۲)۔

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے مصنف نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: اکثر و بیشتر یہی (مذکورہ بالا) شبہات اس مسئلہ (تکفیر) پر غور کرنے والوں کی راہ میں حائل ہوا کرتے ہیں، اگرچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا تحقیقات نے ان کی کما حقہ بیخ کنی کردی ہے اور ان کا تار پود بکھیر دیا ہے، مگر تسامح پسند لوگ بھلا کب مانتے ہیں؟ وہ تو اپنے وہی خیالی گھوڑے دوڑاتے رہیں گے اور فریب نفس کی بھول بھلیاں اور تمناؤں کی وادیوں میں سرگرداں رہیں گے، ہدایت بخشنے والا تو اللہ ہی ہے اور جس کو خدا ہی ہدایت سے محروم کردے، اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں:

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

منکرین تو نورِ الٰہی کا چراغ بجھا دینا چاہتے ہیں مگر اللہ تو اپنے نور (دین حق) کو کامل کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔

کفریہ عقائد رکھنے والے زندیقوں کے بارے میں

ائمہ اربعہ اور دوسرے ائمہ مثلاً امام ابو یوسف، امام محمد، امام بخاری وغیرہ، رحمہم اللہ کے اقوال اور ان کی آراء:

کفریہ عقائد رکھنے والے زندیق و مستحق قتل ہیں، ان کی توبہ بھی معتبر نہیں:

حضرت مصنف قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

ا:......ابوبکر رازیؒ ''احکام القرآن'' میں ج:۱ ص:۵۳ پر اور حافظ بدرالدین عینیؒ ''عمدۃ القاری'' میں ج:۱ ص:۲۱۲ پر امام طحاویؒ سے بسند سلیمان بن شعیب عن ابیہ عن ابی یوسف، ایک روایت نقل کرتے ہیں، جس کو امام ابو یوسفؒ نے ''نوادر'' کے ذیل میں اپنی ''امالی'' میں بھی شامل کیا ہے، قاضی ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: چھپے ہوئے زندیق کو (جو اپنے کفر کو چھپاتا ہے) قتل کردو، اس لئے کہ اس کی توبہ کا پتہ نہیں چل سکتا (اس کی زبان کا کوئی اعتبار نہیں)۔''

۲:......ابومصعبؒ، امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:

''کوئی مسلمان جب جادوگری کا پیشہ اختیار کرے تو اس کو قتل کردیا جائے اور اس سے توبہ بھی نہ کرائی جائے، اس لئے کہ مسلمان جب باطنی طور پر مرتد ہوجائے (جس کا ثبوت

امام مالکؒ کے نزدیک عمل سحر ہے) تو زبان سے اسلام کا اظہار کرنے سے اس کی توبہ کا پتہ نہیں چل سکتا۔"

(احکام القرآن ج:۱۱ ص:۵۱)

مصنفؒ فرماتے ہیں: مرتد کے متعلق امام مالکؒ کا یہی فیصلہ (کہ مرتد کی توبہ معتبر نہیں) "موطا" میں "باب القضاء فی من ارتد عن الاسلام" بھی مذکور ہے۔

۳:......ابوبکر رازیؒ "احکام القرآن" میں (ص:۵۴ پر) فرماتے ہیں:

"زندیق کی توبہ نہ قبول کرنے کے بارے میں ائمہ دین کے فیصلہ کا تقاضا یہ ہے کہ اور تمام زندیقوں کی طرح فرقہ اسماعیلیہ اور ان تمام ملحدین کے فرقوں سے بھی توبہ نہ کرائی جائے جن کا اعتقادِ کفر سب کو معلوم و معروف ہے اور یہ کہ اظہار توبہ کے باوجود ان کو قتل کر دیا جائے۔"

ابوبکر رازیؒ نے "احکام القرآن" میں ج:۲ ص:۲۸۶ تا ۲۸۸ پر اس مسئلہ کو ازروئے روایت و درایت، اس سے بھی زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

ایسے زندیقوں کے پیچھے نماز جائز ہے، نہ ان کی شہادت مقبول ہے، نہ ان کا احترام کرنا درست ہے اور نہ سلام و کلام کرنا صحیح ہے، نہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے، نہ ان سے شادی بیاہ کیا جائے، نہ ان کا ذبیحہ کھایا جائے:

استاذ ابومنصور بغدادیؒ "الفرق بین الفِرَق" کے ص:۱۵۲ پر فرماتے ہیں:

"ہشام بن عبیداللہ رازیؒ نے امام محمدؒ سے روایت کیا

ہے کہ: ''جس شخص نے کسی معتزلی کے پیچھے نماز پڑھ لی، اسے اپنی نماز لوٹانی چاہیے۔'' انہی ہشام نے بروایت یحییٰ بن اکثم قاضی ابو یوسفؒ سے روایت کیا ہے کہ ان سے معتزلہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: ''وہ تو زندیق ہیں۔'' امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی ''کتاب القیاس'' میں معتزلہ اور دوسرے گمراہ فرقوں کی شہادت قبول کرنے سے رجوع کیا ہے (یعنی اس سے قبل امام شافعیؒ مطلقاً گمراہ فرقوں کی شہادت قبول کرنے کا فتویٰ دے چکے تھے، مگر ''کتاب القیاس'' میں اس سے رجوع کیا ہے، امام شافعیؒ کا مفصل بیان آگے آتا ہے)۔ امام مالکؒ اور فقہاؒ مدینہ کا قول بھی یہی ہے (کہ گمراہ فرقوں کی شہادت نہ قبول کی جائے)۔ استاذ ابو منصورؒ فرماتے ہیں: ''پھر ائمہ اسلام کا قدریہ (معتزلہ) کو کافر کہنے کے باوجود ان کے احترام میں سواری سے اترنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ذہبیؒ نے ''کتاب العلو'' کے اندر بھی یہی لکھا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ ''کتاب الام'' ج:۶ ص:۲۱۰ میں اہل اہوأ (گمراہ فرقوں) کی شہادت قبول کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں کسی ایسے تاویل کرنے والے کی شہادت کو رد نہیں کرتا جس کی تاویل کے لئے گنجائش موجود ہو۔''

''الیواقیت'' میں مخزومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: امام شافعیؒ نے یہ ان گمراہ فرقوں کی شہادت کے متعلق فرمایا ہے جن کی تاویل کے لئے (از روئے عربیت) گنجائش موجود ہو۔

''الفرق بین الفِرَق'' میں ص:۳۵۱ پر استاذ ابومنصور بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''ہشام بن عبیداللہ رازیؒ، امام محمد بن حسنؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جس شخص نے کسی ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی جو قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہو، اس کو نماز لوٹانی چاہئے۔''

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ تو امام محمدؒ کا فتویٰ ہے، اعادہ کے متعلق، باقی ''فتح القدیر'' باب ''الامامۃ'' کے ذیل میں خود امام محمدؒ، ابو یوسفؒ اور امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ: ''اہل اہواءَ (گمراہ فرقوں) کے پیچھے نماز جائز نہیں۔''

متأخرین صحابہؓ کا اجماع اور وصیت:

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''الفرق بین الفِرَق'' میں ص:۱۵ پر اور ''عقیدہ سفارینی'' میں ج:۱ ص:۲۵۶ پر مذکور ہے کہ:

''متأخرین صحابہؓ نے جن میں عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، ابوہریرہ، ابن عباس، انس بن مالک، عبداللہ بن ابی اوفیٰ، عقبہ بن عامر جُہنی رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں اور ان کے ہم عصروں نے اہل اہواءَ (گمراہ فرقوں) سے اپنی بے زاری اور بے تعلقی کا اعلان کیا ہے اور آنے والی نسلوں کو وصیت کی ہے کہ قدریہ (معتزلہ) کو نہ سلام کریں، نہ ان کے جنازہ پر نماز پڑھیں اور نہ ان کے بیماروں کی عیادت کریں (اس لئے کہ یہ لوگ اسلام سے خارج اور کافر ہیں)۔''

فرماتے ہیں: اس کے بعد مصنف ''الفرق'' نے تفصیل کے ساتھ صحابہؓ کی ایک جماعت سے مرفوع روایات نقل کی ہیں۔

کسی بھی حکم شرعی کا انکار ''لا الہ الا اللہ'' کی تردید ہے:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''سیر کبیر'' میں ج:۴ ص:۲۶۵ پر امام محمدؒ کا قول منقول ہے کہ:

''جو شخص کسی بھی (قطعی) حکم شرعی کا انکار کرتا ہے، وہ اپنی زبان سے کہے ہوئے قول ''لا الہ الا اللہ'' کی تردید کرتا ہے۔''

امام بخاری علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ''خلق افعال عباد'' میں فرماتے ہیں:

میں نے سفیان ثوریؒ سے سنا وہ فرماتے تھے: مجھ سے حماد بن ابی سلیمانؒ نے کہا:

''ابلغ ابا فلان المشرک، فانی بریٔ من دینه وکان یقول القرآن مخلوق.''

ترجمہ:...... ''تم ابو فلاں مشرک کو میرا پیغام پہنچادو کہ اس کے دین سے میرا کوئی تعلق نہیں، میں اس سے بالکل بری ہوں، یہ ابو فلاں قرآن کو مخلوق مانتا تھا۔''

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: ''قرآن اللہ کا کلام ہے، جو قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔''

علی بن عبداللہ بن المدینیؒ فرماتے ہیں:

''القرآن کلام اللہ، من قال انه مخلوق فهو کافر لا یصلی خلفه.''

ترجمہ:...... ''قرآن اللہ کا کلام ہے، جو اسے مخلوق کہے وہ کافر ہے، اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔''

امام ابوعبداللہ بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”نظرت فی کلام الیهود والنصاریٰ والمجوس فما رأیت اضل فی کفرهم منهم وانی لاستجهل من لا یکفرهم الا من لا یعرف کفرهم.“

ترجمہ:...... ”میں یہودیوں، نصرانیوں اور مجوسیوں کے عقائد پر غور وفکر کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ خلق قرآن کے ماننے والے ان سب سے بڑھ کر گمراہ ہیں، سوائے اس شخص کے جو ان کے کفر سے واقف نہ، اور جو کوئی بھی ان کو کافر نہیں کہتا، میں اس کو یقیناً جاہل سمجھتا ہوں۔“

زہیر سختیانیؒ فرماتے ہیں:

”سمعت سلّام بن مطیع یقول الجهمیة کفار.“

ترجمہ:...... ”میں نے سلام بن مطیعؒ سے سنا کہ جہمی (فرقہ والے) کافر ہیں۔“

امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

”ما ابالی صلیت خلف الجهمی والرافضی ام صلیت خلف الیهود والنصاریٰ ولا یُسلَّم علیهم ولا یعادون ولا یناکحون ولا یشهدون ولا تؤکل ذبائحهم.“

ترجمہ:...... ”میں ایک جہمی یا رافضی کے پیچھے نماز پڑھ لینے میں اور کسی یہودی یا نصرانی کے پیچھے نماز پڑھ لینے میں کوئی فرق نہیں سمجھتا (اس لئے کہ یہ دونوں فرقے یہود و نصاریٰ کی

طرح کافر ہیں، اگرچہ یہ خود کو مسلمان کہیں) نہ ان کو سلام کرنا چاہئے، نہ ان کے مریضوں کی عیادت کرنی چاہئے، نہ ان سے شادی بیاہ کرنا چاہئے، نہ ان کی شہادت قبول کرنی چاہئے، نہ ان کا ذبیحہ کھانا چاہئے۔"

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی پہلی اور دوسری عبارت کتاب "الاسماء والصفات" میں بھی موجود ہے، اور دوسری عبارت کو حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں بھی نقل کیا ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ذہبیؒ نے "کتاب العلو" میں بسند ذیل امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت نقل کی ہے:

"وقال ابن ابی حاتم الحافظ ثنا احمد بن محمد بن مسلم ثنا علی بن الحسن الکراعی قال قال ابویوسف: ناظرت ابا حنیفة ستة اشهر فاتفق رأینا علی ان من قال القرآن مخلوق فهو کافر."

ترجمہ:...... "امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: میں نے کامل چھ ماہ تک امام ابوحنیفہؒ سے مناظرہ کیا، تب ہم دونوں اس پر متفق ہوئے کہ جو شخص قرآن کو مخلوق مانتا ہو وہ کافر ہے۔"

اسی "کتاب العلو" میں امام محمدؒ کی حسب ذیل روایت بھی موجود ہے، فرماتے ہیں: احمد بن القاسم بن عطیہ فرماتے ہیں کہ ابوسلیمان جوزجانی نے فرمایا کہ میں نے امام محمد ابن الحسن سے سنا وہ فرماتے تھے:

"واللہ! لا اصلی خلف من یقول القرآن مخلوق، ولا استفتی الا امرت بالاعادة."

ترجمہ:...... "بخدا! میں قرآن کو مخلوق ماننے والے کے

پیچھے نماز ہرگز نہیں پڑھوں گا اور اگر مجھ سے استفتا کیا جائے تو
میں نماز کے لوٹانے کا حکم دوں گا۔"

تنبیہ:

حضرت مصنف نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

قرآن کے مخلوق ہونے سے ان ائمہ کرام کی مراد یہ ہے کہ قرآن کو نہ اللہ کی صفت مانا جائے، نہ اس کی ذات کے ساتھ قائم، بلکہ خدا سے الگ ایک علیحدہ مخلوق چیز قرار دیا جائے (تو یہ کفر ہے اور اس کا قائل کافر ہے) اس لئے کہ قرآن یقیناً اللہ کا کلام ہے اور دوسری صفات کی طرح اس کی ایک صفت ہے اور خدا کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور جیسے خدا اور اس کی تمام صفات قدیم اور ازلی و ابدی ہیں، اسی طرح قرآن بھی قدیم اور ازلی و ابدی ہے، ہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس کا نازل ہونا اور آپؐ کا اس کو اپنی زبان سے ادا کرنا بے شک حادث و مخلوق ہے، لہٰذا کلام لفظی (یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ اور اس کے اجزا) کا حادث اور مخلوق ہونا اس کے منافی نہیں ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی متعدد تصانیف میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ "مسایرہ" میں ص:۲۱۴ پر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؒ نے (گمراہ فرقہ جہمیہ کے بانی) جہم بن صفوان کو خطاب کرکے فرمایا: "اخرج عنی یا کافر!" (او کافر! تو میرے پاس سے نکل جا)۔

اسی طرح حافظ ابن تیمیہؒ "رسالہ تسعیبہ" میں بسند امام محمد، امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے (کسی موقع پر) فرمایا: "لعن اللہ عمرو بن عبید."

(اللہ عمرو بن عبید پر لعنت کرے)۔

شیخ ابن ہمامؒ ''مسایرہ'' میں فرماتے ہیں کہ: ''امام ابوحنیفہؒ نے جہم کو کافر (یا ابن عبید کو ملعون) بطور تاویل کہا ہے (یعنی زجر و توبیخ کے طور پر کافر یا ملعون کہہ دیا ہے، نہ یہ کہ امام کے نزدیک جہم اسلام سے خارج اور کافر ہے، اسی طرح ابن عبید)۔

حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ شیخ ابن ہمام کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

''ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیسے ممکن ہے کہ امام ایک مسلمان کو کافر کہہ دیں، درآں حالیکہ حدیث شریف میں کسی مسلمان کو کافر کہہ دینے پر شدید وعید آئی ہے، اس لئے امام کی شان سے یہ قطعاً بعید ہے کہ جہم ان کے نزدیک کافر نہ ہو اور وہ اس کو کافر کہہ دیں۔''

امام ابوعبداللہ بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سلیمانؒ سے بسند حارث بن ادریسؒ امام محمدؒ فقیہ کی ایک روایت سنی ہے کہ امام محمدؒ فرماتے ہیں:

''من قال ان القرآن مخلوق فلا تصل خلفه.''

ترجمہ:...... ''جو قرآن کو مخلوق کہتا ہو تو اس کے پیچھے نماز مت پڑھو (وہ مسلمان نہیں ہے)۔''

نیز امام بخاریؒ فرماتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن ابراہیمؒ دقّاق کی کتاب میں محمد بن سابقؒ کی ایک روایت بسند قاسم بن ابی صالح الہمدانی عن محمد بن ابی ایوب الرازی عن محمد بن سابق پڑھی ہے، اس میں محمد بن سابق کہتے ہیں میں نے امام ابویوسفؒ سے دریافت کیا: ''اکان ابو حنیفة یقول القرآن مخلوق؟'' (کیا ابوحنیفہؒ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل تھے؟) امام ابویوسفؒ نے فوراً فرمایا: ''معاذ الله! ولا انا اقوله.'' معاذ اللہ! (ابوحنیفہؒ اور قرآن کو مخلوق مانیں) اور نہ ہی میں قرآن کو مخلوق مانتا ہوں۔ محمد بن سابق کہتے ہیں میں نے پھر سوال کیا کہ: ''اکان

یریٰ رأی جهم؟" کیا ابوحنیفہؒ جہمی عقائد کے قائل تھے؟ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: "معاذ الله! ولا انا اقوله." معاذ اللہ! (وہ تو جہم کو کافر کہتے ہیں) اور نہ ہی میں جہمی عقائد کا قائل ہوں۔

امام ابوعبداللہ بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

نیز امام بیہقیؒ فرماتے ہیں مجھے ابوعبداللہ الحافظؒ نے بطور اجازت بسند ذیل:

"قال انا ابوسعيد احمد بن يعقوب الثقفي قال ثنا عبدالله بن احمد بن عبدالرحمٰن بن عبدالله الدشتكي قال: سمعت ابي يعقوب سمعت ابا يوسف القاضي."

بتلایا کہ قاضی ابو یوسفؒ نے فرمایا:

"كلّمت ابا حنيفة سنة جرداء في ان القرآن مخلوق ام لا؟ فاتفق رأيه ورأي على ان من قال القرآن مخلوق فهو كافر."

ترجمہ:...... "کامل ایک سال تک میں امام ابوحنیفہؒ سے اس مسئلہ پر بحث کرتا رہا ہوں کہ قرآن مخلوق ہے یا نہیں؟ تب آخر ہم دونوں اس پر متفق ہوئے کہ جو کوئی قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔"

ابوعبداللہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں اس حدیث کے راوی سب ثقہ ہیں۔

قاضی عیاض "شفا" میں بیان فرماتے ہیں کہ ابن منذر امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں: "لا يستتاب القدرية." (قدریہ (معتزلہ) سے توبہ نہ کرائی جائے)، اور بیشتر علمائے سلف "قدریوں" کو کافر کہتے ہیں۔

تمام کفریہ عقائد رکھنے والے فرقے اگرچہ مؤول ہوں اور قرآن و حدیث سے استدلال کریں تب بھی کافر ہیں، علمائے امت اس پر متفق ہیں:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ''شفا'' میں فرماتے ہیں:

''ابن مبارک، اودی، وکیع، حفص بن غیاث، ابو اسحٰق فزاری، ہشیم اور علی بن عاصم اور ان کے علاوہ علماء اور بیشتر محدثین، فقہاء اور متکلمین: جہمیہ، قدریہ، خوارج اور تمام گمراہ عقائد رکھنے والے فرقوں اور باطل تاویلیں کرنے والے ملحدوں کو کافر کہتے ہیں، امام احمد بن حنبلؒ کا قول بھی یہی ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''الفرق بین الفرق'' کے مصنف استاذ ابو المنصور بغدادی نے اپنی کتاب ''الاسماء والصفات'' میں غالی (حد سے تجاوز کرنے والے) مبتدعین کی تکفیر پر بہت سیر حاصل بحث کی ہے، جیسا کہ ''شرح احیاء'' میں ج:۲ ص:۲۵۲ پر مذکور ہے۔

تنبیہ:

حضرت مصنف نور اللہ مرقدہ تنبیہ فرماتے ہیں: ظاہر ہے کہ بدعت اور ہویٰ وہی گمراہی کہلاتی ہے جو کسی شبہ پر مبنی ہو (یعنی ہر بدعت اور گمراہی کسی نہ کسی شبہ اور تاویل پر مبنی ہوتی ہے) لہٰذا ان ائمہ، محدثین، فقہاء اور متکلمین کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ تاویل مؤول کو کفر سے نہیں بچا سکتی (یعنی مؤول تاویل کرنے کے باوجود کافر ہے)۔

سنت اور بدعت کا فرق اور معیار:

محقق محمد بن وزیر الیمانی (کے مذکورہ ذیل بیان سے اس کی تائید واضح ہے وہ) ''ایثار الحق'' میں ص:۳۲۱ پر فرماتے ہیں:

''بے شک سنت وہی ہے جس کا ثبوت ائمہ سلف سے حد شہرت کو پہنچا ہوا ہو اور نصوص شرعیہ کے طریق پر احادیث صحیحہ سے ثابت ہو، اور اگر سنت کا معیار یہ نہ ہوگا تو تمام بدعتیں (اور گمراہیاں) سنت کے تحت آجائیں گی، اس لئے کہ ہر مبتدع (اور ملحد) اپنی بدعت (والحاد) کا ثبوت قرآن و حدیث کی کسی عام یا محتمل نص سے یا استنباطات سے ہی پیش کرتا ہے۔''

قطعی اور یقینی ارکانِ اسلام اور اسمأ وصفاتِ الٰہیہ کی کوئی (نئی) تفسیر بھی جائز نہیں:

یہی محقق (اسی کتاب کے ص:۱۵۵ پر) فرماتے ہیں:

''باقی تفسیر میں ہم اسلام کے قطعی ارکان اور اللہ تعالیٰ کے اسمأ وصفات کی تفسیر کی بھی اجازت نہیں دیں گے، اس لئے کہ وہ بالکل واضح ہیں، ان کی مراد اور مصداق (امت کے نزدیک) متعین ہے (ہر مسلمان جانتا اور سمجھتا ہے) ان کی تفسیر وہی گمراہ لوگ کرتے ہیں جو ان میں تحریف کرنا چاہتے ہیں، جیسے ملحد باطنیہ۔'' (۱)

---

(۱) یا جیسے ہمارے زمانہ کے ملحد جو آیات قرآنیہ کے ایسے نو بہ نو معنی کرتے اور مرادیں بتلاتے ہیں جن سے امت کے کان بالکل نا آشنا ہیں، کہتے ہیں: ''اَطِیْعُوا اللّٰہَ'' میں ''اللہ'' سے مراد ''مرکز ملت'' یعنی حاکم وقت اور سربراہ مملکت ہے، (العیاذ باللہ)!

گمراہ فرقے کس قسم کی آیات واحادیث سے استدلال کرتے ہیں:

یہی محقق اسی کتاب کے ص:۲۶۰ پر فرماتے ہیں:

''یہی وجہ ہے کہ تم اس قسم کی عام یا محتمل آیات و احادیث سے اکثر و بیشتر گمراہ فرقوں کو استدلال کرتا ہوا پاؤ گے، اور ہر باطل عقیدہ والا اپنی تائید کے لئے اسی قسم کی عام یا محتمل آیات واحادیث کا سہارا لیتا ہے، حتیٰ کہ ضروریاتِ دین کا انکار کرنے والا بھی، جیسے اتحادی فرقے کے غالی لوگ (یعنی وحدۃ الوجود کے غالی قائلین جو''اللہ'' کے سوا اور کسی کو موجود ہی نہیں مانتے اور ''کل شیء ھالک الا وجھہ.'' سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''ھالک'' موجود نہیں معدوم ہوتا ہے)۔''

احتیاط:

یہی محقق ص:۴۲۰ پر فرماتے ہیں:

''جو گمراہ فرقہ غالی نہ ہو (مثلاً اپنے سوا اور مسلمانوں کو کافر یا گمراہ نہ کہتا ہو) اس کے بارے میں سلف صالحین کا مسلک ہی صحیح ہے کہ ان کو کافر نہ کہا جائے مگر دو شرطوں کے ساتھ، ایک یہ کہ اس بدعت (فاسد عقیدہ) اور اس کے ماننے والوں کو قطعی طور پر گمراہ اور برا کہا جائے، دوسرے یہ کہ جن علماً نے ان میں سے بیشتر کو کافر کہا ہے ان کو بھی برا نہ کہا جائے، اس لئے کہ ان گمراہ فرقوں میں سے بعض فرقے وہ ہیں جن کی

گمراہی حد سے زیادہ بُری ہے، ان کو کافر نہ کہنے کا بھی ہم قطعی
فیصلہ نہیں کرسکتے (جیسے کافر کہنے کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرسکتے،
بہرحال دونوں جانبین برابر اور غیر یقینی ہیں) بلکہ ہم اس سلسلہ
میں توقف کرتے ہیں اور ان کے کافر ہونے یا نہ ہونے کے یقینی
علم اور قطعی فیصلہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔"

حافظ ابن تیمیہؒ کی رائے:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی "الصارم المسلول" میں ص:۱۷۹ پر اسی رائے کو اختیار کیا ہے، وہ پندرہویں حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"ان (خوارج) کے اس مسلک نے ان پر ایسے فاسد
عقیدے لازم کردیئے جن کے نتیجہ میں ان سے ایسے شنیع ترین
اعمال و افعال سرزد ہوئے جن کی بنا پر امت کے بیشتر علماءؒ نے
ان کو کافر کہا ہے، اور بعض علماءؒ نے (از راہ احتیاط) توقف کیا
ہے (اور کافر کہنے سے احتراز کیا ہے)۔"

ملحدین ومؤوّلین کے بارے میں
حضرات محدثین، فقہا، متکلمین اور کبار محققین
نیز مصنّفین کی ایک کثیر جماعت کے بیانات:

حدیث خوارج کی تشریح اور اس کا مصداق:

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''مسوّیٰ'' شرح ''مؤطا امام مالک'' میں ج:۲ ص:۱۲۹ پر(۱) فرماتے ہیں:

''یہ قوم (جس کے خروج کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیر بحث حدیث میں خبر دی ہے) وہی خارجی ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کے خلاف بغاوت کی اور حضرت علیؓ نے ان کی بیخ کنی فرمائی۔

''لا یجاوز حناجرھم.'' کے معنی یہ ہیں کہ ان کے قلوب قرآن کو قبول نہ کریں گے اور اعمال صالحہ (عمل بالقرآن) کے لئے محرک نہ ہوں گے۔

''یمرقون من الدین'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ دین سے (غیر محسوس طریق پر) نکل جائیں گے۔ یہ ان کے کافر ہونے کی تصریح ہے، صحیحین کی دوسری روایت کے الفاظ اس سے زیادہ

(۱) مطبوعہ: کتب خانہ رحیمیہ جامع مسجد دہلی۔

صریح ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”فاینما لقیتموھم فاقتلوھم فان فی قتلھم اجرا لمن قتلھم.“ (بخاری ج:۲ ص:۱۰۲۴)

ترجمہ:......”جہاں بھی وہ ہاتھ آئیں ان کو قتل کردو، ان کو قتل کرنے میں قتل کرنے والے کے لئے اجر عظیم ہے۔“

”الرمیۃ“ وہ شکار ہے جس کو نشانہ بنانے کا تم قصد کرو اور اس پر تیر مارو، ”فتنظر .... الخ“ اس تشبیہ کا مقصد یہ ہے کہ تیر شکار کے جسم سے اتنی تیزی کے ساتھ نکل گیا کہ نہ اس پر ذرا سا خون لگا نہ لید، ایسی ہی تیزی سے یہ لوگ بھی اسلام میں داخل ہوکر فوراً اس سے نکل جائیں گے کہ اسلام سے ان کا کوئی علاقہ باقی نہ رہے گا۔“

امام شافعیؒ کی خوارج کے بارے میں احتیاط کوشی اور اس کے دلائل:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (خوارج کے بارے میں بہت محتاط ہیں) فرماتے ہیں:

”اگر کوئی فرقہ خوارج کے سے عقائد اختیار کرلے اور مسلمانوں کی تمام جماعتوں سے علیحدہ ہوجائے اور سب کو ”کافر“ کہنے لگے تب بھی ان سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ہمیں حضرت علیؓ سے روایت پہنچی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسجد کے ایک گوشہ میں ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا: ”ان الحکم الا للہ.“ (حکومت تو صرف اللہ ہی کی ہے)

اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا: یہ کلمہ تو حق ہے مگر جس غرض کے لئے استعمال کیا گیا ہے وہ باطل ہے۔ اس کے بعد فرمایا: تمہارے ہم پر تین حق ہیں: (۱) تم کو اللہ کے گھروں (مسجدوں) میں آنے اور اس کا ذکر کرنے (نماز پڑھنے) سے نہ روکیں۔ (۲) جب تک تمہارے ہاتھ ہمارے ہاتھوں کے ساتھ رہیں (تم ہمارے دوش بدوش دشمنانِ اسلام سے جنگ کرتے رہو) تم کو مالِ غنیمت کے حصہ سے محروم نہ کریں۔ (۳) تم سے جنگ کرنے میں پہل نہ کریں۔"

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: اس کے برعکس حنبلی محدثین کا قول ہے کہ (یہ کافر ہیں) ان کو قتل کرنا جائز ہے۔

امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب

ازروئے روایت یعنی نقلی دلیل:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

"یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے، میرے نزدیک ازروئے روایت بھی اور ازروئے درایت بھی محدثین کا قول ہی صحیح ہے، ازروئے روایت تو صحیح بخاری کی دوسری مرفوع روایت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صاف اور صریح الفاظ میں فرماتے ہیں: "فاینما لقیتموھم فاقتلوھم." باقی رہا حضرت علیؓ کا اثر تو اس کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ محض امام کی امامت (اور حکومت) پر اعتراض اور طعن و تشنیع کرنا اس وقت تک موجب قتل نہیں جب تک کوئی امام کی اطاعت سے دست کش نہ ہو، ہاں اگر اطاعت

سے انکار کرے گا تو باغی کہلائے گا یا رہزن (اور ضرور قتل کیا جائے گا) اسی طرح اگر ''ضروریاتِ دین'' میں سے کسی امر کا انکار کرے گا تو اس انکار کی بنا پر ضرور قتل کیا جائے گا، لیکن نہ اس وجہ سے کہ اس نے امام کی امامت پر اعتراض یا اس کی اطاعت سے انکار کیا ہے (بلکہ اس لئے کہ اس نے ضروریاتِ دین کا انکار کیا ہے، حضرت علیؓ کے قول کا مطلب صرف یہ ہے کہ محض امام کی امامت پر اعتراض اور طعن و تشنیع موجب قتل نہیں ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ضروریاتِ دین کا انکار یا امام کی اطاعت سے انکار اور بغاوت بھی ان کے نزدیک موجب قتل نہیں)۔''

تمثیل:

اس کی مزید وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ ایک مفتی کے سامنے جب کسی شخص مثلاً زید کے کسی خاص فعل و عمل کا ذکر کر کے فتویٰ دریافت کیا جائے تو وہ اس پر جائز ہونے کا حکم لگاتا ہے، لیکن اسی شخص (زید) کے کسی دوسرے فعل و عمل کے متعلق فتویٰ دریافت کیا جاتا ہے تو وہ اس پر فاسق ہونے کا حکم لگاتا ہے، اور جب کسی تیسرے فعل کے متعلق فتویٰ دریافت کیا جاتا ہے تو وہ اس پر کافر ہونے کا حکم لگاتا ہے۔ (ان تینوں فتوؤں میں کوئی تضاد نہیں، اپنی اپنی جگہ تینوں صحیح ہیں، اس لئے کہ ہر فعل کا حکم الگ ہے، جس کے متعلق استفتاء کیا گیا، مفتی نے اسی کا حکم بیان کر دیا، ہوسکتا ہے کہ یہ شخص تینوں قسم کے افعال کا مرتکب ہو تو اس کے حق میں تینوں فتوے درست ہوں گے)۔

مذکورہ بالا واقعہ میں اس خارجی نے حضرت علیؓ کے سامنے صرف مسئلہ

''تحکیم'' پر اعتراض کیا ہے، آپؒ نے اسی کا حکم بیان فرمادیا، اگر وہ خارجی ان کے سامنے قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے انکار کرتا، یا حوضِ کوثر کا انکار کرتا، یا اسی قسم کے کسی اور قطعی ویقینی عقیدہ یا حکم کا انکار کرتا تو آپؒ یقیناً اس پر کافر ہونے کا حکم لگاتے (لہٰذا امام شافعی رحمہ اللہ کا حضرت علیؓ کے اس اثر سے خارجیوں کے کافر نہ ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہوسکتا)۔

باقی ''اولئک الذین نہانی اللہ عنھم.'' والی حدیث منافقین کے حق میں ہے، نہ کہ زندیقوں اور ملحدوں کے حق میں (جیسا کہ عنقریب آتا ہے)۔

کافر، منافق اور زندیق کا فرق:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

''اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ دین حق کا مخالف اگر سرے سے حق کا اقرار ہی نہیں کرتا اور نہ ظاہراً حق کو قبول کرتا ہے نہ باطناً، تو وہ ''کافر'' ہے اور اگر زبان سے تو اقرار کرتا ہے مگر دل سے اس کا منکر ہے تو وہ ''منافق'' ہے، اور اگر بظاہر تو دین حق کا اقرار کرتا ہے لیکن ضروریاتِ دین میں سے کسی امر کی ایسی تشریح وتعبیر کرتا ہے جو صحابہؓ وتابعینؒ کی تعبیر وتشریح کے، نیز اجماعِ امت کے خلاف ہے تو وہ ''زندیق'' ہے، مثلاً ایک شخص قرآن کے حق ہونے کا تو اقرار کرتا ہے اور اس میں جنت و دوزخ کا جو ذکر آیا ہے اس کو بھی مانتا ہے مگر کہتا ہے کہ جنت سے مراد وہ فرحت ومسرت ہے جو مؤمنین کو اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ کی وجہ سے حاصل ہوگی، اور نارِ جہنم سے مراد وہ ندامت واذیت ہے جو کافروں کو اعمالِ شنیعہ اور اخلاقِ ذمیمہ کی

وجہ سے حاصل ہوگی، اور کہتا ہے کہ اس کے سوا اور جنت و دوزخ کی حقیقت کچھ نہیں تو یہ ''زندیق'' ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ''اولئک الذین نهانی الله عنهم.'' صرف منافقین کے حق میں فرمایا ہے، نہ کہ زندیقوں (یا کافروں) کے حق میں بھی۔''

از روئے درایت یعنی عقلی دلیل:

باقی محدثین کا قول عقلاً اس لئے صحیح ہے کہ جس طرح شریعت نے ارتداد کی سزا قتل اس لئے مقرر کی ہے کہ یہ سزا ارتداد کا قصد کرنے والوں کے لئے ارتداد سے مانع ہو، اور اس دین حق کی حفاظت و حمایت کا وسیلہ بنے جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے، اسی طرح اس حدیث (خوارج) میں زندیق کی سزا قتل تجویز کی ہے تاکہ یہ سزا زندیقوں کے لئے زندقہ (دین کی تحریف) سے باز رکھنے کا وسیلہ بن سکے، اور دین میں ایسی فاسد تاویلوں کا راستہ بند کرنے کا ذریعہ بن سکے جن کو زبان پر لانا بھی درست نہیں۔

تاویل کی قسمیں اور ان کا حکم اور زندقہ کی حقیقت:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

''یاد رکھئے! تاویلیں دو قسم کی ہیں، ایک وہ تاویل جو قرآن و حدیث کی کسی قطعی نص اور اجماعِ امت کے مخالف نہ ہو، دوسری تاویل وہ ہے جو کسی نص قطعی یا اجماعِ امت کے منافی اور مخالف ہو۔ ایسی تاویل کرنا ہی الحاد و زندقہ ہے، چنانچہ ہر وہ شخص جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا، یا عذاب قبر کا، یا منکر و نکیر کے سوال و جواب کا، یا صراط، حساب اور جزائے اعمال

وغیرہ کا انکار کرے خواہ یہ کہے کہ میں ان (احادیث کو صحیح اور) ان کے راویوں کو ثقہ نہیں مانتا، خواہ یہ کہے کہ راوی تو ثقہ ہیں مگر یہ احادیث مؤوّل ہیں اور تاویل ایسی بیان کرے جو نہ صرف غلط اور فاسد ہو بلکہ اس سے قبل کبھی نہ سنی گئی ہو تو وہ "زندیق" ہے۔
اسی طرح جو شخص مثلاً شیخین یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے متعلق کہے کہ یہ "جنتی نہیں ہیں" حالانکہ ان دونوں حضرات کے حق میں بشارتِ جنت کی حدیثیں حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں، یا یہ کہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم انبیاءؑ تو ضرور ہیں، لیکن اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ آپؐ کے بعد کسی کو نبی کے نام سے موسوم نہ کیا جائے (یعنی کسی کو نبی نہ کہا جائے) باقی نبوت کی حقیقت یعنی کسی انسان کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کی ہدایت کے لئے مبعوث ہونا، اس کی اطاعت کا فرض ہونا، اس کا گناہوں سے معصوم ہونا اور اجتہادی امور میں غلطی پر قائم رہنے سے محفوظ ہونا اور اس کے علاوہ خصائص نبوت، یہ آپؐ کے بعد بھی اماموں کے لئے ثابت اور محقق ہیں۔" تو یہ شخص بھی قطعاً "زندیق" ہے اور تمام حنفی، شافعی علماءِ متاخرین ایسے شخص کے کفر اور قتل پر متفق ہیں، واللہ اعلم بالصواب!"

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا بیان نقل کرنے کے بعد حضرت مصنف نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

اس بیان سے "زندقہ" کی حقیقت اور اس کا حکم دونوں معلوم اور واضح ہوگئے، نیز یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ضروریاتِ دین میں تاویل کفر سے نہیں بچاسکتی۔

نیز فرماتے ہیں کہ: امام شافعیؒ نے خوارج کو کافر نہ کہنے کے بارے میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جو روایت پیش کی ہے ''الصارم المسلول'' میں ص:۱۷۵ پر حافظ ابن تیمیہؒ نے ''السنۃ الرابعۃ عشر'' کے تحت پندرہویں حدیث کے ذیل میں اس پر نہایت سیر حاصل بحث کی ہے اور میرے نزدیک حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق ''الصارم'' میں اس سے زیادہ صحیح اور درست ہے جو حافظ ابن تیمیہؒ نے ''منہاج السنۃ'' میں اختیار کی ہے، وہ ص:۱۹۳ پر فرماتے ہیں:

''وبالجملة فالكلمات في هذا الباب ثلاثة:
احدٰهن ما هو كفر، مثل قوله: ان هذه لقسمة ما اريد بها وجه الله.'' (منہاج السنۃ ص:۱۹۳)

ترجمہ:......''غرض اس (شکوۂ رسول کے) سلسلہ میں تین قسم کے الفاظ آتے ہیں، ایک وہ کلمات جو یقیناً کفر محض ہیں، جیسے ذوی الخویصرہ کا یہ قول کہ: ''یہ تقسیم یقیناً لوجہ اللہ نہیں کی گئی ہے۔'' (اس لئے ذوی الخویصرہ ضرور کافر ہے)۔''

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں: اور جب خوارج کا یہ سرگروہ ان کلمات کی بنا پر کافر ٹھہرا ہے تو اس کے پیرو اور متبعین بھی یقیناً کافر ہیں، نیز فرماتے ہیں: یہ تو مخالفوں اور دشمنوں کے تکلیف دہ اور توہین آمیز کلماتِ شکایت ہیں جن کا مقصد ہی ایذا رسانی اور توہین ہے، باقی مذکورۂ ذیل کلماتِ شکوہ و شکایت: ''ان نسائك ينشدنك الله العدل.'' (بے شک آپ کی بیویاں آپ سے اللہ کے نام پر انصاف چاہتی ہیں) (یہ تو ایک محبت وعظمت اور عقیدت و احترام سے لبریز قلب سے نکلی ہوئی التجا ہے(۱)،

---

(۱) اس لئے کہ یہ محبت بھرے الفاظ اس شخص کی زبان سے نکلے ہیں جس کا باطن ایمان و یقین کے نور سے روشن اور دل محبت و احترام سے لبریز ہے، اس لئے یہ یقیناً ایک ایسے امر کی استدعا ہے جو آپؐ پر واجب نہیں، یعنی تقسیم اور بیویوں کے درمیان مساوات۔ اس کے برعکس ذوی الخویصرہ کے زہریلے کلمات اس کے خبث باطن اور ظلمت قلب کے ترجمان ہیں اور اس کا مقصد صرف ایذا و توہین رسول ہے۔ از مترجم۔

اس کو موذی ذوی الخویصرہ کی ہرزہ سرائی اور زہرافشانی سے کیا نسبت) ان کا مقصد صرف ازواجِ مطہرات کے درمیان مساوات برتنے کی درخواست و استدعا ہے اور بس، نہ کہ العیاذ باللہ حق سے انحراف اور ظلم و جور کا آپؐ پر الزام۔

قاضی عیاضؒ نے ''شفا'' میں ج:۲ ص:۴۲۲ پر فصل ''فان قلت لم یقتل ... الخ.'' کے ذیل میں یہی فرق بتایا ہے۔

''حدیث مروق'' کی محدثانہ تحقیق اور خوارج کے مرتد و کافر ہونے پر استدلال:

مصنف نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

یاد رکھئے! ان امور سے متعلق حدیث جن کی بنا پر ایک مسلمان کو قتل کرنا مباح ہے(۱) ''صحیح بخاری'' کتاب ''الدیات'' میں باب ''قول اللہ تعالیٰ ان النفس بالنفس'' کے تحت صحیح بخاری کے اکثر و بیشتر نسخوں میں ذیل کے الفاظ کے ساتھ مروی ہے(۲):

---

(۱) حضرت مصنف نور اللہ مرقدہ حاشیہ میں ذوی الخویصرہ اور ابن صیاد کے قتل نہ کرنے کے بارے میں علماً کے لئے ایک قابل قدر نکتہ بیان فرماتے ہیں:

''یاد رکھئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالخویصرہ اور ابن صیاد کے واقعہ میں حکم شرعی (قتل کردینے) پر تقدیر کی جانب کو ترجیح دی ہے (یعنی آپؐ کو معلوم تھا کہ ان کے قتل تکوینی اعتبار سے میرے ہاتھ سے مقدر نہیں ہیں)۔''

فرماتے ہیں: ''اور اس لئے بھی (آپؐ نے ان کو قتل نہیں کیا) کہ کچھ امورِ نبوت کی تکمیل آپؐ کے خلفا کے ہاتھوں سے ہونی بہتر ہے (تاکہ وہ بھی منشا الٰہی اور حکم سماوی کو پورا کرنے کا منصب حاصل کرسکیں) یہاں تک کہ ان کا ہاتھ بھی خداوندی ہاتھ اور ان کا فعل بھی آسمانی فعل ہوجائے۔ از مصنف۔''

(۲) حافظ ابن حجرؒ ''فتح الباری'' میں ج:۱۲ ص:۱۷۷ پر کشمیھنی سے بروایت ابوذرؓ اسی حدیث کو ''المفارق لدینہ التارک للجماعۃ'' کے الفاظ کے .... (باقی اگلے صفحہ پر)

"لا یحل دم امرأ مسلم یشهد ان لا اله الا الله
وانی رسول الله الا باحدیٰ ثلاث: (۱)النفس بالنفس.
(۲)والثیب الزانی. (۳)والمارق من دینه التارک
للجماعة." (بخاری ج:۲ ص:۱۰۱۶)

ترجمہ:......"جو مسلمان لا الٰہ الا اللہ کی اور میرے رسول اللہ ہونے کی شہادت دے دے اس کا خون بہانا حلال اور جائز نہیں، بجز ان تین صورتوں کے (جرموں کے جو موجب قتل ہیں): (۱)جان کے بدلے میں جان (مقتول کے قصاص میں قاتل کو قتل کیا جائے گا)۔ (۲)شادی شدہ ہوکر زنا کرے (سنگسار کیا جائے گا)۔ (۳)دین سے نکل جائے، جماعت مسلمین سے الگ ہوجائے (زندیق و مرتد ہے قتل کیا جائے گا)۔"

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: حافظ ابن حجرؒ اس "المفارق لدینه التارک للجماعة." کا اولی مصداق مرتد کو قرار دیتے ہیں، اور اس کی تائید میں احادیث سے شواہد پیش فرماتے ہیں، لیکن بالکل یہی عنوان "المروق من الدین والاسلام" اور بعینہٖ یہی لفظ: "یمرقون من الدین" خوارج کی مشہور احادیث میں

(گزشتہ سے پیوستہ) ساتھ روایت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کشمیھنی کے علاوہ باقی حضرات امام بخاریؒ سے اس کے بجائے "المارق من الدین" روایت کرتے ہیں، نسفی، سرخسی اور مستملی اسی روایت کو "المارق لدینہ" کے الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں، (بالفاظ دیگر یہ حدیث امام بخاریؒ سے تین طرق سے مروی ہے، (۱)کشمیھنی کے طریق میں "المفارق لدینہ" کے الفاظ ہیں۔ (۲)نسفی، سرخسی اور مستملی کے طریق میں "المارق لدینہ" کے الفاظ ہیں۔ (۳)اور بخاری کے عام نسخوں میں "المارق من الدین" کے الفاظ ہیں، درحقیقت ایک روایت کے الفاظ دوسری روایت کے الفاظ کی شرح کرتے ہیں، فرق صرف الفاظ کا ہے معنی اور مراد ایک ہے۔

آئے ہیں، لہٰذا ان خوارج کا حکم بھی وہی ہونا چاہئے جو مرتدین کا ہے، یعنی کفر اور قتل (نہ کہ باغی مسلمانوں کا)۔

خوارج کے متعلق حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق:

(حافظ ابن تیمیہؒ اپنے ''فتاویٰ'' میں چنگیزی تاتاریوں اور ان کے اعوان و انصار مسلمانوں کے بارے میں ایک استفتاء کے جواب کے تحت ان تمام فرق باطلہ و زائغہ کے معتقدات و احکام مع دلائل بیان فرماتے ہیں جو خود کو مسلمان کہتے یا کہلاتے ہیں، مصنف رحمہ اللہ اس طویل و مبسوط بیان سے اپنے موضوع سے متعلق مذکورہ ذیل اقتباسات پیش فرماتے ہیں۔)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے ''فتاویٰ'' میں ج:۴ ص:۲۸۵ پر اول خوارج کے متعلق علمائے امت کے دو قول نقل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں:

> ''تمام امت خوارج کی مذمت اور ان کو گمراہ کہنے پر متفق ہے، اختلاف صرف ان کو کافر کہنے یا نہ کہنے میں ہے، اس سلسلہ میں امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے مذہب میں دو قول ہیں (یعنی مالکیہ اور حنابلہ کے مستقل دو قول ہیں، بعض کافر کہتے ہیں اور بعض نہیں)، امام شافعیؒ کے مذہب میں بھی ان کی تکفیر کے بارے میں ایسا ہی اختلاف ہے (بعض شوافع کافر کہتے ہیں بعض نہیں)، اس لئے امام احمدؒ وغیرہ ائمہ مجتہدین کے مذہب میں ان خوارج کے بارے میں پہلے طریق کار کی بنا پر (کہ تمام باغی فرقے یکساں ہیں اور ان کا حکم بھی ایک ہے) دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ یہ باغیوں کی طرح مسلمان ہیں، دوسرے یہ کہ مرتدین کی طرح کافر ہیں، ان کو ابتداءً بھی (یعنی آمادۂ جنگ

ہوئے بغیر بھی) قتل کرنا جائز ہے، اسی طرح ان کے قیدیوں کو قتل کرنا بھی درست ہے، بھاگتے ہوؤں کا تعاقب کرنا بھی جائز ہے، اور جو قبضہ میں آجائیں ان سے مرتد کی طرح توبہ کرائی جائے اگر توبہ کرلیں تو فبہا ورنہ قتل کردیا جائے، جیسا کہ ان زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں کے متعلق جو امام سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوں، امام احمدؒ کے دوقول ہیں، ایک یہ کہ وجوب زکوٰۃ کا اقرار کرنے کے باوجود محض امام کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرنے کی بنا پر ان کو کافر و مرتد قرار دیا جائے، دوسرے یہ کہ ان کو باغی مسلمان کہا جائے۔"

اس کے بعد ص:۳۰۰ پر حافظ ابن تیمیہؒ اپنی رائے بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں:

"صحیح یہ ہے کہ یہ لوگ (چنگیز خانی ترک، تاتاری) تاویل کرنے والے باغیوں میں سے نہیں ہیں، اس لئے کہ ان کے پاس کوئی قابل قبول تاویل، جس کی لغتاً گنجائش ہو، قطعاً نہیں ہے، یہ تو یقیناً دین سے نکل جانے والے خارجیوں، زکوٰۃ سے انکار کرنے والے مرتدوں، مسلمان ہونے کے باوجود سود کو حلال کہنے والے اہل طائف، فرقہ خرمیہ اور اسی نوع کے بے دین فرقوں کے قبیل سے ہیں، جن سے اسلام کے احکام شرعیہ سے نکل جانے (اور کافر ہوجانے) کی بنا پر ہمیشہ جنگیں کی گئی ہیں۔"

تکفیر خوارج کے باب میں فقہاءؒ کا اشتباہ اور وجہ اشتباہ:

اس کے بعد حافظ ابن تیمیہؒ فقہاءؒ کو جس چیز سے (خوارج کے بارے میں) دھوکا لگا ہے (اور انہوں نے ان پر باغی مسلمان ہونے کا حکم لگایا ہے) اس پر متنبہ فرماتے ہیں:

''یہ ایک مقام ہے جس میں اکثر و بیشتر فقہاءؒ نے دھوکا کھایا ہے، صرف اس لئے کہ مؤرخین و مصنّفین نے باغیوں سے جنگ کرنے کے ذیل میں مانعین زکوٰۃ اور خوارج کی جنگ کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اہلِ بصرہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنواؤں کے ساتھ جنگ کو، ایک قرار دے کر ''قتال بغاۃ'' کے تحت دونوں کو جمع کر دیا اور ان تمام جنگوں کو (یکساں اور) شرعاً مامور بہ قرار دے دیا اور اس طرح کے احکام و مسائل متفرع کئے جیسے یہ تمام لڑائیاں سب یکساں اور ایک نوع کی ہیں، اور ان مصنّفین کی بہت بڑی غلطی ہے، اس سلسلہ میں صحیح رائے (اور فیصلہ) وہی ہے جو امام اوزاعیؒ، ثوریؒ، مالکؒ، احمدؒ وغیرہ ائمہ حدیث و سنت اور اہل مدینہ کی ہے کہ ان دونوں قسم کی لڑائیوں میں فرق کرنا چاہئے (پہلی قسم کے لوگ کافر و مرتد ہیں اور ان سے لڑائیاں ''قتال کفار'' کے ذیل میں آنی چاہئیں اور ان پر کفار کے احکام مرتب کرنے چاہئیں اور دوسری قسم کے لوگ مسلمان باغی ہیں، ان سے لڑائیاں ''قتال بغاۃ'' کے ذیل میں آنی چاہئیں اور ان پر مسلمان باغیوں کے احکام مرتب کرنے چاہئیں)۔''

(دیکھئے حافظ ابن تیمیہؒ کے اس بیان سے خوارج کا ان کے نزدیک کافر ہونا محقق ہوگیا۔)

روزہ، نماز کی پابندی کے باوجود مسلمان مرتد ہوجاتا ہے:

حافظ ابن تیمیہؒ ص:۲۹۱ پر ان نام نہاد مسلمانوں کے متعلق جو تاتاریوں کا ساتھ دے رہے تھے، فرماتے ہیں:

"اور ان (چنگیزیوں کے اعوان و انصار مسلمانوں) میں احکام شرعیہ اسلامیہ سے اتنا ہی ارتداد موجود ہے جتنا اس (چنگیز خان نے) احکام شرعیہ اسلامیہ سے انحراف کیا ہے، اور جبکہ سلف صالحین (صحابہؓ و تابعینؒ) نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کا نام مرتد رکھا، حالانکہ وہ نمازیں بھی پڑھتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے اور عام مسلمانوں سے جنگ بھی نہیں کرتے تھے (تو ان کو کیوں نہ مرتد کہا جائے؟ یہ تو صریح کفریہ وشرکیہ اعمال و افعال کے مرتکب ہیں، معلوم ہوا حافظ ابن تیمیہؒ کے نزدیک موجب ارتداد قول و فعل کا ارتکاب اور ضروریاتِ دین سے انکار کرنے والے، روزہ نماز کی پابندی کے باوجود کافر و مرتد ہوجاتے ہیں)۔"

کلمہ شہادت پڑھنے اور خود کو مسلمان کہنے اور سمجھنے کے باوجود انسان کافر و مرتد ہوجاتا ہے:

ص:۲۸۲ پر "الطریقة الثانیة" (کہ دونوں قسم کی لڑائیوں کو الگ الگ رکھا جائے) کے تحت فرماتے ہیں:

"بحث ان تاتاریوں کے متعلق ہے جو آئے دن شام

پر خونریز حملے کرتے اور بے قصور مسلمانوں اور ان کے بیوی بچوں کا خون بہاتے رہتے ہیں، حالانکہ زبان سے کلمہ شہادت بھی پڑھتے ہیں، خود کو مسلمان بھی کہتے ہیں اور اس پہلے کفر سے کنارہ کش بھی ہوگئے ہیں جس پر پہلے قائم تھے (یعنی مسلمان ہوگئے ہیں، مگر اس کے باوجود مسلمانوں کے جان و مال کو مباح اور لوٹ مار کو حلال سمجھتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کو کیا کہا جائے؟ مسلمان باغی یا کافر و مرتد؟ ظاہر ہے کہ جو مسلمانوں کے جان و مال کو اپنے لئے حلال سمجھے وہ کافر ہے)۔''

ص:۲۴۲ پر (ان لوگوں کی تردید و تجہیل کرتے ہوئے جو ''جمل'' و ''صفین'' کی جنگوں کو اور خوارج وحروریہ کی جنگوں کو یکساں قرار دیتے ہیں) فرماتے ہیں:

''جیسا کہ دین سے نکل جانے والے خارجیوں کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے (کہ وہ بھی رافضیوں اور معتزلیوں کی طرح ''جمل'' و ''صفین'' میں جنگ کرنے والے صحابہ کو کافر یا فاسق کہتے ہیں) اس لئے سلف صالحین (صحابہؓ و تابعینؒ) اور ائمہ دین کے ان کی تکفیر کے متعلق بھی دو قول مشہور ہیں (جن کا تذکرہ سابقہ اقتباسات میں آچکا ہے)۔''

انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت عیسیٰؑ پر طعن و تشنیع اور ان کی توہین و تذلیل کرنے والے مسلمان، کافر و مرتد ہیں:

ص:۲۳۶ پر باطنی فرقہ کے شاہان مصر (فاطمیین) کے کفر و ارتداد پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''پھر ان باطنیوں نے حضرت مسیح (عیسیٰ) علیہ السلام

کو خاص طور پر ہدف طعن و تشنیع بنایا اور ان کو یوسف نجار (بڑھئی) کی جانب منسوب کیا (کہ وہ یوسف نجار کے بیٹے تھے) ان کو عقل و تدبر سے کورا اور بے وقوف بتلایا اس لئے کہ وہ اپنے دشمنوں کے ہاتھ آگئے، یہاں تک کہ انہوں نے ان کو سولی پر چڑھادیا، لہٰذا یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام پر سبّ وشتم اور طعن و تشنیع کرنے میں یہودیوں کے ہمنوا ہیں (اس لئے کہ انبیاً علیہم السلام خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر طعن و تشنیع کرنا اور ان کو بدنام و رسوا کرنا ہمیشہ سے یہودیوں کا شیوہ رہا ہے) بلکہ یہ تو یہودیوں سے بھی زیادہ برے اور ضرر رساں ہیں کہ مسلمان اور قرآن کے متبع کہلاکر انبیاً علیہم السلام پر طعن و تشنیع اور ان کی توہین و تذلیل کرتے ہیں (اس لئے یقیناً کافر و مرتد ہیں)۔"

ص:۲۹۳ پر اس امر کی (کہ کفار کی بہ نسبت ایک مسلمان کے موجب کفر و ارتداد قول و فعل کی شناعت اور مضرت بہت زیادہ ہے) مزید وضاحت فرماتے ہیں:

"اس لئے کہ اصلی مسلمان جب اسلام کے کسی بھی قطعی حکم یا عقیدہ سے منحرف و مرتد ہوجائے تو وہ اس کافر سے بدرجہا زائد ضرر رساں ہوتا ہے جو ابھی تک اسلام میں داخل نہیں ہوا، جیسے وہ زکوٰۃ سے انکار کرنے والے مرتدین جن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (دوسرے تمام کافروں اور مشرکوں کو چھوڑ کر) جنگ(۱) کی (اس لئے کہ ان کا کفر و انحراف اسلام کی بنیادوں کو ہلا دینے والا تھا)۔"

---

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ کے مذکورہ بالا اقتباسات سے قطعی طور پر واضح و محقق ہوگیا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ تمام افراد اور فرقے جو مسلمان کہلانے .... (باقی اگلے صفحہ پر)

زندیقوں اور ملحدوں کا الحاد و زندقہ ظاہر ہو جانے اور منظر عام پر آ جانے کے بعد ان کی توبہ بھی مقبول نہیں:

(حضرت مصنف علیہ الرحمۃ زندیقوں اور ملحدوں کے کفر و ارتداد کو ثابت کرنے کے بعد ان کی توبہ کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کے متعلق فقہاؒ کے اقوال نقل فرماتے ہیں) صاحب ''درمختار'' ان فرقوں کے ذیل میں جن کی توبہ مقبول نہیں، فرماتے ہیں:

فتح القدیر میں ہے کہ وہ منافق جو (دل میں) کفر کو چھپاتا اور (زبان سے) اسلام کا اظہار کرتا ہے اس زندیق (بے دین) کی طرح ہے جو کسی دین کو بھی نہ مانتا ہو، (اور جیسے اس کی توبہ مقبول نہیں، ایسے ہی اس کی بھی توبہ مقبول نہیں) اسی طرح اس شخص یا فرقہ (کی توبہ بھی مقبول نہیں) جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ (ظاہر میں مسلمان کہلانے کے باوجود) باطن میں کسی بھی ضروریاتِ دین کا انکار کرتا ہے، مثلاً شراب کی حرمت کہ ظاہر میں تو اس کے حرام ہونے کے اعتقاد کا اظہار کرے (مگر باطن میں شراب کو حلال جانتا اور سمجھتا ہو) پوری بحث فتح القدیر میں ہے (جس کا حاصل یہ ہے کہ جیسے زندیق کی توبہ کا اعتبار نہیں، اس لئے کہ وہ خدا کو مانتا ہی نہیں ایسے ہی اس منافق کی توبہ پر بھی اطمینان نہیں)۔

علامہ شامیؒ ''رد المحتار'' میں ج:۳ ص:۲۹۷ و ۴۱ طبع جدید ۱۳۲۴ھ پر ''درمختار'' کی مذکورہ بالا عبارت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

(گزشتہ سے پیوستہ) اور اہل قبلہ میں سے ہونے کے باوجود اسلام کے قطعی اور یقینی عقائد و احکام سے انحراف و انکار کریں یا انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سب و شتم یا توہین و تذلیل کریں، وہ نہ صرف کافر و مرتد اور واجب القتل ہیں بلکہ دوسرے تمام کافروں اور غیر مسلموں سے زیادہ اسلام کے دشمن اور مضرت رساں ہیں، ان کی بیخ کنی سب سے زیادہ ضروری اور مقدم ہے، نیز یہ کہ ان کی کوئی تاویل بھی مسموع و معتبر نہیں۔ از مترجم۔

''نور العین میں تمہید کے حوالہ سے مذکور ہے کہ ایسے گمراہ فرقے جن کی گمراہی اس طرح ظاہر ہوجائے اور منظر عام پر آجائے کہ (اس کی بنا پر) ان کی تکفیر واجب ہوجائے، اگر وہ اس گمراہی سے باز نہ آئیں یا توبہ نہ کریں تو ان سب کا قتل کردینا جائز ہے، ہاں اگر توبہ کرلیں اور مسلمان ہوجائیں تو ان کی توبہ قبول کرلی جائے گی، بجز رافضیوں میں سے اباحیہ، غالیہ اور شیعہ فرقوں کے، اور فلاسفہ میں سے قرامطہ اور زنادقہ کے کہ ان کی توبہ کسی حال قبول نہ ہوگی، توبہ کریں یا نہ کریں، توبہ کرنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی بہرحال ان کو قتل کردیا جائے گا، اس لئے کہ یہ لوگ خالق عالم تو کسی کو مانتے ہی نہیں پھر توبہ و استغفار کس سے کریں گے؟ اور ایمان کس پر لائیں گے؟''

اس کے بعد علامہ شامیؒ اس کی مزید تشریح اور اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہیں:

''بعض علمائ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اپنے گمراہ عقیدوں کا راز فاش ہونے (اور مسلمان حاکم تک معاملہ پہنچنے) سے پہلے توبہ کرلیتے ہیں تو ان کی توبہ قبول ہوجائے گی ورنہ نہیں۔''

وہ فرماتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تقاضا بھی یہی ہے اور یہی بہترین فیصلہ ہے۔''

علامہ شامیؒ ج:۳ ص:۲۸۶ باب المرتد کے ذیل میں زندیق کی توبہ مقبول نہ ہونے کے ثبوت کے لئے فرماتے ہیں:

”حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زندیق کی طرح اس شخص کی توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی جو بار بار مرتد ہوتا رہا ہو۔ امام مالک، امام احمد اور امام لیث رحمہم اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اگر کسی نے بار بار ایسا کیا (یعنی بار بار توبہ کی اور بار بار منحرف و مرتد ہوتا رہا ہو) تو اس کو دھوکے سے قتل کردیا جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی گھات میں لگے رہیں، جوں ہی کسی وقت زبان سے کلمہ کفر کہے فوراً اسے قتل کردیں، اس سے پہلے کہ وہ توبہ کرے، اس لئے کہ اس شخص کے طرز عمل سے توبہ و استغفار کے ساتھ استہزاً ظاہر ہوچکا (اور ایسے شخص کی توبہ ہی کیا جو توبہ و استغفار کے ساتھ بھی استہزاً کرے)۔“ (۱)

ضروریاتِ دین کی طرح ہر قطعی امر کا انکار بھی موجب کفر ہے، ضروری اور قطعی کافر کا فرق:

علامہ شامی رحمہ اللہ ”رد المحتار“ ج:۳ ص:۲۸۴ پر فرماتے ہیں:

”بظاہر شیخ ابن ہمامؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تکفیر کا حکم صرف ان امور کے انکار کے ساتھ مخصوص ہے جو ضروریاتِ دین میں سے ہوں (یعنی بطور تواتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں)، حالانکہ ہمارے (احناف کے) نزدیک تو تکفیر کے لئے صرف قطعی الثبوت ہونا شرط ہے، اگرچہ

---

(۱) مذکورہ بالا اقتباسات سے محقق ہوگیا کہ ملحد اور زندیق کی توبہ کسی کے نزدیک بھی اور کسی صورت میں بھی مقبول نہ ہوگی۔ از مترجم۔

ضروریاتِ دین میں سے نہ بھی ہو، بلکہ ہمارے نزدیک تو ایسے قول وفعل پر بھی کافر کہا جاسکتا ہے جو موجب توہین و استخفاف نبی ہو، اسی لئے شیخ ابن ہمامؒ نے ''مسایرہ'' میں فرمایا ہے:

''ما ینفی الاستسلام او یوجب التکذیب فھو کفر.''

ترجمہ:...... ''ہر وہ (قول وفعل) جو تسلیم واطاعت کے منافی ہو یا تکذیب (نبی) کے لئے موجب ہو، وہ کفر ہے۔''

چنانچہ وہ تمام موجب توہین امور جو ہم حنفیہ کی جانب سے نقل کرچکے ہیں، جن میں قتل نبی سب سے اہم ہے کہ اس میں، دین کی توہین سب سے زیادہ واضح ہے (پہلی شق میں داخل ہیں یعنی) اطاعت وتسلیم دین کے منافی ہیں (اس لئے کہ توہین و استخفاف تسلیم و اطاعت کے قطعاً منافی ہے) اور ہر اس امر کا انکار جو قطعی اور یقینی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو (دوسری قسم میں داخل ہے یعنی) تکذیب (نبی) کا موجب ہے۔ باقی ان قطعی امور کا انکار جو ضروریاتِ دین کے تحت نہیں آتے (یعنی ان کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی و یقینی نہیں ہے) مثلاً متوفی کی لڑکی کے ساتھ اس کی پوتی کو بھی چھٹے حصہ کا مستحق قرار دینا، جو اجماعِ امت سے ثابت (اور یقینی) ہے، تو حنفیہ(۱) کے بیان کے مطابق ان کا انکار بھی موجب کفر ہے (اس لئے کہ یہ انکار اطاعت وتسلیم دین کے

---

(۱) حاصل یہ ہے کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی بھی امر کا انکار تو متفقہ طور پر موجب کفر ہے، باقی حنفیہ دین کے ان قطعی امور کے انکار کو بھی موجب کفر .... (باقی اگلے صفحہ پر)

منافی ہے) اس لئے کہ حنفیہ نے تکفیر کے لئے صرف ثبوت من الدین کے قطعی ہونے کی شرط لگائی ہے (ضروریاتِ دین میں سے ہونا ان کے نزدیک شرط نہیں ہے) نیز فرماتے ہیں: اور یہ بھی ضروری ہے کہ منکر کو اس کے قطعی ہونے کا علم بھی ہو، اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک جن دو چیزوں پر تکفیر کا مدار ہے، یعنی ایک تکذیب نبی اور دوسرے استخفاف وتوہین دین، یہ اسی وقت متحقق ہوں گے جبکہ منکر کو اس بات کا علم بھی ہو (کہ میں اس امر قطعی کا انکار کر کے تکذیب نبی یا توہین دین کا ارتکاب کر رہا ہوں) اور جب اس کو اس بات کا علم ہی نہ ہو تو اس کو کافر نہیں کہا جاسکتا، الّا یہ کہ اہل علم اس کو بتلائیں (کہ تم اس امر قطعی کا انکار کر کے تکذیب نبی یا توہین دین کے مرتکب ہو رہے ہو) اور اس کے باوجود وہ (باز نہ آئے اور) اپنی بات پر اڑا رہے (تو بے شک اس کو کافر کہا جائے گا)۔''

(گزشتہ سے پیوستہ) کہتے ہیں، جو اگرچہ ضروریاتِ دین میں سے تو نہ ہوں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا ثبوت تو قطعی نہ ہو مگر قطعی دلائل مثلاً اجماع وغیرہ سے وہ ثابت ہوں، اس بیان سے ضروریاتِ دین اور امور قطعیہ کا فرق بھی واضح ہوگیا، ''قطعی'' ہر اس امر کو کہتے ہیں جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہو اور ''ضروری'' ہر اس امر کو کہتے ہیں جس کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی ہو، یعنی بطور تواتر رسول اللہ سے ثابت ہو، دلائل قطعیہ چار ہیں: کتاب اللہ، خبر متواتر، اجماع، قیاسِ جلی۔ بالفاظ دیگر ہر امر ضروری قطعی ہے لیکن ہر امر قطعی کے لئے ضروری ہونا شرط نہیں، قطعی عام ہے اور ضروری خاص، یہی ضروری اور قطعی میں فرق ہے۔ از مترجم۔

تکفیر کا ایک کلیہ قاعدہ: کسی بھی حرام قطعی کو حلال کہنے والا کافر ہے:

حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ ''تنبیہ'' کے عنوان سے ''شامی'' کا مذکورہ ذیل اقتباس نقل فرماتے ہیں اور ان بے باک لوگوں کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں جو بے دھڑک حرام کو حلال اور حلال کو حرام کہہ دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

تنبیہ:

علامہ شامی ''البحر الرائق'' کے حوالہ سے ''ردالمحتار'' میں ج:۳ ص:۲۸۴ پر فرماتے ہیں:

> ''البحر الرائق میں مذکور ہے کہ (تکفیر کے باب میں) قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص کسی بھی امر حرام کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو اگر وہ امر حرام لعینہ (فی نفسہٖ حرام) نہیں ہے تو اس کے حلال کہنے والے کو کافر نہ کہا جائے گا، مثلاً غیر کا مال (یعنی کوئی شخص لوگوں کے مال کو اپنے لئے حلال سمجھتا ہو) اور اگر وہ حرام لعینہٖ (فی نفسہٖ حرام) ہے تو اس کے حلال ماننے والے کو کافر کہا جائے گا، بشرطیکہ قطعی دلیل سے اس کی حرمت ثابت ہو (جیسے کہ شراب وخنزیر) ورنہ نہیں، (یعنی اگر اس حرام لعینہ کی حرمت کسی قطعی دلیل سے ثابت نہ ہو تو اس کے حلال ماننے والے کو کافر نہ کہا جائے گا) بعض علماءؒ کی رائے ہے کہ (صاحب البحر الرائق کی بیان کردہ) یہ تفصیل (اور فرق) اس شخص کے حق میں تو درست ہے جو (حرام لعینہ اور اور حرام لغیرہ اور اس کے فرق کو) جانتا ہو لیکن جو شخص اس سے ناواقف ہے

اس کے حق میں یہ حرام لعینہ اور حرام لغیرہ کا فرق معتبر نہ ہوگا،
بلکہ اس کے حق میں صرف قطعی ہونے یا نہ ہونے پر مدار ہوگا،
اگر امر قطعی کی حرمت کا انکار کرے گا تو کافر ہوجائے گا، ورنہ
نہیں، مثلاً: اگر کوئی کہے کہ شراب حرام نہیں ہے تو اس کو کافر کہا
جائے گا، تفصیل کے لئے البحر الرائق کی مراجعت کیجئے۔"

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: علامہ شامیؒ نے "زکوٰۃ الغنم" کے ذیل میں ج:۲ ص:۳۵ پر تصریح کی ہے کہ تکفیر کا مدار قطعی (۱) ہونے پر ہے، اگرچہ حرام لغیرہ ہی ہو، (یعنی اگر حرام لغیرہ کو ہی حلال کہے اور اس کی حرمت قطعی ہو تو اس کو کافر کہا جائے گا) فرماتے ہیں: مسئلہ نماز بدوں طہارت کے ذیل میں ج:۱ ص:۴۷ پر بھی کچھ اس کا بیان آیا ہے۔

اصولِ دین اور امور قطعیہ کا منکر متفقہ طور پر کافر ہے:

(علامہ ابن عابدین شامیؒ "ردالمحتار" میں ج:۳ ص:۳۱۰، ۴۲۸ پر طبع جدید "باب البغاۃ" میں ترک تکفیر خوارج سے متعلق "فتح القدیر" کی وہ عبارت جس کا حوالہ صاحب درمختار نے دیا ہے، نقل کرنے کے بعد بطور استدراک فرماتے ہیں:)

"لیکن شیخ ابن ہمامؒ نے "مسایرہ" میں تصریح کی ہے

---

(۱) اس زمانہ میں جو لوگ "ربوا" (سود) جیسی قطعی چیز کو حلال کہہ رہے ہیں، حالانکہ اس کی حرمت قرآن میں منصوص ہے: "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا." ان کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے، درآں حالیکہ قرآن کریم میں صرف اسی تحلیل ربوا پر اہل طائف سے اعلانِ جنگ کیا گیا ہے، حالانکہ وہ مسلمان ہوچکے تھے اور روزہ نماز کے قائل تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ." یہ آیت انہی اہل طائف کے حق میں نازل ہوئی ہے اور سود کو حلال کہنے پر ہی ان سے جنگ کی گئی ہے۔ (مراجعت کیجئے فتاویٰ ابن تیمیہ ج:۴ ص:۲۸۲، ۲۶۸) از مترجم۔

کہ اصولِ دین اور ضروریاتِ دین کا مخالف (منکر) متفقہ طور پر کافر ہے، مثلاً جو شخص عالم کو قدیم مانے یا حشر جسمانی کا انکار کرے، یا اللہ تعالیٰ کے عالم جزئیات ہونے کا منکر ہو (وہ متفقہ طور پر کافر ہے) اختلاف ان (اصول وضروریات دین) کے علاوہ عقائد واحکام میں ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات کے مبادی کا انکار (یعنی صفاتِ الٰہیہ کے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم و قدیم ہونے کا انکار)، یا اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے (خیر وشر دونوں کے لئے) عام ہونے کا انکار (یعنی صرف خیر کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے تحت داخل ماننا اور شر کو اس کے ارادہ و مشیت سے خارج کہنا)، قرآن کو مخلوق کہنا (یعنی اس قسم کے نظری اور تفصیلی عقائد کے متعلق اختلاف ہے، بعض علماء ان کے منکر کو بھی کافر کہتے ہیں اور بعض علماء کافر نہیں کہتے، بلکہ فاسق و مبتدع کہتے ہیں)۔"

علامہ شامیؒ شیخ ابن ہمامؒ کے اس بیان کی تائید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"اسی طرح شرح "منیۃ المصلی" میں بیان کیا ہے کہ:

کسی شبہ (اور تاویل) کی بنا پر شیخین (ابوبکر وعمر) رضی اللہ عنہما کی خلافت کے منکر اور ان پر (العیاذ باللہ!) سبّ وشتم کرنے والے کو بھی کافر نہیں کہا جائے گا (بلکہ فاسق ومبتدع کہا جائے گا) بخلاف اس شخص کے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خدا ہونے کا مدعی ہو (جیسے "حلولیہ" فرقہ کا عقیدہ ہے) اور یہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے (حضرت علیؓ کے بجائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے جانے میں) غلطی کی ہے (جیسے

غالی شیعہ کا عقیدہ ہے) ایسے لوگوں کو ضرور کافر کہا جائے گا، اس لئے کہ یہ عقیدہ یقیناً کسی شبہ (تاویل) اور تلاش حق کی کاوش و جستجو پر مبنی نہیں ہے (بلکہ محض کفر اور خباثت نفس ہے)۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ پر بہتان لگانے والا کافر ہے:

(اس کے بعد علامہ شامیؒ فرماتے ہیں):

"میں کہتا ہوں کہ اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگائے، یا ان کے والد بزرگوار (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کے صحابی ہونے کا منکر ہو، اس لئے کہ یہ قرآن عظیم کی کھلی ہوئی تکذیب ہے جیسا کہ اس سے پہلے باب میں بیان ہو چکا ہے۔"

منکر خلافت شیخینؓ قطعاً کافر ہے:

(حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ منکر خلافت شیخینؓ کے بارے میں شرح "منیۃ المصلی" کے مذکورہ بالا بیان سے اختلاف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:)

اکثر فقہاء منکر خلافت شیخین رضی اللہ عنہما کو مطلقاً کافر کہتے ہیں، چنانچہ "درر منتقی" میں شرح "وہبانیہ" سے اس کے ثبوت میں ذیل کا شعر نقل کیا ہے:

"وصح تکفیر نکیر خلافة الـ
عتیق وفی الفاروق ذاک اظھر."

ترجمہ:......"خلافت عتیق، یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا منکر صحیح یہ ہے کہ کافر ہے، اور خلافتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا منکر بھی کافر ہے اور یہی بات قوی ہے۔"

فرماتے ہیں: بلکہ "خلاصۃ الفتاویٰ" اور "صواعق" میں تو نقل کیا ہے کہ:

''اصل (مبسوط) میں امام محمد بن الحسن نے اس کی تصریح کی ہے (کہ منکر خلافت شیخین کافر ہے) اسی طرح ''فتاویٰ ظہیریہ'' میں بھی اسی کو صحیح کہا ہے جیسا کہ ''فتاویٰ ہندیہ'' (عالمگیری) میں مذکور ہے۔''

علامہ شامیؒ کا تساہل:

فرماتے ہیں: لہٰذا علامہ ابن عابدین شامیؒ نے مذکورہ بالا بیان میں بحوالہ شرح ''منیۃ المصلی'' شبہ کی بنا پر منکرِ خلافتِ شیخین کو کافر نہ کہنے میں تساہل سے کام لیا ہے، چنانچہ ''خزانۃ المفتیین'' میں بھی اسی کو صحیح کہا (کہ منکرِ خلافتِ شیخین مطلقاً کافر ہے) جیسا کہ ''فتاویٰ انقرویہ'' میں مذکور ہے۔

اسی طرح ''فتاویٰ عزیزیہ'' میں ج:۲ ص:۹۴ پر ''برہان'' سے اور ''فتاویٰ بدیعیہ'' سے اور اس کے علاوہ دیگر کتب فتاویٰ سے نیز بعض شوافع اور حنابلہ سے بھی نقل کیا ہے (کہ منکرِ خلافتِ شیخین کافر ہے) ''برہان'' کی عبارت حسب ذیل ہے:

''ہمارے علماءؒ (احناف) اور امام شافعی رحمہم اللہ نے فاسق کی امامت کو اور اس مبتدع (گمراہ) کی امامت کو جس کی بدعت (گمراہی) پر کفر کا حکم نہ لگایا گیا ہو مکروہ کہا ہے نہ کہ فاسد جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ فاسد فرماتے ہیں، لہٰذا ہمارے نزدیک تمام اہل بدعت (گمراہ فرقوں) کے پیچھے اقتدأ جائز ہے، بجز جہمیہ، قدریہ، غالی رافضی، خلق قرآن کے قائلین، خطابیہ اور مشبہ کے (کہ ان کے پیچھے نماز قطعاً جائز نہیں، اس لئے کہ یہ تمام فرقے کافر ہیں)۔''

فرماتے ہیں: حاصل یہ ہے کہ جو مسلمان اہل قبلہ غالی نہ ہو اور اس کے کافر

ہونے کا حکم نہ لگایا گیا ہو، اس کے پیچھے نماز جائز تو ہے مگر مکروہ ہے اور جو شفاعت، رؤیت الٰہی، عذابِ قبر، کراماً کاتبین وغیرہ متواترات کا انکار کرے، اس کے پیچھے نماز قطعاً جائز نہیں، اس لئے کہ یہ منکر یقیناً کافر ہے کیونکہ ان امور کا ثبوت صاحب شریعت سے حد تواتر کو پہنچ چکا ہے، ہاں جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و جلال کی وجہ سے نظر نہیں آسکتے، وہ مبتدع ہے (کافر نہیں، اس لئے کہ یہ نفس رؤیت کا منکر نہیں بلکہ اپنے قصور فہم کی وجہ سے رؤیت الٰہی کو ناقابل حصول سمجھتا ہے) اس کے برعکس جو شخص ''خفین پر مسح'' کا منکر ہو، یا ابوبکر صدیق، یا عمر فاروق، یا عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی خلافت کا منکر ہو، اس کے پیچھے نماز قطعاً جائز نہیں (اس لئے کہ یہ امر متواتر مجمع علیہ کا منکر اور کافر ہے) ہاں جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (خلفاءٔ ثلاثہ سے) افضل مانتا ہو، اس کے پیچھے نماز جائز ہے اس لئے کہ یہ بھی مبتدع ہے (کافر نہیں)۔

فرماتے ہیں: باقی امام محمد تو امام ابو یوسف اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ اہل بدعت کے پیچھے مطلقاً نماز جائز نہیں۔

وہ تمام خوارج کافر ہیں جو حضرت علیؓ کو کافر کہتے ہیں:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ مصنف ''تحفہ اثنا عشریہ'' نے ''تحفہ'' کے آخر میں ان تمام خوارج کی تکفیر کو ترجیح دی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے ہیں، چنانچہ ''باب التولی والتبری'' کے مقدمہ سادسہ میں اس کو بیان کیا ہے، لیکن مصنف تحفہ نے اس مقام پر کفر و ارتداد میں فرق کیا ہے، لیکن کتب فقہ میں یہ فرق اس شخص کے حق میں، جو مسلمان ہونے کا مدعی ہو، معروف نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ قصداً تبدیل مذہب کو ارتداد اور تبدیل مذہب کے قصد کے بغیر دین کو کفر کہتے ہیں، باقی ان کے بیان سے دونوں کے حکم میں کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا، بجز اس کے کہ مرتد کا قتل واجب ہے اور کافر کا قتل جائز۔

''فتاویٰ عزیزیہ'' میں حضرت شاہ صاحب کے بیشتر بیانات سے بھی خارجیوں اور ان جیسے لوگوں کی تکفیر ہی ظاہر ہوتی ہے، باقی فتاویٰ کے ج:۱ ص:۱۹ پر جو ان کا بیان ہے وہ خود ان کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے، چنانچہ ج:۱ص:۱۲ و ۱۱۹ پر خود انہوں نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

التزام کفر اور لزوم کفر میں کچھ فرق نہیں:

حضرت شاہ صاحب ''فتاویٰ عزیزیہ'' میں ج:۱ ص۹۵ پر فرماتے ہیں کہ: ''امور یقینیہ میں التزام کفر اور لزوم کفر میں کچھ فرق نہیں (یعنی جو شخص کسی بھی قطعی موجب کفر قول یا فعل کا ارتکاب کرے گا وہ بہرصورت کافر ہو جائے گا، خواہ جان بوجھ کر ارتکاب کرے، خواہ نہ جانتا ہو، خواہ قصد کفر کرے، خواہ نہ کرے) چنانچہ ''تحفہ اثنا عشریہ'' میں کید:۹۱ کے ذیل میں اور ''باب امامت'' کے عقیدہ نمبر:۶ کے ذیل میں آیت کریمہ: ''یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ.'' کے تحت اس کا بیان موجود ہے، اور کچھ اس کا بیان ''باب تولی وتبری'' کے پانچویں مقدمہ کے اندر بھی آیا ہے۔

رسول اللہؐ کے بعد نبوت و رسالت کا دعویٰ موجب کفر و ارتداد ہے:

علامہ شہاب خفاجی ''شرح شفا'' نسیم الریاض (ج:۴) ''فصل الوجہ الثالث'' کے ذیل میں ص:۴۳۰ اور ص:۵۷۹ پر فرماتے ہیں:

> ''اسی طرح ابن قاسم مالکیؒ نے اس شخص کو مرتد کہا ہے جو خود کو نبی کہے اور دعویٰ کرے کہ میرے پاس وحی آتی ہے، سحنون مالکیؒ کا قول بھی یہی ہے، ابن قاسم نے نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو مرتد کہا ہے، خواہ وہ پوشیدہ طور پر اپنی نبوت کی

دعوت دیتا ہو، خواہ علانیہ طور پر، جیسے مسیلمہ کذاب لعنۃ اللہ علیہ گزرا ہے۔ اصبغ بن الفرج الکی کہتے ہیں کہ وہ شخص جو دعویٰ کرے کہ میں نبی ہوں، میرے پاس وحی آتی ہے، وہ مرتد کی مانند ہے (یعنی اس کا حکم وہی ہے جو مرتد کا ہے)، اس لئے کہ وہ کتاب اللہ (آیت خاتم النبیین) کا بھی انکار کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تکذیب کرتا ہے، اس لئے کہ آپؐ نے فرمایا کہ: ''میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔'' اور اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے اور مجھے رسول بنایا ہے۔ اس یہودی کے متعلق جو خود کو نبی کہے اور دعویٰ کرے کہ: ''میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کو اس کے احکام پہنچانے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔'' یا یہ کہے کہ تمہارے نبی کے بعد ایک اور نبی شریعت لے کر آئے گا، اشہبؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ یہودی علانیہ یہ دعویٰ کرتا ہے اور کھلم کھلا سب کے سامنے کہتا ہے تو اس سے مرتد کی طرح توبہ کرائی جائے گی (اگر چھپاتا ہے تو نہیں) اگر توبہ کرلے اور باز آجائے تو فبہا ورنہ قتل کردیا جائے گا، اس لئے کہ یہ شخص نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثقہ راویوں کی روایت کردہ حدیث: ''لا نبی بعدی'' (میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا) کی تکذیب کرتا ہے اور نبوت و رسالت کا دعویٰ کرکے اللہ تعالیٰ پر بہتان لگاتا ہے۔''

رسول اللہؐ کی صورت وسیرت پر نکتہ چینی اور عیب گیری موجب کفر ہے:

علامہ شہاب خفاجیؒ ”شرح شفا“ میں ج:۴ ص:۴۳۱ پر فصل الوجہ الثالث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

”سحنون کے رفیق احمد بن ابی سلیمان جن کے حالات اس سے قبل بیان ہو چکے ہیں، فرماتے ہیں: جو شخص یہ کہے کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رنگ سیاہ تھا، اس کو قتل کردیا جائے گا، اس لئے کہ یہ شخص (ایک تو) رسول اللہؐ پر جھوٹ بولتا ہے (دوسرے) سیاہ رنگ معیوب بھی ہے (اس لئے رسول اللہؐ کی توہین وتحقیر بھی کرتا ہے) اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ فام نہ تھے بلکہ آپ کا رنگ گلاب کی طرح سرخ وسفید اور شگفتہ تھا، جیسا کہ حلیہ مبارک سے متعلق طویل حدیث میں اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔“

رسول اللہؐ کی صفات اور حلیہ مبارکہ میں کسی قسم کی کذب بیانی بھی موجب کفر ہے:

خفاجیؒ فرماتے ہیں:

”بعض علمأ متأخرین فرماتے ہیں کہ: ابن ابی سلیمان کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات میں سے کسی بھی صفت میں کذب بیانی کفر اور موجب قتل ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ کذب کے ساتھ تحقیر وتوہین کا

شائبہ ہونا بھی ضروری ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا صورت میں ہے، اس لئے کہ سیاہ رنگ ناپسندیدہ اور معیوب ہے، خفاجیؒ فرماتے ہیں: حالانکہ تم جانتے ہو کہ اس میں کچھ فرق نہیں پڑتا (موجب نقص وعیب ہو یا نہ ہو) اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات مقدسہ اور حلیہ مبارکہ میں سے کسی بھی صفت کے بیان میں (کذب اور) خلاف واقعہ صفت کو آپ کی طرف منسوب کرنا شائبہ توہین وتحقیر سے خالی نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ آپؐ ایسی کامل ترین صفات کے مالک تھے کہ ان سے کامل تر صفات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ان کے خلاف جو صفت بھی آپؐ کی طرف منسوب کی جائے گی ضرور اس میں آپؐ کی تنقیص ہوگی، (لہٰذا آپؐ کی صفات قدسیہ کے باب میں کوئی بھی غلط بیانی اور کذب توہین وتحقیر سے خالی نہیں ہوسکتا) لہٰذا ایسی صورت میں علمأ متاخرین کا مذکورہ بالا اعتراض بے محل ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی صفات کو حادث یا مخلوق ماننا موجب کفر ہے:

ملا علی قاریؒ "شرح فقہ اکبر" میں ص:۲۹ طبع پاکستان سعیدی، صفاتِ الٰہیہ کے متعلق فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی تمام تر صفات حقیقیہ ازلی ہیں، نہ حادث ہیں، نہ مخلوق، لہٰذا جو شخص بھی ان کو مخلوق یا حادث کہتا ہے یا توقف کرتا ہے (نہ قدیم کہتا ہے نہ حادث)، یا ان میں شک وشبہ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ (کی صفات) کا منکر اور کافر ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے کلام کو مخلوق ماننا موجب کفر ہے:

''کتاب الوصیۃ'' میں فرماتے ہیں:

''جو شخص اللہ کے کلام کو مخلوق کہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا منکر اور کافر ہے۔''

''صفت کلام'' کے متعلق ملا علی قاریؒ ''شرح فقہ اکبر'' میں ص:۳۰ پر فرماتے ہیں:

''امام فخر الاسلام فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ سے بسند صحیح مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: میں نے امام ابوحنیفہؒ سے (مدت دراز تک) خلق قرآن کے مسئلہ پر مناظرہ کیا، آخر ہم دونوں اس پر متفق ہوگئے کہ جو شخص قرآن کو مخلوق کہتا ہے وہ کافر ہے، یہی قول امام محمدؒ سے (بسند صحیح) مروی ہے۔''

رسول اللہؐ پر سبّ و شتم یا آپؐ کی توہین و تنقیص کرنے والا کافر ہے، جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے:

قاضی ابو یوسفؒ کتاب ''الخراج'' (۱) میں فرماتے ہیں:

''جو مسلمان شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (العیاذ باللہ) سبّ و شتم کرے، یا آپؐ کو جھوٹا کہے، یا آپؐ میں عیب نکالے، یا کسی بھی طرح آپؐ کی توہین و تنقیص کرے وہ کافر ہے اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے باہر ہوجائے گی۔''

قاضی عیاضؒ ''شفا'' میں فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سبّ و شتم کرنے والا

---

(۱) ص:۱۸۲ فصل: ''الحکم فی المرتد عن الاسلام''

کافر ہے اور جو کوئی اس کے معذب اور کافر ہونے میں شک
کرے وہ بھی کافر ہے، مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔"

شاتم رسول کی توبہ بھی مقبول نہیں:

"مجمع الانہر"، "درمختار"، "بزازیہ"، "دُرَر" اور "خیریہ" میں لکھا ہے کہ:

"انبیا علیہم السلام میں سے کسی بھی نبی کو سب وشتم
کرنے والے (کافر) کی توبہ مطلقاً قبول نہیں کی جائے گی اور
جس شخص نے اس کے کفر اور معذب ہونے میں شک کیا وہ بھی
کافر ہے۔"

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

دنیوی احکام کے اعتبار سے تو اس کی توبہ کے قبول اور معتبر ہونے یا نہ ہونے میں فقہاً کا اختلاف ہے، (بعض کہتے ہیں شاتم رسول کی توبہ مقبول نہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا حوالوں سے ظاہر ہے اور بعض اس کی توبہ کو قبول کرتے ہیں، بعض کے نزدیک کچھ تفصیل ہے) مگر فیما بینہ و بین اللہ اس کی توبہ مقبول ہے (یعنی اگر صدق دل سے اس نے توبہ کی اور اس پر زندگی بھر قائم رہا تو آخرت میں انشاٗ اللہ سب وشتم رسول کے عذاب اور کفر سے بچ جائے گا) لیکن "خلاصۃ الفتاویٰ" میں منقولہ "محیط" کی عبارت کی مراجعت کرنی چاہئے کہ اس میں مشائخ حنفیہ کا قول یہ نقل کیا ہے کہ: "عنداللہ بھی شاتم رسول کی توبہ قبول نہ ہوگی۔" یہ قول مجھے سوائے محیط کی عبارت کے اور کہیں نہیں ملا، ہوسکتا ہے کہ کتابت کی غلطی ہو۔

ضروری اور قطعی امورِ دین کا منکر اگرچہ اہل قبلہ میں سے ہو کافر ہے، نیز اہل قبلہ کے معنی اور مراد:

ملا علی قاری "شرح فقہ اکبر" میں (ص:۱۹۵ سعیدی پر) فرماتے ہیں:

''مواقف میں لکھا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر صرف اسی قول وفعل پر کی جائے گی جس میں ایسے امر کا انکار پایا جائے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت یقینی طور پر معلوم ہو، یا مجمع علیہ ہو (یعنی امت کا اس پر اجماع ہو) مثلاً محرمات (وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے) کو حلال جاننا اور کہنا، اس کے بعد قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: مخفی نہ رہے کہ علماٗ احناف کے اس قول: ''لا یجوز تکفیر اهل القبلة بذنب.'' (کسی بھی گناہ کی وجہ سے اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو بھی کوئی نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرتا ہے اس کو کافر کہنا جائز نہیں، اس لئے کہ وہ غالی رافضی جن کا عقیدہ یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے وحی کے پہنچانے میں غلطی کی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے پاس وحی بھیجی تھی، انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچادی، یا جن کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی (العیاذ باللہ) خدا تھے، ایسے لوگ ہرگز مؤمن نہیں ہیں، اگرچہ ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے رہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث (جو اس اصطلاح کا ماخذ ہے):

''من صلّٰی صلٰوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالک المسلم.''

ترجمہ:......''جو شخص ہماری (طرح) نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کا استقبال کرے اور ہمارے ذبیحہ کو (حلال سمجھے اور) کھائے وہ مسلمان ہے۔''

کی مراد بھی یہی ہے کہ (کہ تمام دین کو مانتا ہو اور کسی بھی موجب کفر عقیدہ اور قول و فعل کا مرتکب نہ ہو، نہ یہ کہ ہر وہ شخص جو یہ تین کام کرے وہ مسلمان ہے، اگر چہ کیسے ہی کفریہ عقائد و اعمال کا مرتکب ہو)۔"

رافضی اور غالی شیعہ:

"غنیۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں:

"رافضی یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نبی تھے، اور (تمام کفریہ عقائد بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں) اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور اس کی تمام مخلوق قیامت تک ان پر لعنت کریں اور اللہ تعالیٰ ان کی آباد بستیوں کو ویران کردیں اور صفحۂ ہستی سے ان کا نام و نشان مٹادیں اور روئے زمین پر ان میں سے کسی متنفس کو زندہ نہ رہنے دیں، اس لئے کہ یہ لوگ اپنے غلو میں انتہا کو پہنچ گئے ہیں، اور پھر اپنے کفریہ عقائد پر مصر ہیں، اسلام کو انہوں نے بالکل خیر باد کہہ دیا ہے اور ایمان سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہا، اور اللہ تعالیٰ (کی ذات و صفات) کا، نبیوں (کی تعلیمات) کا اور قرآن (کی نصوص) کا انکار کردیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے اپنی پناہ میں رکھیں۔"

تحقیر کی نیت سے نبی کے نام کی "تصغیر" بھی کفر ہے:

"تحفہ" شرح "منہاج" میں فرماتے ہیں:

"یا کسی رسول یا نبی کی تکذیب کرے، یا کسی بھی طرح

ان کی تحقیر وتوہین کرے، مثلاً تحقیر کی نیت سے بصورت تصغیر ان کا نام لے، یا ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی کی نبوت کو جائز کہے، ایسا شخص کافر ہے۔ یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو آپؐ سے پہلے نبی بنایا گیا ہے (آپؐ کے بعد نہیں) لہٰذا ان کا آخر زمانہ میں آسمان سے اترنا باعث اعتراض نہیں ہوسکتا۔''

رافضی قطعاً کافر ہیں:

عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسیؒ ''شرح فرائد'' میں فرماتے ہیں:

''ان رافضیوں کے مذہب کا فساد اور بطلان ایسا بدیہی اور مشاہد ہے کہ اس کے لئے کسی بیان و دلیل کی بھی ضرورت نہیں، (یہ عقائد) بھلا کیسے (صحیح اور درست ہوسکتے ہیں) جبکہ ان کی بنا پر ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یا بعد میں کسی اور کے نبی ہونے کا جواز نکلتا ہے، اور اس سے قرآن کریم کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ قرآن تو صاف و صریح لفظوں میں اعلان کر رہا ہے کہ آپ خاتم النبیین اور آخری رسول ہیں، اور خدا کا رسول کہہ رہا ہے: "انا العاقب لا نبی بعدی." (میں (سب کے) پیچھے آنے والا ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا) اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن و حدیث کے ان الفاظ کے وہی ظاہری معنی مراد ہیں جن کو ہر شخص سمجھتا اور جانتا ہے، یہ مسئلہ (تکذیب قرآن و حدیث) بھی ان مشہور مسائل میں سے ایک ہے، جن کی بنا پر ہم نے فلسفیوں کو

کافر کہا ہے (پھر رافضیوں کو کیوں نہ کافر کہیں) خدا ان پر لعنت کرے۔"

کافر و مبتدع کا فرق، کن امور پر اہل قبلہ کی تکفیر کی جاتی ہے:

"عقائد عضدیہ" میں فرماتے ہیں:

"ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر صرف ان عقائد کی بنا پر کہتے ہیں جن سے خالق مختار کا انکار لازم آئے، یا جن میں شریک پایا جائے، یا جن میں نبوت و رسالت کا انکار پایا جائے، یا کسی مجمع علیہ قطعی امر کا انکار پایا جائے، یا کسی حرام کو حلال مانا جائے، ان کے علاوہ باقی عقائد فاسدہ کا ماننے والا مبتدع (گمراہ) ہے۔"

جو شخص کسی مدعی نبوت سے معجزہ طلب کرے وہ بھی کافر ہے:

ابو شکور سالمی "تمہید" میں فرماتے ہیں:

"رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ عالم کبھی بھی نبی کے وجود سے خالی نہیں ہوسکتا، یہ عقیدہ کھلا ہوا کفر ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "خاتم النبیین" کے لقب سے یاد فرمایا ہے، اب جو کوئی بھی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ کافر ہے اور جو کوئی (بارادۂ تصدیق) اس سے معجزہ طلب کرتا ہے وہ بھی کافر ہے، اس لئے کہ معجزہ طلب کرنا عقیدہ ختم نبوت میں شک کی دلیل ہے (اور امکان نبوت کا غماز ہے) رافضیوں کے علی الرغم یہ عقیدہ رکھنا بھی فرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی کوئی نبوت میں آپؐ کا شریک نہ تھا، اس لئے کہ

رافضی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ رسول اللہ کے ساتھ نبوت میں
شریک تھے اور یہ صریح کفر ہے۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو امت نے قتل کر کے سولی پر لٹکایا ہے:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ''شفا'' میں فرماتے ہیں:

''خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حارث نامی مدعی
نبوت کو قتل کر کے (عبرت کے لئے) سولی پر لٹکایا تھا، اسی طرح
اور بہت سے خلفاً اور سلاطین نے ایسے تمام مدعیان نبوت کو قتل
کیا ہے اور علماً امت نے اس قتل کی تصویب و تائید کی ہے، اور
جو کوئی ان تصویب کرنے والے علماً کا مخالف ہے وہ بھی کافر
ہے۔''

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: سورۂ احزاب کی تفسیر کے تحت ''بحر محیط'' میں اس پر عملاً اجماع امت نقل کیا ہے۔

متواتر و مجمع علیہ امور کا منکر کافر ہے، نماز کے ارکان و شرائط یا اس کی صورت و ہیئت کا منکر کافر ہے:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ''شفا'' میں فرماتے ہیں:

''اسی طرح اس شخص کو بھی قطعی طور پر کافر کہا جائے گا
جو شریعت کے کسی بھی اصول کی اور ان عقائد و اعمال کی تکذیب
یا انکار کرے جو نقل متواتر کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے ثابت ہیں اور ہر زمانہ میں ان پر امت کا اجماع رہا ہے،

مثلاً جو شخص پانچوں نمازوں کی فرضیت کا یا ان کی رکعتوں اور رکوع وسجود کی تعداد کا انکار کرے اور کہے اللہ تعالیٰ نے تو ہم پر مطلقاً نماز فرض کی ہے یہ کہ پانچ ہوں اور اس مخصوص صورت میں ہوں اور ان شرائط کے ساتھ ہوں (جیسا کہ دقیانوسی مُلاّ کہتے ہیں) اس کو میں نہیں مانتا، اس لئے کہ قرآن میں تو اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث خبر واحد ہے (ثبوت کے لئے کافی نہیں)، ایسا شخص قطعاً کافر ہے۔"

کن لوگوں کو کافر کہا جائے؟

"شفا" کی شرح "خفاجی" ج:۴ ص:۵۴۲ تا ۵۴۷ "فصل فی بیان ما هو من المقالات کفر" کے اور شرح "شفا" ملا علی قاریؒ کے چند اقتباسات (جن میں ان لوگوں کی تعیین کی گئی ہے جن کو کافر کہا جائے گا)۔

۱:...... جو حضور علیہ السلام کے بعد کسی کو نبی مانتا ہو:

خفاجیؒ فرماتے ہیں:

"اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر کہیں گے جو ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کسی اور کے نبی ہونے کا دعویٰ کرے، مثلاً مسیلمہ کذاب کو یا اسود عنسی کو یا کسی اور کو نبی مانتا ہو، یا آپؐ کے بعد کسی اور شخص کی نبوت کا دعویٰ کرے (جیسے مرزائی مرزا غلام احمد علیہ ما علیہ کی نبوت کے مدعی ہیں) اس لئے کہ آپؐ قرآن و حدیث کی نصوص و تصریحات کے مطابق خاتم النبیین اور آخری رسول ہیں، لہٰذا ان عقائد اور

دعووں سے ان تمام نصوص کی تکذیب اور انکار لازم آتا ہے، جو صریحاً کفر ہے، مثلاً عیسویہ فرقہ۔''(۱)

۲:......جو شخص خود اپنی نبوت کا مدعی ہو:

''یا جو شخص ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خود اپنے نبی ہونے کا مدعی ہو جیسے مختار ابن ابی عبید ثقفی وغیرہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے (یا ہمارے زمانہ میں مرزائے قادیان علیہ ما علیہ نے اپنے نبی اور موحیٰ الیہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے) خفاجیؒ فرماتے ہیں: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ہر اس شخص کا کافر ہونا بھی واضح ہے جو ایسے مدعی نبوت کی تصدیق کے ارادہ سے اس سے معجزہ طلب کرے، اس لئے کہ یہ شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی کے نبی ہونے کو جائز سمجھ کر ہی اس سے معجزہ طلب کرتا ہے، درآں حالیکہ آپؐ کے بعد کسی کا نبی ہونا دلائل قطعیہ شرعیہ کی رو سے قطعاً محال ہے (جو اس کو جائز اور ممکن سمجھے وہ کافر ہے) ہاں اگر کوئی شخص اس مدعی نبوت کی تحمیق و تجہیل اور اس کے جھوٹ کو طشت ازبام کرنے کی غرض سے اس سے معجزہ طلب کرتا ہے تو یہ اور بات ہے (ایسا شخص معجزہ طلب کرنے سے کافر نہ ہوگا)۔''

---

(۱) عیسیٰ بن اسحٰق یہودی کی جانب منسوب یہودیوں کا ایک فرقہ ہے، جو عیسیٰ بن اسحٰق کو نبی مانتا ہے، مروانیوں کے عہد میں اس عیسیٰ بن اسحٰق نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف عرب قوم کا نبی کہتا تھا، دولت عباسیہ کے آغاز میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ از مترجم۔

۳:......جو نبوت کے اکتسابی ہونے کا مدعی ہو:

خفاجیؒ فرماتے ہیں:

''اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جو نبوت کو اکتسابی اور صفائے قلب کے ذریعہ مرتبہ نبوت تک پہنچنے کو ممکن اور قابل حصول مانتا ہو جیسا کہ فلاسفہ اور غالی صوفی (اس کے مدعی ہیں)۔''

۴:......جو شخص وحی آنے کا مدعی ہو:

فرماتے ہیں:

''اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ: ''میرے پاس وحی آتی ہے۔'' اگرچہ نبی ہونے کا دعویٰ نہ بھی کرے، فرماتے ہیں کہ یہ تمام مذکورہ بالا اشخاص (اور ان کے ماننے والے) سب کافر ہیں، اس لئے کہ یہ سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں، اور آپؐ کی تصریحات کے خلاف دعوے کرتے ہیں، حالانکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، اللہ تعالیٰ سے بذریعہ وحی اطلاع پاکر، امت کو خبر دیتے ہیں کہ: ''میں خاتم الانبیاءؑ (آخری نبی) ہوں اور یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔'' قرآن حکیم بھی آپؐ کے خاتم النبیین ہونے اور قیامت تک تمام نوع انسانی کے لئے رسول ومبعوث ہونے کی خبر دیتا ہے، اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ تمام آیات و احادیث اپنے ظاہر پر ہیں (ان میں کوئی مجاز و استعارہ یا تقیید و تخصیص نہیں ہے) کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، اور آپؐ کی بعثت عام ہے اور ان آیات و احادیث کے وہی ظاہری معنی مراد ہیں،

جو ان کے لفظوں سے سمجھے جاتے ہیں، نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے، نہ تخصیص کی، لہٰذا امت کے مستند و معتمد علماء کے نزدیک کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع کی رو سے ان تمام لوگوں کے کافر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں، اور ان گمراہ فرقوں کا کوئی اعتبار نہیں جو اس کے مخالف ہیں، یا اجماع کے حجت ہونے میں انہیں کلام ہے، جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آتا ہے۔''

۵:......جو آیاتِ قرآن اور نصوصِ حدیث کو ان کے ظاہری اور مجمع علیہ معانی سے ہٹاتے ہیں:

فرماتے ہیں:

''اسی طرح علماءِ امت کا اجماع ہے ہر اس شخص کی تکفیر پر جو کتاب اللہ کی صریح آیات کو رد کرے، یعنی ان کے ظاہری معنی کا انکار کرے، اور نہ مانے، جیسے بعض باطنی فرقے جو آیات قرآنیہ کے صاف اور صریح معنی کو چھوڑ کر ایسے عجیب عجیب معنی اور مراد بیان کرتے ہیں جو قطعاً ظاہر کے خلاف (اور تحریف کا مصداق) ہیں، یا کسی ایسی حدیث میں تخصیص کرے جس کا مفہوم عام ہے، اور اس کی صحت اور راویوں کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے، اور صریح مراد پر اس کی دلالت قطعی اور یقینی ہے، (یعنی باتفاق علماء وہ اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے) نہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش ہے، نہ تخصیص کی، نہ ہی وہ منسوخ ہے، (ایسے لوگ) اس لئے کافر ہیں کہ صریح آیات و احادیث میں اس قسم کی تاویل و تخصیص کرنا قرآن و حدیث کو کھیل بنانے کے

مرادف ہے، جیسا کہ علمائے امت نے خارجیوں کو شادی شدہ زانی
مرد و عورت کو سنگسار کرنے سے انکار کرنے کی بنا پر کافر کہا ہے،
اس لئے کہ اس رجم پر امت کا اجماع ہے، اور یقینی طور پر رجم
ضروریاتِ دین میں سے ہے، یعنی صاحب شریعت سے اس کا
ثبوت قطعی اور یقینی ہے۔“

۶:...... جو اسلام کے علاوہ دوسرے مذہب والوں کو کسی بھی وجہ سے کافر نہ کہے:

فرماتے ہیں:

”اسی لئے (یعنی صریح اور مجمع علیہ نصوص میں تاویل و
تحریف کرنے والے کی تکفیر کے یقینی ہونے کی وجہ سے) ہم ہر
اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو اسلام کے علاوہ کسی بھی مذہب
کے ماننے والے کو کافر نہ کہے، یا ان کو کافر کہنے میں توقف
(وتردد) کرے، یا ان کے کفر میں شک و شبہ کرے، یا ان کے
مذہب کو درست کہے، اگرچہ یہ شخص اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ
بھی کرتا ہو، اور اسلام کے علاوہ ہر مذہب کو باطل بھی کہتا ہو، تب
بھی یہ غیر مذہب والوں کو کافر نہ کہنے والا، خود کافر ہے، اس لئے
کہ یہ شخص ایک مسلّم کافر کو کافر کہنے کی مخالفت (۱) کر کے خود
اسلام کی مخالفت کرتا ہے، اور یہ دین پر کھلا ہوا طعن اور اس کی

---

(۱) اس زمانہ میں جو لوگ کسی بھی غیر مسلم کو کافر کہنے سے اجتناب کرتے ہیں اور اس کو
خلاف تہذیب سمجھتے ہیں، وہ اپنے ایمان کی فکر کریں، کہیں ان کا ایمان اس ”کافرانہ“ وسعت نظر،
تہذیب پرستی اور احساس کمتری پر قربان نہ ہو جائے۔

تکذیب ہے (مختصر یہ ہے کہ کسی بھی دین اسلام کے نہ ماننے والے کو کافر نہ کہنا، دین اسلام کی مخالفت اور تکذیب کے مرادف ہے، لہٰذا یہ شخص کافر ہے)۔''

۷:......جو کوئی ایسی بات زبان سے کہے جس سے امت کی تضلیل یا صحابہؓ کی تکفیر ہوتی ہو:

فرماتے ہیں:

''اسی طرح ہر اس شخص کی تکفیر بھی قطعی اور یقینی ہے، جو کوئی ایسی بات زبان سے کہے جس سے اس کا مقصد تمام امت مسلمہ کو دین اور صراط مستقیم سے منحرف اور گمراہ ثابت کرنا ہو، اور اس کا قول تمام صحابہؓ اور سلف صالحینؒ کی تکفیر کا موجب ہو، جیسے رافضیوں میں ''کمیلیہ'' فرقہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام امت کو صرف اس لئے کافر مانتا ہے کہ اس نے حضرت علیؓ کو خلیفہ نہیں بنایا، اور خود حضرت علیؓ کو بھی کافر سمجھتا ہے کہ وہ خود (خلافت حاصل کرنے کے لئے) آگے نہیں بڑھے، اور اپنے حق کو طلب نہیں کیا (العیاذ باللہ) یہ لوگ متعدد وجوہ سے کافر ہیں، اس لئے کہ انہوں نے تمام تر مذہب و ملت کا صفایا کر دیا۔''

۸:......جو مسلمان کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرے جو خاص کفر کا شعار ہے:

فرماتے ہیں:

''اسی طرح (یعنی مذکورہ بالا لوگوں کی طرح) ہم ہر اس مسلمان شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو کسی ایسے کفریہ فعل کا ارتکاب کرے، جس کے متعلق مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ کافروں کا فعل ہے، اور حقیقتاً اس کو کافر ہی کرسکتا ہے، اگرچہ خود یہ شخص مسلمان ہی ہو اور اس کفریہ فعل کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ اپنے مسلمان ہونے کے بلند بانگ دعوے بھی کرتا ہو۔''

کسی کفریہ قول کے قائل کی تائید و تحسین کرنے والا بھی کافر ہے:

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ، خفاجیؒ کے آخری قول کی تائید فرماتے ہیں اور کہتے ہیں:

البحر الرائق ج:۵ ص:۱۳۴ اور اس کے علاوہ کتب فقہ میں لکھا ہے: جس شخص نے کسی گمراہ عقیدہ والے شخص کے قول کی تحسین کی، یا یہ کہا کہ یہ (عام فہموں کی سطح سے بلند) معنوی کلام ہے (ہر شخص اس کی مراد نہیں سمجھ سکتا)، یا یہ کہا کہ اس کلام کے صحیح معنی بھی ہوسکتے ہیں (اور اس کی کوئی خلافِ ظاہر تاویل کی) تو اگر اس قائل کا وہ قول کفریہ (موجب کفر) ہے تو اس کی تحسین کرنے والا (یا اس کو صحیح کہنے والا یا تاویل کرنے والا) بھی کافر ہوجائے گا۔

فرماتے ہیں ابن حجر مکیؒ بھی ''الاعلام'' کی فصل ''الکفر المتفق علیہ'' کے ذیل میں حنفیہ کی کتابوں کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

''جس شخص نے زبان سے کوئی کفریہ کلمہ کہا، اس کو کافر کہا جائے گا، اور جو شخص اس کی تحسین کرے، یا اسے پسند کرے اس کو بھی کافر کہا جائے گا۔''

بالقصد کلمہ کفر کہنے والے کے قول کی کوئی تاویل معتبر نہیں:

''ردالمحتار'' (شامی) میں ج:۳ ص:۳۹۳ بحوالہ ''البحر الرائق'' ''بزازیہ'' سے نقل کرتے ہیں:

''مگر جب (زبان سے کلمہ کفر کہنے والا) تصریح کرے کہ میری مراد وہی ہے جو موجب کفر ہے تو (وہ کافر ہوجائے گا اور) کوئی تاویل اس کے لئے مفید نہیں (کفر سے نہیں بچاسکتی)۔''

کلمہ کفر کہنے والے کی نیت کا اعتبار کس صورت میں ہے اور کہاں ہے؟

''فتاویٰ ہندیہ'' (عالمگیری) میں ''محیط'' وغیرہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

''اگر کسی مسئلہ کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہوں، ان میں سب صورتیں تو موجب کفر ہوں اور ایک صورت ایسی ہو جو کفر سے بچاتی ہو، تو مفتی کو وہی ایک صورت اختیار کرنی چاہئے (اور کفر کا حکم نہ لگانا چاہئے) بجز اس کے کہ وہ خود صراحتاً کہے کہ میری مراد یہ (موجب کفر) صورت ہی ہے، تو (وہ کافر ہوجائے گا اور) کوئی تاویل اس کے لئے مفید نہ ہوگی (کفر سے نہ بچا سکے گی) نیز فرماتے ہیں: پھر اگر (کلمہ کفر) کہنے والے کی نیت وہ صورت ہے جو کفر سے بچاتی ہے تو وہ مسلمان ہے (اور اس کی تاویل کو تسلیم کرلیا جائے گا) اور اگر اس کی نیت وہ ہی صورت ہے جو موجب کفر ہے (تو وہ کافر ہے) کسی مفتی کا فتویٰ اس

کے لئے مفید نہیں (کفر سے نہیں بچاسکتا، حاصل یہ ہے کہ کسی قول کی صحیح تاویل فی نفسہٖ ممکن ہو، اس پر مدار نہیں، بلکہ قائل کے ارادہ اور نیت پر مدار ہے، کفر کا قصد کرے گا تو یقیناً کافر ہوجائے گا، اگرچہ صحیح تاویل ہوسکتی ہو، واضح ہو کہ یہ اسی تاویل کے متعلق بحث ہے جو ازروئے عربیت صحیح ہو اور اصولِ شریعت کے منافی نہ ہو، جیسا کہ سابقہ بیانات سے واضح ہے)۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: حموی کی کتاب ''الاشباہ والنظائر'' کے حاشیہ میں بھی بحوالہ ''عمادیہ'' یہی لکھا ہے، اور درمختار میں بھی بحوالہ ''درر'' وغیرہ یہی مذکور ہے۔

ہنسی، دل لگی اور کھیل تفریح کے طور پر کلمہ کفر کہنے والا قطعاً کافر ہے، نہ اس کی نیت کا اعتبار ہے، نہ عقیدہ کا:

''ردالمختار'' (شامی) ج:۳ ص:۳۹۳ پر علامہ شامی بحوالہ ''بحر'' فرماتے ہیں:

''حاصل یہ ہے کہ جو شخص زبان سے کوئی کلمہ کفر کہتا ہے، خواہ ہنسی مذاق کے طور پر یا کھیل تفریح کے طور پر یہ شخص سب کے نزدیک کافر ہے، اس میں اس کی نیت یا عقیدہ کا کوئی اعتبار نہیں (اس لئے کہ یہ دین کے ساتھ استہزاء ہے، جو بجائے خود موجب کفر ہے)، جیسا کہ ''فتاویٰ خانیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے، (اس سے معلوم ہوا کہ نیت کا اعتبار اسی صورت میں ہے کہ کلمہ کفر ہنسی، دل لگی کے طور پر نہ کہا ہو ورنہ استہزاءً وتلاعب بالدِّین کی بنا پر کافر کہا جائے گا اور نیت وعقیدہ کا اعتبار نہ

ہوگا)۔‘‘

’’فتاویٰ ہندیہ‘‘ میں ج:۲ ص:۲۳ پر اور ’’جامع الفصولین‘‘ میں لکھا ہے:

’’جو شخص اپنی مرضی سے کلمہ کفر زبان سے کہتا ہے وہ کافر ہے، اگرچہ اس کے دل میں ایمان ہو، اور عنداللہ بھی وہ مؤمن نہ ہوگا، ’’فتاویٰ قاضی خان‘‘ میں بھی یہی لکھا ہے۔‘‘

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ’’خلاصۃ الفتاویٰ‘‘ میں اس مقام پر ناسخ (کاتب) سے غلطی ہوئی ہے، اس سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

نیز فرماتے ہیں: ’’عمادیہ‘‘ میں اس مسئلہ کو ’’محیط‘‘ کی جانب منسوب کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے(۱):

’’وَلَقَدْ قَالُوْا کَلِمَۃَ الْکُفْرِ وَکَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِھِمْ.‘‘

ترجمہ:...... ’’بے شک ان لوگوں نے کفریہ کلمہ کہا ہے اور (اس کی وجہ سے) وہ مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوگئے۔‘‘

جو لوگ وحی، نبوت، حشر جسمانی، جنت و دوزخ وغیرہ کے اہل اسلام کی طرح قائل نہ ہوں وہ کافر ہیں:

علامہ شامیؒ ’’ردالمحتار‘‘ میں ج:۳ ص:۳۹۶ پر فرماتے ہیں:

’’وہ (فلاسفہ) وحی کے فرشتہ کے ذریعہ آسمان سے نازل ہونے کا انکار کرتے ہیں، اور (اسی طرح اور) بہت سے

(۱) حالانکہ ان لوگوں نے یہی ہنسی دل لگی کا عذر پیش کیا تھا، ’’کُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ.‘‘ مگر اللہ پاک نے اس کو رد فرمایا: ’’اَبِاللّٰہِ وَاٰیَاتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ کُنْتُمْ تَسْتَھْزِءُوْنَ.‘‘ اور مذکورہ بالا آیات میں کافر ہونے کا حکم لگادیا، اسی لئے کہ استہزا بالدین خود موجب کفر ہے۔ از مترجم۔

عقائد کا انکار کرتے ہیں، جن کا ثبوت انبیاءؑ کرام علیہم السلام
سے قطعی و یقینی ہے، مثلاً حشر جسمانی، جنت و دوزخ وغیرہ،
حاصل یہ ہے کہ اگرچہ وہ (فلاسفہ) انبیاءؑ و رسل کو مانتے ہیں، مگر
اس طرح نہیں مانتے جیسے اہل اسلام مانتے ہیں، لہٰذا ان کا انبیاءؑ
کو ماننا نہ ماننے کی مانند ہے۔''

جو انبیاءؑ کے معصوم ہونے کا قائل نہ ہو وہ کافر ہے:

''الاشباہ والنظائر'' میں ص:۲۶۶ باب ''الردہ'' میں فرماتے ہیں:

''جس شخص کو نبی کے سچا ہونے میں شک ہو، یا نبی کو
سب وشتم کرے، یا عیب جوئی کرے، یا توہین وتحقیر کرے، وہ
کافر ہے، اسی طرح جو شخص انبیاءؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جانب
بدکاریوں کی نسبت کرے، مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کی
جانب قصد زنا کی نسبت کرے، اس کو بھی کافر کہا جائے گا، اس
لئے کہ یہ انبیاءؑ علیہم السلام کی توہین ہے، اور اگر کوئی یہ کہے کہ:
''انبیاءؑ نبوت کے زمانے میں اور اس سے پہلے بھی (گناہوں
سے) معصوم نہیں ہوتے۔'' تو اس کو بھی کافر کہا جائے گا، اس
لئے کہ یہ قول وعقیدہ صریح نصوص شرعیہ کی تردید ہے۔''

محرمات شرعیہ قطعیہ کو جو شخص اپنے لئے حلال سمجھے، وہ کافر ہے، اور اس کا جہل عذر نہیں ہے:

اسی ''الاشباہ والنظائر'' کے فن ''الجمع والفرق'' میں اور ''الیتیمہ'' کے آخر میں
مذکور ہے:

''جس شخص نے اپنی جہالت کی بنا پر یہ گمان کرلیا کہ

جو حرام و ممنوع فعل میں نے کئے ہیں، وہ میرے لئے حلال و جائز ہیں، تو اگر وہ (افعال و اعمال) ان امور میں سے ہیں جن کا دین رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہونا قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہے، (یعنی ضروریاتِ دین میں سے ہیں) تو اس شخص کو کافر کہا جائے گا، ورنہ نہیں۔“

صحیح بخاری کی ایک حدیث، اور قدرتِ باری تعالیٰ کے اعتقاد سے متعلق ایک اشکال اور اس کا حل:

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ اسی بحث کے ذیل میں کہ: ”جہل شرعاً عذر ہے یا نہیں“، ”بخاری“ کی مذکورہ ذیل حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ”فتح الباری“ میں امم سابقہ کے ایک شخص کی حدیث کے تحت، جس نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد میری لاش کو جلا دینا، اور کہا تھا کہ:

”فواللہ! لئن قدر اللہ علیّ لیعذبنی عذابا ما عذبہ احدا.“ (ج:۱ ص:۴۹۵)

ترجمہ:...... ”خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قادر ہوگیا تو مجھے وہ عذاب دے گا جو کسی کو نہ دیا ہوگا۔“

حافظؒ فرماتے ہیں ”فتح الباری“، باب ”ما ذکر من بنی اسرائیل حدیث ابی ہریرۃ من طریق معمر عن الزہری.“ (ج:٦ ص:۴۰۷):

”وردہ ابن الجوزی وقال جحدہ صفۃ القدرۃ کفر اتفاقا.“

ترجمہ:...... ”ابن جوزیؒ نے اس حدیث کو رد کیا ہے، (ضعیف یا موضوع کہا ہے) اور کہا ہے کہ اس شخص کا صفت

قدرت کا انکار اتفاقاً کفر ہے، (لہٰذا یہ حدیث صحیح نہیں ہوسکتی)۔''

لیکن ''بخاری'' میں ج:۲ ص:۹۵۹ پر باب ''الخوف من اللہ عز وجل'' کے ذیل میں (اسی شخص مذکور کی حدیث کے تحت) حافظؒ، عارف بن ابی جمرہؒ سے نقل کرتے ہیں:

''واما ما اوصی به فلعله کان جائزا فی شرعهم ذالک لتصحیح التوبة فقد ثبت فی شرع بنی اسرائیل قتلهم انفسهم لتصحیح التوبة.'' (فتح الباری ج:۱۱ ص:۲۶۴)

ترجمہ:...... ''باقی رہی اس کی وصیت تو ممکن ہے کہ ان کی شریعت میں توبہ کی صحت کے لئے یہ (نعش کو آگ میں جلادینا) جائز ہو، جیسا کہ بنی اسرائیل کی شریعت میں توبہ کی صحت کے لئے قتل نفس (مجرموں کا قتل کرنا) ثابت ہے۔''

(گویا حافظؒ کے نزدیک اگر حدیث صحیح مان لی جائے تو لاش کو آگ میں جلانے کی یہ توجیہ ہوسکتی ہے، لیکن ابن جوزیؒ کے اعتراض ''انکارِ قدرت'' کا جواب باقی رہ جاتا ہے، حضرت مصنف نور اللہ مرقدہ ''لئن قدر اللہ علیّ'' کی ایسی لطیف توجیہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد نہ ابن جوزیؒ کا اعتراض باقی رہتا ہے، اور نہ عارف ابن ابی جمرہؒ کی توجیہ (جو احتمال محض ہے) کی ضرورت باقی رہتی ہے، اور یہ حدیث مسئلہ زیر بحث یعنی ''جہل شرعاً عذر ہے'' کے تحت آجاتی ہے) مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

میرے نزدیک ''لئن قدر اللہ علیّ'' سے اس شخص کی مراد یہ ہے کہ بخدا! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے عذاب دینے کا فیصلہ کرلیا اور مجھے توبہ سے پہلے صحیح سالم موجود پالیا، تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا کہ کسی کو وہ عذاب نہ دیا ہوگا (اس لئے تم میری لاش

کو جلا کر، اور راکھ کو خاک میں ملا کر، اور خاک کو ہوا میں اڑا کر اس طرح نیست و نابود کر دینا کہ میرا نام ونشان ہی باقی نہ رہے، لہٰذا اس کا قول اور وصیت شدت خوفِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت علی الاحیائ سے ناواقفیت اور جہل پر مبنی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو انسانی قدرت پر قیاس کر کے عذاب سے بچنے کی یہ تدبیر نکالی، اسی جہل کی بنا پر اللہ نے اسے معاف فرمادیا) نہ یہ کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی تردد ہے (جیسا کہ ابن جوزیؒ نے سمجھا ہے)۔

فرماتے ہیں: اسی جہل عن صفات اللہ پر اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیت کریمہ میں یہود کی مذمت کی ہے، اور ان کی عقل وخرد پر ماتم فرمایا ہے:

"وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ."

ترجمہ:......"اور ان یہود نے جیسی اللہ کی قدر کرنی چاہئے تھی، نہیں کی۔"

چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کریمہ کا شانِ نزول یہی واقعہ ہے، ایسی صورت میں آیت کریمہ کے آخر میں: "سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ." (پاک ہے اللہ اور برتر ان تمام شرکیہ امور سے جو وہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں) کے اندر یہودیوں کے اسی فعل کو شرک قرار دیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اپنی ناقص عقل وفہم کے پیمانوں سے ناپا تھا، اور اپنی ذہنی اور خیالی صورتوں پر قیاس کر رکھا تھا، (یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کو انسانی قدرت پر قیاس کر رکھا تھا، جیسا کہ اس شخص نے لاش کو جلا کر خاک کر دینے کو اللہ کی گرفت سے بچ جانے کی تدبیر سمجھ کر مذکورہ بالا وصیت کی تھی)۔

بر بنائے جہل حرام کو حلال سمجھ لینا کن صورتوں میں اور کن لوگوں کے لئے عذر ہے؟

(حضرت مصنف علیہ الرحمۃ "جهل عن الاحكام الشرعية." کے عذر ہونے سے متعلق "صحیح بخاری" ج:۱ ص:۳۰۵ میں "باب الکفالۃ" کی ایک اور حدیث پیش فرماتے ہیں:)

باقی "صحیح بخاری" میں ایک شخص کے اپنی بیوی کی مملوکہ کنیز سے جماع کر لینے کا جو واقعہ مذکور ہے کہ حمزہ بن عمر اسلمی (عامل حضرت عمرؓ) نے اس شخص سے (بارگاہ خلافت میں پیش ہونے پر) ضامن لے لئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور اس شخص اور ضامنوں کو پیش کیا) حضرت عمرؓ اس سے پہلے اس شخص کو سو کوڑے لگا ہی چکے تھے، لہٰذا انہوں نے ان ضامنوں کے بیان کی تصدیق فرمائی اور اس شخص کو (مسئلہ شرعی سے) ناواقف ہونے کی بنا پر معذور قرار دیا۔ (فتح الباری ج:۴ ص:۴۷۰)۔ تو ظاہر یہ ہے کہ اس (جہل) سے مراد (جس کی بنا پر حضرت عمرؓ نے اس کو رجم نہیں کیا تھا) صرف "شبہ فی الفعل" ہے، (یعنی اس شخص نے اپنی بیوی کی کنیز سے جماع کرنے کو اپنی بیوی سے جماع کرنے کی طرح حلال سمجھ لیا تھا)، جو "باب رجم" میں (حنفیہ کے نزدیک بھی) معتبر ہے، (یعنی حنفیہ بھی "شبہ فی الفعل" کو سقوطِ حد میں مؤثر مانتے ہیں)، باقی اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے اس شخص کو سو کوڑے بطور تعزیر لگائے تھے، تاکہ لوگ اس کو حیلہ نہ بنالیں۔

فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں (کہ اپنی بیوی کی کنیز کو اپنے لئے حلال سمجھ کر جماع کر لینا سقوطِ حد کا موجب ہے) "سنن ابی داؤد" میں ("باب جماع الرجل جاریۃ امرأتہ" کے تحت) اور "طحاوی" وغیرہ میں ایک (مرفوع) روایت بھی موجود ہے، (لہٰذا اس واقعہ میں حد زنا سے بچ جانے کا سبب یہ شبہ ہے) نہ اس کے علاوہ اور

کسی قسم کا جہل (یعنی یہ "حد" کا معاملہ ہے، جو شبہ کی بنا پر ساقط ہو جاتی ہے، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مسائل شرعیہ سے ناواقفیت کی بنا پر فی نفسہ کوئی حرام چیز کسی کے لئے حلال ہو سکتی ہے)۔

فرماتے ہیں: کسی شخص کا نومسلم (اور مسائل شرعیہ سے ناواقف) ہونا ہمارے فقہاؒ کے نزدیک بھی عذر معتبر ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ "بغیۃ المرتاد" میں ص:۵۱ پر فرماتے ہیں:

"بے شک وہ مقامات اور زمانے جن میں نبوت (اور احکام شرعیہ کے پہنچنے) کا سلسلہ منقطع رہا ہو، ان میں اس شخص کا حکم جس پر نبوت کے آثار (اور احکام شرعیہ) مخفی رہے ہوں، یہاں تک کہ اس نے (ناواقفیت کی بنا پر) آثار نبوت (اور احکام شرعیہ) میں سے کسی امر کا انکار کر دیا ہو، اس پر خطا (اور گمراہی) کا حکم اس طرح نہیں لگایا جا سکتا جیسے ان زمانوں اور مقامات کے لوگوں پر لگایا جا سکتا ہے، جن پر نبوت کے آثار (اور احکام شرعیہ) ظاہر ہو چکے ہوں، (یعنی جو شخص نیا نیا اسلام میں داخل ہوا ہے، یا جس ملک میں نیا نیا اسلام پہنچا ہے، صرف اس شخص اور اس ملک کے لئے احکام شرعیہ سے ناواقفیت عذر ہے)۔"

اتمامِ حجت سے کیا مراد ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی تصانیف میں تکفیر سے پہلے (منکرین پر) اقامت حجت کا جو تذکرہ فرماتے ہیں، اس سے مراد صرف "ادلہ" و احکام شرعیہ کی تبلیغ

ہے، (نہ کہ ان کو منوالینا اور لاجواب کر دینا) جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں (جو صفحہ:۲۰۱ پر آتی ہے) ''فادعہ'' کے الفاظ سے ظاہر ہے (کہ مرتد کو صرف اسلام کی دعوت دینا کافی ہے، اگر قبول نہ کرے تو اس کو قتل کر دو) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خیبر کے یہودیوں کو صرف دعوت اسلام دینے پر اکتفا کرتے ہیں(۱)، چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اسی اکتفائے تبلیغ پر ''اخبار الاحاد'' کے ذیل میں ایک باب قائم کیا ہے، حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں سورۂ انعام کی آیت کریمہ: ''وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْ م بَلَغَ.'' سے بھی اس پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

ضروریاتِ دین سے ناواقفیت اور جہل عذر نہیں ہے:

''الاشباہ والنظائر'' میں فرماتے ہیں:

> ''جو شخص یہ نہ جانتا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں(۲) وہ مسلمان نہیں ہے، اس لئے کہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے ہے۔''

حمویؒ اس کی شرح میں ص:۲۶۷ پر فرماتے ہیں:

> ''یعنی موجبات کفر کے باب میں ضروریات دین سے (ناواقفیت اور) جہل عذر نہیں ہے، بخلاف ضروریاتِ دین کے علاوہ امور دینیہ کے ''مفتیٰ بہ'' قول کے مطابق ان میں ناواقفیت عذر ہے، جیسا کہ اس سے پہلے آچکا ہے، واللہ اعلم۔''

---

(۱) مراجعت کیجئے صحیح بخاری ج:۲ ص:۶۰۶ باب غزوۃ خیبر من حدیث سہل بن سعد۔

(۲) ابن عساکر کی تاریخ میں تمیم داری کے ترجمہ (حالات) کے ذیل میں تو قبر میں بھی ''خاتم الانبیاؑ'' کے متعلق سوال کرنا ثابت ہے۔ از مصنف رحمہ اللہ۔

یہ کہنا کہ: ''علماء محض ڈرانے دھمکانے کے لئے کافر کہہ دیا کرتے ہیں، حقیقت میں کوئی مسلمان کافر نہیں ہوتا'' سراسر جہالت ہے:

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں:

حمویؒ نے (اس مقام پر) مسئلہ تکفیر سے متعلق نہایت مفید امور پر متنبہ کیا ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ: ''فقہاء کا کسی شخص کو کافر کہہ دینا، صرف ڈرانے دھمکانے پر مبنی ہوتا ہے، نہ یہ کہ وہ شخص فیما بینہ وبین اللہ کافر ہوجاتا ہے۔'' (یعنی فقہاء کے کافر کہہ دینے سے حقیقت میں کوئی شخص کافر نہیں ہوجاتا) یہ قول سراسر ان کہنے والوں کی جہالت کی دلیل ہے، چنانچہ ''فتاویٰ بزازیہ'' سے وہ اس قول کی تردید نقل کرتے ہیں۔ اور ''فتاویٰ بزازیہ'' فقہ وافتاء کی معتبر کتابوں میں سے ہے، چنانچہ فقہاء نے ''مولیٰ ابی السعودؒ'' سے جو ''دیار رومیہ'' کے مفتی بھی ہیں اور بہت سی کتابوں کے مصنف بھی، جن میں ان کی تفسیر (خاص طور پر قابل ذکر) ہے، اس ''فتاویٰ بزازیہ'' کی تعریف وتوصیف نقل کی ہے، حمویؒ کہتے ہیں کہ ''بزازیہ'' کے الفاظ یہ ہیں:

> ''بعض ایسے لوگوں سے۔ جنہیں علم سے کوئی واسطہ نہیں۔ منقول ہے، وہ کہتے ہیں: ''کتب فتاویٰ میں جو یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ: ''فلاں قول یا فعل پر کافر ہوجائے گا اور فلاں پر'' یہ محض ڈرانے اور دھمکانے کے لئے ہوتا ہے، نہ یہ کہ حقیقت میں کافر ہوجاتا ہے۔'' یہ قول قطعاً باطل ہے، حق یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین سے بروایت صحیح (جن اقوال وافعال پر) تکفیر مروی ہے، اس سے مراد حقیقتاً کفر ہے، (یعنی ان کا ارتکاب کرنے والا

حقیقت میں کافر ہوجاتا ہے) باقی ائمہ مجتہدین کے علاوہ اور علماً سے جو تکفیر منقول ہے، اس پر مسئلہ تکفیر میں (اعتماد نہ کیا جائے اور) کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''البحر الرائق'' میں بھی یہی مذکور ہے، اور ''الیواقیت'' اور ''منحۃ الخالق'' میں بھی ''بزازیہ'' کی یہی عبارت بتمامہ نقل کی ہے، اور ''الیواقیت'' میں اس پر خطابیؒ کے قول کا بھی اضافہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''اگر کسی زمانہ میں کوئی ایسا مجتہد پایا جائے، جس میں ائمہ اربعہ کی طرح شرائط اجتہاد کامل طور پر پائی جائیں، اور اس پر کسی قطعی دلیل سے یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ تاویل میں غلطی کافر ہوجانے کا سبب ہے، (یعنی ضروریاتِ دین میں غلط تاویل کرنے والا کافر ہے) تو ہم ایسے مجتہد کے قول کی بنا پر ان لوگوں کو کافر کہیں گے۔''

ختم نبوت پر ایمان:

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ ''شرح عقائد نسفی'' میں فرماتے ہیں:

''اور سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور سب سے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کتاب اللہ کی ان آیات سے ثابت ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اوامر ونواہی الٰہیہ کا مکلّف (اور پابند) بنایا گیا ہے، اور یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ ان کے زمانہ میں کوئی اور نبی نہ تھا، لہٰذا یہ احکامات ان کو یقیناً وحی کے ذریعہ دیئے گئے ہیں، (لہٰذا وہ صاحب وحی و الہام نبی

ہوئے)، اسی طرح احادیث صحیحہ میں بھی حضرت آدم علیہ السلام
کی نبوت ثابت ہے، اور امت کا اس پر اجماع بھی ہے (کہ آدم
علیہ السلام نبی ہیں)، لہٰذا ان کی نبوت سے انکار جیسا کہ بعض علماءً
سے منقول ہے، یقیناً موجب کفر ہے (اور منکر کافر)۔''
(شرح عقائد نسفی ص:۱۲۵ طبع بنگال)

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اسی طرح ج:۲ ص:۵۰ پر ''المواہب اللدنیہ'' للقسطلانی میں ''نوع اول، مقصد سادس'' کے تحت، مذکور ہے، اور ''البحر الرائق'' میں بھی یہی لکھا ہے۔

توحید و رسالت کی طرح ختم نبوت پر ایمان بھی ضروری ہے:

فرماتے ہیں: حاکم نے مستدرک میں زید کے باپ حارثہ بن شرحبیل کے اپنے بیٹے زید کو طلب کرنے کے لئے آنے کی روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حارثہ سے فرمایا:

''اسئلکم ان تشهدوا ان لا اله الا الله وانی
خاتم انبیائه ورسله وارسله معکم .... الخ.''

ترجمہ:...... ''میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم لا الٰہ الا
اللہ پر اور اس پر کہ میں اس کا آخری نبی اور رسول ہوں شہادت
دو (اور ایمان لے آؤ) تو میں زید کو تمہارے ساتھ بھیج دوں گا
....الخ۔''

(اس حدیث سے معلوم ہوا کہ توحید و رسالت کے ساتھ ہی ختم نبوت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔)

ختم نبوت پر ایمان کا ہر نبی سے عہد لیا گیا ہے، اور اعلان کرایا گیا ہے:

فرماتے ہیں: علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ ''روح المعانی'' میں آیت کریمہ: ''وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَھُمْ.'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> ''اور حضرت قتادہؓ کی ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے ایک دوسرے کی تصدیق کرنے پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول ہونے کا (اپنی اپنی امت میں) اعلان کرنے پر اور رسول اللہ کے اس اعلان پر کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، عہد و پیمان لیا ہے، (اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپؐ کی رسالت کی طرح ختم نبوت پر بھی ایمان لانے کا تمام نبیوں سے عہد لیا گیا ہے)۔''

ضروریاتِ دین میں سے کسی امر کا انکار کرنے والے کی توبہ اس وقت تک معتبر نہ ہوگی جب تک کہ وہ خاص اس عقیدہ سے توبہ نہ کرے:

فرماتے ہیں: ''ردالمحتار'' میں ج:۳ ص:۳۹۷ پر علامہ ابن عابدین شامیؒ ''باب المرتد'' کے تحت فرماتے ہیں:

> ''پھر یاد رکھو مسئلہ عیسوی (۱) سے ثابت ہوتا ہے کہ جو

(۱) فرقہ عیسویہ، عیسیٰ اصفہانی یہودی کی جانب منسوب یہودیوں کا ایک فرقہ ہے، جو فی الجملہ توحید و رسالت کا قائل ہے، مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے تمام نوعِ انسانی کے لئے عام ہونے کا منکر ہے، صاحب ''بدائع'' کے بیان کے مطابق .... (باقی اگلے صفحہ پر)

شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی امر مثلاً حرمت شراب کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر اور مرتد ہوا ہو، اس کی توبہ کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اس عقیدہ (مثلاً حلت شراب) سے بےتعلقی (اور توبہ) کا بھی اعلان کرے، (صرف کلمہ شہادت دوبارہ پڑھ لینا کافی نہ ہوگا) اس لئے کہ یہ شخص کلمہ شہادت کہنے کے باوجود شراب کو حلال کہتا تھا (لہٰذا اس کے کفر و ارتداد کا ازالہ اس عقیدہ سے توبہ کئے بغیر نہ ہوگا) جیسا کہ شوافع نے اس کی تصریح کی ہے، اور (ہمارے نزدیک بھی) یہی ظاہر ہے۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جامع الفصولین'' ج:۲ ص:۲۹۸ میں لکھا ہے:

''پھر اگر اس (توبہ کرنے والے) نے حسب عادت کلمہ شہادت زبان سے پڑھ لیا تو اس سے کوئی فائدہ نہیں، جب تک کہ اس خاص کلمہ کفر سے توبہ نہ کرے، جو اس نے کہا تھا، (اور جس کی بنا پر وہ کافر ہوا) اس لئے کہ اس شخص کا کفر محض کلمہ شہادت سے رفع نہ ہوگا۔''

رسول اللہؐ کے بعد کسی نبی کے آنے کا قائل ہونا، ایسا ہی موجب کفر ہے جیسے کسی خاص شخص کو خدا یا خدا کا اوتار کہنا:

ابن حزم رحمہ اللہ کتاب ''الفصل'' میں ج:۳ ص:۲۴۹ پر فرماتے ہیں:

(گزشتہ سے پیوستہ) اس گروہ میں کچھ نصرانی بھی شامل ہیں، یہ فرقہ عراق میں اسی نام کے ساتھ معروف ہے، مراجعت کیجئے (ردالمحتار ج:۳ ص:۳۹۶) از مترجم۔

''جو شخص کسی خاص انسان کو کہے وہ اللہ ہے، یا اللہ کی مخلوق میں سے کسی کے جسم میں اللہ کے حلول کرنے کو مانتا ہو، یا علاوہ عیسیٰ علیہ السلام کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کا قائل ہو، ایسے شخص کو کافر کہنے میں کوئی دو مسلمان بھی اختلاف نہیں کرسکتے، اس لئے کہ ان میں سے ہر عقیدہ کے باطل اور کفر ہونے پر قطعی دلائل قائم ہوچکے ہیں۔''

اسی کتاب ''الفصل'' میں ج:۴ ص:۱۸۰ پر فرماتے ہیں:

''قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا قول: ''وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ.'' اور احادیث صحیحہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: ''لا نبی بعدی.'' سن لینے کے بعد کوئی بھی مسلمان کیسے جرأت کرسکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی کو بھی نبی مانے؟ بجز عیسیٰ علیہ السلام کے جن کا استثنیٰ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آخر زمانہ میں نزول عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق صحیح اور مرفوع روایات میں فرمایا ہے۔''

ختم نبوت کا عقیدہ ضروریاتِ دین میں سے ہے، اور اس کا انکار ایسا ہی موجب کفر ہے جیسے خدا، رسول اور دین کے ساتھ استہزأ:

اسی کتاب میں ص:۲۵۵ اور ۲۵۶ پر فرماتے ہیں:

''اس پر امت کا اجماع ہے کہ جو شخص کسی بھی ایسے امر کا انکار کرے جس کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے نزدیک ''مجمع علیہ'' ہے، وہ کافر ہے، اور نصوصِ شرعیہ

سے ثابت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ یا اس کے کسی بھی فرشتے، یا انبیا علیہم السلام میں سے کسی بھی نبی، یا قرآن کریم کی کسی بھی آیت، یا دین کے فرائض میں سے کسی بھی فرض - اس لئے کہ یہ تمام فرائض آیات اللہ ہیں - کے ساتھ حجت واضح ہوجانے کے بعد جان بوجھ کر استہزأ کرے، وہ کافر ہے، اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو بھی نبی مانے، یا کسی ایسے امر کا انکار کرے جس کا اسے یقین ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے، وہ بھی کافر ہے۔''

امت کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سبّ وشتم یا آپؐ کی ذات میں عیب چینی موجب کفر وارتداد وقتل ہے:

ملا علی قاریؒ ''شرح شفا'' میں ج:۲ ص:۳۹۳ پر فرماتے ہیں:

''تمام علماٗ کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی پر سب وشتم کرے (وہ مرتد ہے)، اس کو قتل کردیا جائے۔ فرماتے ہیں: طبری نے بھی اسی طرح یعنی ہر اس شخص کے مرتد ہوجانے کو امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ سے نقل کیا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب گیری کرے، یا آپؐ سے بے تعلقی (اور بے زاری) کا اظہار کرے، یا آپؐ کی تکذیب کرے (وہ مرتد ہے)، نیز فرماتے ہیں: سحنونؒ (مالکی) کا قول ہے کہ تمام علماٗ کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم کرنے والا، اور

آپؐ کی ذاتِ مقدس میں عیب نکالنے والا کافر ہے، اور جو کوئی اس کے کافر و معذب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔“

ص:۵۴۶ پر فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کو، اس کے فرشتوں کو، نبیوں کو، جو کوئی سب وشتم کرے اس کو قتل کردیا جائے (کہ وہ مرتد ہے)۔“

ص:۵۴۵ پر فرماتے ہیں:

”تمام انبیا علیہم السلام کی، تمام فرشتوں کی، توہین و تحقیر اور سب وشتم کرنے والے کا، یا جو دین وہ لے کر آئے اس کی تکذیب کرنے والے کا، یا سرے سے ان کے وجود یا نبوت کا انکار کرنے والے کا، حکم وہی ہے جو ہمارے نبی علیہ السلام کے انکار، یا تکذیب، یا توہین وتحقیر اور سب وشتم کرنے والے کا ہے (یعنی وہ مرتد اور واجب القتل ہے)۔“

متواترات کا انکار کفر ہے، اور تواتر سے عملی تواتر مراد ہے:

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”شرح فقہ اکبر“ میں ”محیط“ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”جو کوئی شریعت کی متواتر روایات کا انکار کرے، وہ کافر ہے، مثلاً جو شخص مردوں کے لئے ریشم پہننے کی حرمت کا انکار کرے۔“

فرماتے ہیں: یاد رکھئے! اس مسئلہ میں تواتر سے مراد معنوی تواتر ہے، نہ کہ لفظی (جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے، یعنی محدثین کی اصطلاح کے مطابق جس کو ”حدیث متواتر“ کہتے ہیں، وہ ضروری نہیں، بلکہ شریعت میں جو حکم متواتر سمجھا جاتا

ہے، اس کا منکر کافر ہے، اگرچہ محدثین کی اصطلاح کے مطابق وہ متواتر نہ ہو، چنانچہ حرمت لُبس حریر کی حدیث متواتر نہیں ہے، مگر شریعت میں مردوں کے لئے ریشم پہننے کی حرمت متواتر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک امت اس کو حرام کہتی چلی آئی ہے، اسی کو تواتر معنوی یا تواتر عملی کہتے ہیں)۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''فتاویٰ ہندیہ'' (عالمگیری) میں بھی ''فتاویٰ ظہیریہ'' کے حوالے سے یہی نقل کیا ہے، نیز تمام علماءِ اصولِ فقہ باب ''السنۃ'' میں اسی پر متفق ہیں (کہ مسئلہ تکفیر میں تواتر معنوی معتبر ہے اور اس کے ثبوت میں) امام ابوحنیفہؒ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپؒ نے فرمایا ہے:

''اخاف الکفر علی من لم یر المسح علی الخفین.''

ترجمہ:.....''جو شخص مسح علی الخفین کو جائز نہ سمجھے، مجھے اس کے کافر ہوجانے کا اندیشہ ہے۔''

لہٰذا ان تصریحات و روایات کی بنا پر کسی بھی متواتر حکم کی مخالفت اور انکار کرنے والا کافر ہے۔

فرماتے ہیں: یہی حکم اصول ''بزدوی'' میں ج:۲ ص:۳۶۷ پر اور ''الکشف'' میں ص:۳۶۳ پر اور ج:۴ ص:۳۳۰ میں مذکور ہے۔

قطعی اور یقینی امور کا منکر کافر ہے، جو معتزلہ قطعیات کے منکر نہ ہوں ان کو کافر نہ کہنا چاہئے:

علامہ ابن عابدین شامیؒ ''ردالمحتار'' (شامی) ''باب المحرمات'' ج:۲ ص:۳۹۸ کے تحت لکھتے ہیں:

''یہ حکم فتح القدیر سے ماخوذ ہے، چنانچہ شیخ ابن ہمامؒ

فرماتے ہیں: باقی رہے معتزلہ تو دلائل کا تقاضہ یہ ہے کہ ان سے شادی بیاہ حلال ہونا چاہئے، اس لئے کہ حق یہ ہے کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہنا چاہئے، اگرچہ اہل حق ان کے عقائد پر بحث ونظر کے ذیل میں ان پر کفر لازم کردیتے ہیں، بخلاف اس شخص کے جو دین کے قطعی اور یقینی عقائد و احکام کی مخالفت کرے، مثلاً عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہو، اللہ تعالیٰ کے علم جزئیات کا (ہر چیز کے عالم ہونے کا) منکر ہو، ایسا شخص یقیناً کافر ہے، جیسا کہ محققین نے تصریح کی ہے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: جو شخص اللہ تعالیٰ کے فاعل مختار ہونے کا منکر ہو، اور صدور کائنات کو اس کی ذات کا ایک اضطراری تقاضہ قرار دے، وہ بھی قطعاً کافر ہے۔"

کفر کا حکم لگانے کے لئے خبر واحد بھی کافی ہے:

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: شیخ ابن حجر مکیؒ "صواعق محرقہ" میں ص:۲۵۲ پر شیخ تقی الدین سبکیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

"یہ حدیث اگرچہ خبر واحد ہے، لیکن کفر کا حکم لگانے کے لئے خبر واحد پر عمل کیا جاتا ہے (اس لئے کہ خبر واحد پر عمل واجب ہے) اگرچہ خود کسی خبر واحد کا انکار کفر نہیں ہے، اس لئے کہ خبر واحد ظنی الثبوت ہے، اور ظنی الثبوت امر کا انکار کفر نہیں، ہاں قطعی الثبوت امر کا انکار موجب کفر ہے۔"

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: شیخ ابن حجر مکیؒ کا اشارہ "صحیح ابن حبان" کی روایت ابوسعید خدریؓ کی جانب ہے، جیسا کہ منذری نے "ترغیب و ترہیب" میں

ج:۴ ص:۲۴۲ پر ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''جس آدمی نے دوسرے آدمی کو کافر کہا، ان دونوں میں سے ایک ضرور کافر ہوگیا۔'' (یعنی جس کو کافر کہا ہے، اگر وہ فی الواقع کافر ہے تو فبہا، ورنہ اس کو کافر کہنے والا ایک مسلمان کو کافر کہنے کی وجہ سے خود کافر ہوگیا) اسی حدیث کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''فقد وجب الکفر علی احدھما.'' (ان دونوں میں سے ایک پر کفر ضرور لازم ہوگیا)۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: قاضی شوکانیؒ نے اسی حدیث کی بنا پر رافضیوں کو کافر قرار دیا ہے، جیسا کہ ''ریاض المرتاض'' میں ص:۲۰۹ پر مذکور ہے، (اور یہ ظاہر ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ خبر واحد کی بنا پر تکفیر جائز ہے)۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: شیخ تقی الدینؒ بن دقیق العید نے ''شرح عمدہ'' کے باب ''اللعان'' میں ان لوگوں کے قول کی تائید کی ہے جو اس حدیث کے مضمون کے قائل ہیں (کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہے) اور اس حدیث کو اس کے ظاہر پر محمول کیا ہے۔

نیز فرماتے ہیں: علمائے کبار کی ایک بڑی جماعت کی رائے بھی یہی ہے، جیسا کہ ابن حجر مکیؒ نے اپنی دوسری کتاب ''الاعلام بقواطع الاسلام'' میں ذکر فرمایا ہے، نیز فرماتے ہیں: ''جامع الفصولین'' میں ج:۲ ص:۳۱۱ پر بھی یہی لکھا ہے۔

نیز ''مختصر مشکل الآثار'' میں ج:۱ ص:۳۷۰ پر امام طحاویؒ فرماتے ہیں: اس مقام (یعنی کسی مسلمان کو کافر کہنے کی صورت میں) کافر کہنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ دین کفر ہے جس کا وہ معتقد ہے، (بالفاظ دیگر کسی مسلمان کو کافر کہنا، اسلام کو کفر کہنے کے مرادف ہے) تو اگر وہ شخص مؤمن ہوا اور (اس کا دین عین ایمان) تو اس کو کافر کہنے کے معنی یہ ہوئے کہ کہنے والا ایمان کو کفر کہتا ہے، لہٰذا وہ خود کافر ہوگیا، کیونکہ جو ایمان کو کفر کہے، وہ خدائے بزرگ و برتر کی تکذیب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ومن

یکفر بالایمان فقد حبط عمله." (جو ایمان کا انکار کرے، اس کے تمام اعمال برباد ہوگئے)۔

فرماتے ہیں: امام بیہقی رحمہ اللہ نے کتاب ''الاسماء والصفات'' میں بھی خطابی کے حوالے سے یہی نقل کیا ہے (کہ مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہے)۔

نیز فرماتے ہیں: نکاح کے باب میں زیلعیؒ کا جو قول ''شرح کنز'' میں ج:۲ ص:۱۲۹ پر منقول ہے کہ ''پھر اگر خبر دینے والا خود ولی ہے ...... الخ۔'' اس میں ''عقوبۃ''(۱) سے مراد دنیا کی سزا ہے، ''فتح القدیر'' میں بھی ج:۲ ص:۴۰۰ پر ''باب ادب القضاء'' کے ذیل میں اس قول کو باختصار نقل کیا ہے، اس کی مراجعت کیجئے۔

فرماتے ہیں: ''کنز'' کے متن میں باب ''شتی القضاء'' کے ذیل میں بھی اس قول کو نقل کیا ہے، اور اس پر رمز (اشارہ) اول کراہیت کی ہے، (یعنی کتاب الکراھیة کے شروع میں بھی ج:۴ ص:۲۰۵ پر اشارتاً اس کا ذکر کیا ہے)۔

ایک شبہ کا ازالہ:

حضرت مصنفؒ کی جانب سے تنبیہ(۲)، فرماتے ہیں:

---

(۱) امام زیلعیؒ نے دوشیزہ لڑکی کو اس کا نکاح کردینے کی اطلاع کے ذیل میں ''خبر واحد'' کے متعلق ایک ضابطہ بیان کیا اور خبر واحد کی ''محل'' کے اعتبار سے پانچ قسمیں کی ہیں، اور فرمایا ہے کہ: خبر واحد اگر حقوق اللہ سے متعلق ہو تو حجت ہوگی اور اگر موجب عقوبۃ ہے تو اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس میں مقبول ہوگی اور بعض علماءؒ کہتے ہیں کہ اس میں ثبوت حکم کے لئے خبر واحد کافی نہیں ہے، حضرت مصنف علیہ الرحمہ دفع توہم کے طور پر فرماتے ہیں کہ: زیلعی کے اس بیان میں عقوبت سے عقوبت دینا یعنی ''حد'' وغیرہ مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جس خبر واحد کو قبول کرلینے سے کوئی شخص عقوبت شرعی (شرعی سزا) کا مستحق بنتا ہو، ایسے معاملہ میں خبر واحد (ایک آدمی کا بیان) کافی نہیں ہے، جب تک نصاب شہادت پورا نہ ہو، اس لئے "الحدود تندرء بالشبهات" حدیں ذرا سے شبہ سے ساقط ہوجاتی ہیں۔

(۲) مسئلہ زیر بحث یعنی: ''خبر واحد کی بنا پر تکفیر جائز ہے'' ......(بقیہ اگلے صفحہ پر)

جو لوگ مسئلہ تکفیر میں خبر واحد کو قابل عمل قرار دیتے ہیں، ان کی مراد یہ ہے کہ حدیث اگر خبر واحد بھی ہو تب بھی وہ مفتی کے لئے مسئلہ تکفیر میں حکم کا ماخذ اور تکفیر کی بنیاد بن سکتی ہے، (یعنی مفتی اس کی بنا پر کافر ہونے کا حکم لگا سکتا ہے) باقی خود وہ شخص جس کو کافر کہا گیا ہے وہ فی نفسہٖ کافر ہوا ہے، کسی امر قطعی کا انکار کرنے کی وجہ سے، نہ کہ امر ظنی کا انکار کرنے کی وجہ سے، یہ فرق (کہ امر قطعی کے انکار کی وجہ سے کافر ہوگا اور امر ظنی کے انکار سے کافر نہ ہوگا) اس شخص کے حق میں ہے، باقی مفتی کے حق میں (کفر کا فتویٰ لگانے کے لئے) یہ ظن کافی ہے کہ فلاں شخص نے فلاں امر قطعی کا انکار کیا ہے، اس کے لئے قطعی یقین کا ہونا ضروری نہیں ہے۔(۱) یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے رجم کے مسئلہ میں خبر واحد پر عمل کیا جاتا ہے، لیکن کسی شخص پر رجم کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جاتا جب تک چار مرد زنا کی گواہی نہ دیں، ایسے ہی اس مسئلہ تکفیر میں بھی ہے، حاصل یہ ہے کہ مسئلہ تکفیر میں کسی شخص کے کفر کا موجب تو فی نفسہٖ صرف انکارِ امر قطعی ہے، لیکن مفتی کو وجہ کفر (یعنی انکار امر قطعی) کی طرف متوجہ اور متنبہ کرنے

(گزشتہ سے پیوستہ) چونکہ سرسری نظر میں مسلّمہ اصولِ دین کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ خبر واحد مسلّمہ طور پر ظنی ہے، اور تکفیر صرف امر قطعی پر کی جاتی ہے، حالانکہ یہ ایک التباس اور دھوکا ہے اور قصورِ نظر کا نتیجہ، اس لئے حضرت مصنف نور اللہ مرقدہ اس التباس کا پردہ چاک کرنے کی غرض سے تنبیہ من الراقم کے عنوان سے نہایت وضاحت کے ساتھ مسئلہ کی حقیقت کو بیان کر کے قارئین کو اس دھوکے سے بچنے کی طرف متوجہ اور متنبہ کرنا چاہتے ہیں، فرماتے ہیں: از مترجم۔

(۱) حاصل یہ ہے کہ ایک ہے وجہ کفر، وہ تو صرف کسی امر قطعی کا انکار ہی ہوسکتی ہے، ایک ہے وجہ کفر کا ارتکاب، اس کے لئے ظن وگمانِ غالب کافی ہے، یقین ضروری نہیں، یعنی یہ بات نہیں کہ جب تک مفتی کو ارتکابِ وجہ کفر کا علم قطعی اور یقینی طور پر نہ ہو وہ کفر کا فتویٰ نہیں لگا سکتا) اس لئے کہ خبر واحد اگرچہ ظنی ہے مگر مسلّمہ طور پر واجب العمل ہے، اس لئے مفتی پر واجب ہے کہ ارتکابِ وجہ کفر کا ظن غالب ہونے کی صورت میں وہ کفر کا فتویٰ لگا دے، اسی کا وہ مامور و مکلّف ہے۔ از مترجم۔

والی خبر واحد بھی ہوسکتی ہے۔(۱) یعنی اس کو بتلاسکتی ہے کہ فلاں امر قطعی کا انکار کفر ہے، لیکن وہ امر (جس کے انکار کی وجہ سے کسی کو کافر کہا جائے) فی نفسہ صرف امر قطعی ہی ہوسکتا ہے (اس لئے کہ امر ظنی کے انکار سے انسان کافر نہیں ہوتا)۔ فرماتے ہیں: اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عالم (ان) متواتر اور قطعی امور کو شمار کرے، اور ان کی فہرست بنائے (جن کا انکار کفر ہے) اس شمار اور فہرست میں بعض متواتر اور قطعی امور سہواً شمار کرنے سے رہ جائیں اور اس فہرست میں نہ آئیں اور کوئی عالم اس کو بتلائے کہ فلاں فلاں قطعی امور تو تم نے چھوڑ دیئے اور اس فہرست میں شمار ہی نہیں کئے، اور وہ عالم اس شخص واحد کے متنبہ کرنے پر ان امور کو بھی فہرست میں داخل کرے تو اس صورت میں وہ عالم اس شخص واحد کے متنبہ کرنے سے ایک امر قطعی کی طرف متوجہ ہوگیا (جو اس کے ذہن میں نہ تھا، یا سہواً رہ گیا تھا) تو دیکھو وہ امر بجائے خود قطعی ہے، اس شخص واحد کے کہنے سے قطعی نہیں ہوا، ہاں اس شخص نے اس عالم کو اس کی طرف متوجہ کردیا۔

بالکل اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں وہ شخص کافر تو ہوگا صرف امر قطعی کا انکار کرنے کی وجہ سے، لیکن اس کے کفر پر فتویٰ لگانے والا مفتی ''خبر واحد'' سے انکار امر قطعی پر متنبہ ہوجاتا ہے، اور کفر کا فتویٰ لگادیتا ہے، اس فرق کو خوب اچھی طرح سمجھ لو، واللہ ولی التوفیق!

(۱) چنانچہ اسلام کو کفر کہنا، حق کو باطل کہنے کے مرادف ہے، اور امر قطعی کا انکار ہے، لہٰذا جو شخص اسلام کو کفر کہے گا وہ ایک امر قطعی کے انکار کرنے کی وجہ سے یقیناً کافر ہوگا، لیکن اس بات کا علم کہ ایک مسلمان کو ''کافر'' کہنے والا، اس کا مرتکب ہے، یعنی اس نے اسلام کو کفر کہا ہے، اس کا علم ہمیں اس حدیث سے ہوا جو خبر واحد ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ہم ایک مسلمان کو کافر کہنے والے پر کفر کا حکم لگائیں، اس لئے کہ خبر واحد مسلمہ طور پر وجوب عمل کے لئے مفید ہے۔ از مترجم۔

ایک اور شبہ اور اس کا ازالہ:

فرماتے ہیں: ''شرح فقہ اکبر'' کے بیان سے یہ متوہم ہوتا ہے کہ مسئلہ تکفیر میں فقہاً اور متکلمین کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ فقہاً تو امر ظنی کے انکار کی وجہ سے بھی کفر کا حکم لگادیتے ہیں، بخلاف متکلمین کے (کہ وہ صرف امر قطعی کے انکار پر ہی کفر کا حکم لگاتے ہیں)۔

یہ محض توہم ہے، درحقیقت مسئلہ تکفیر میں فقہاً اور متکلمین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، بلکہ یہ صرف ان کے فن اور موضوعِ بحث کا اختلاف ہے، چنانچہ فقہاً کا موضوع بحث ''فعل مکلّف'' ہے، اور ان کے بیشتر مسائل ظنی ہیں، (اس لئے فقہاً دلائل ظنیہ کی بنا پر ہی کفر کا حکم لگاتے ہیں) اور متکلمین کا موضوع بحث عقائد قطعیہ ہیں، اور وہ سب دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں، (اس لئے متکلمین دلائل قطعیہ کی بنا پر ہی حکم کفر لگاتے ہیں) یہی وہ نکتہ ہے جس کی بنا پر دونوں فریق کا دائرۂ بحث اور طریق کار مختلف اور الگ الگ ہوجاتا ہے، ورنہ اصل مسئلہ تکفیر میں کوئی اختلاف نہیں، اور بدون تردد تکفیر کی بنیاد ظن پر قائم کرنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ ظن درحقیقت حکم کفر کا علم حاصل کرنے میں ہے، نہ کہ اس امر میں جو کسی شخص کی تکفیر کا موجب ہے (کہ وہ تو بے شک وشبہ سب کے نزدیک امر قطعی ویقینی ہی ہوسکتا ہے)۔

ایک اور فرق:

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

علاوہ ازیں مسئلہ زیر بحث میں تکفیر کی جاتی ہے، خبر واحد کے ''مفہوم'' و مضمون کی بنا پر نہ کہ اس کے ثبوت کے انکار کی بنا پر (چنانچہ اگر کوئی شخص کسی خبر واحد کے ثبوت کا انکار کرے اور کہے کہ میرے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں، اس لئے کہ یہ ''خبر واحد'' ہے، تو اس کو کافر نہ کہا جائے گا) اور بسااوقات طریق ثبوت اور دلالت

مفہوم و مضمون کے اختلاف کی وجہ سے احکام مختلف ہوجاتے ہیں، دیکھئے شوافع نے صرف مضمون خبر واحد کا اعتبار کر کے (فرض اور سنت کی تقسیم کے وقت) صرف فرض کو (سنت کے مقابل) رکھا، اور واجب کو ترک کر دیا، اسی لئے وہ خبر واحد سے فرض کو ثابت کرتے ہیں، اس کے برعکس حنفیہ نے کیفیت ثبوت کو پیش نظر رکھا،(۱) (اور تین قسمیں کیں، فرض، واجب اور سنت اور خبر واحد سے صرف واجب کو ثابت کیا، اور فرض کے ثبوت کے لئے خبر واحد کو ناکافی قرار دیا، ثمرۂ اختلاف یہ نکلا کہ شوافع کے نزدیک خبر واحد سے فرض ثابت ہوسکتا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک خبر واحد سے فرض نہیں ثابت ہوسکتا) فرماتے ہیں اسی دقت نظر کے ساتھ اس مقام کو سمجھنا چاہئے، اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کفریہ اقوال و افعال کے ارتکاب کرنے سے مسلمان، کافر ہوجاتا ہے، اگرچہ دل میں ایمان موجود ہو:

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ دوسری تنبیہ(۲) کے عنوان سے فرماتے ہیں:

---

(۱) یہی زیر بحث اختلاف کا حاصل ہے کہ فقہاؒ مضمون و مفہوم خبر واحد کو پیش نظر رکھتے ہیں اور اس کے انکار کی بنا پر تکفیر کرتے ہیں، اور متکلمین کیفیت ثبوت کو پیش نظر رکھتے ہیں، اور ثبوت خبر واحد کے انکار پر تکفیر نہیں کرتے، لہٰذا درحقیقت فریقین میں کوئی اختلاف نہیں، جس چیز کی بنا پر فقہاؒ تکفیر کرتے ہیں وہ اور ہے، یعنی ''مضمون خبر واحد'' اور جس چیز کی بنا پر متکلمین تکفیر نہیں کرتے وہ اور ہے، یعنی ''انکار ثبوت خبر واحد'' واللہ اعلم!

(۲) عام طور پر کفریہ اقوال و افعال کے مرتکب لوگوں کی جب تکفیر کی جاتی ہے تو وہ خود بھی اور ان کے ہم نوا بھی یہ کہا کرتے ہیں کہ ایمان و کفر کا مدار تو دل پر ہے، جب تک کسی کے دل میں خدا و رسول پر ایمان موجود ہے، اس کو کافر کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اسی طرح قاصر النظر علماؒ بھی یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ایمان تو تصدیق قلبی کا نام ہے، جب تک یہ تصدیق قلبی موجود ہے، کسی مسلمان کو کسی قول و فعل کی بنا پر کافر اور ایمان و اسلام سے خارج نہیں کہا جاسکتا، اس لئے حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ تنبیہ کے عنوان سے علماؒ امت کی تصریحات پیش کر کے اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہتے ہیں۔

علماٗ بعض اعمال و افعال کے موجبِ کفر ہونے پر متفق ہیں، حالانکہ ان کے ارتکاب کے وقت تصدیق قلبی (ایمان) کا موجود رہنا ممکن ہے، اس لئے کہ ان اعمال و افعال کا تعلق ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ اعضاٗ جسم سے ہے، نہ کہ قلب سے، مثلاً ہنسی دل لگی کے طور پر زبان سے کلمہ کفر کہہ دینا، اگرچہ دل میں اس کا اعتقاد بالکل نہ ہو، یا بت (وغیرہ، غیراللہ) کو سجدہ کرلینا، یا کسی نبی کو مار ڈالنا، یا نبی کے، قرآن کے، یا کعبہ کے ساتھ استہزاٗ کرنا (کہ ان تمام افعال کے ارتکاب کرنے سے متفقہ طور پر انسان کافر ہوجاتا ہے، اگرچہ ممکن ہے کہ اس کے دل میں ایمان موجود ہو) فرماتے ہیں: (ان اعمال و افعال کے ارتکاب کرنے والے کے کافر ہونے پر تو سب متفق ہیں لیکن) کفر کی وجہ کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

۱:......بعض علماٗ کہتے ہیں کہ صاحب شریعت علیہ السلام نے ایسی تصدیق و ایمان کا از روئے حکم اعتبار نہیں کیا (اور کالعدم قرار دیا ہے) اگرچہ حقیقتاً موجود بھی ہو (لہٰذا ایسے لوگ شرعاً کافر ہیں) حافظ ابن تیمیہؒ کتاب ''الایمان'' میں طبع قدیم ۱۳۲۵ھ کے ص:۶۰ پر امام ابوالحسن اشعریؒ سے یہی وجہ کفر نقل کرتے ہیں۔

۲:......اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ جو قول و فعل توہین و تحقیر کا موجب ہو اس کے ارتکاب پر کافر کہا جائے گا، اگرچہ توہین و تحقیر کا قصد نہ بھی ہو، (گویا یہ قول و فعل عدم ایمان کی دلیل ہیں، ایسی صورت میں اس شخص کا دعویٰ ایمان مسموع نہ ہوگا) علامہ شامیؒ نے ''ردالمحتار'' میں یہی وجہ کفر بیان کی ہے۔

۳:......بعض علماٗ کہتے ہیں کہ ایمان (صرف تصدیق قلبی کا نام نہیں ہے، بلکہ اس) میں کچھ اور امور بھی معتبر ہیں (جن میں خدا اور رسول وغیرہ کی عقیدت و احترام بھی شامل ہے)، لہٰذا ایسے شخص کی تصدیق کو جو مذکورہ بالا اعمال و افعال کا مرتکب ہے، ایمان نہیں کہا جائے گا۔

۴:......بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شرعاً مؤمن کے لئے جو تصدیق معتبر

ہے، یہ اعمال و افعال قطعاً اس کے منافی ہیں، (لہٰذا ایسا شخص شرعاً مؤمن نہیں ہے) علامہ قاسم نے ''مسایرہ'' کے حاشیہ میں اور حافظ ابن تیمیہؒ نے یہی وجہ کفر بیان کی ہے، مختصر یہ ہے کہ انسان بعض اعمال و افعال اور اقوال کے ارتکاب کرنے کی وجہ سے بھی متفقہ طور پر کافر ہوجاتا ہے، اگرچہ وہ تصدیق قلبی لغوی اور ایمان سے خارج نہ بھی ہوا ہو۔

کافروں کے سے کام کرنے والا مسلمان ایمان سے خارج اور کافر ہوجاتا ہے:

چنانچہ ''شفا'' اور ''مسایرہ'' میں قاضی ابوبکر باقلانیؒ کا مذکورہ ذیل قول نقل کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''اگر کسی شخص نے کسی ایسے قول یا فعل کے ذریعہ معصیت کا ارتکاب کیا، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تصریح فرمائی ہو، یا امت کا اجماع ہو کہ: ''یہ قول و فعل کسی کافر ہی سے سرزد ہوسکتا ہے۔'' یا کوئی اور قطعی (دلیل) اس پر قائم ہو (کہ یہ فعل ایک کافر ہی کرسکتا ہے) تو وہ شخص کافر ہوجائے گا۔''

کفریہ اقوال و اعمال:

ابوالبقا ''کلیات'' میں فرماتے ہیں:

''کبھی انسان قول سے کافر ہوتا ہے، اور کبھی فعل سے، موجب کفر کی صورت یہ ہے کہ انسان کسی ایسے امر شرعی کا انکار کردے جو مجمع علیہ ہو، اور اس پر نص صریح بھی موجود ہو، خواہ اس کا عقیدہ بھی وہی ہو، خواہ عقیدہ تو وہ نہ ہو، مگر محض عناد یا

استہزاً کے طور پر انکار کرے، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا (ہر صورت میں) کافر ہوجائے گا، اور موجب کفر فعل وہ ''کفریہ عمل'' ہے جو انسان عمداً کرے اور وہ دین کے ساتھ کھلا ہوا استہزاً ہو، مثلاً بت کو سجدہ کرنا۔''

بغیر کسی جبر و اکراہ کے زبان سے کلمہ کفر کہنے والا کافر ہے، اگرچہ اس کا وہ عقیدہ نہ بھی ہو:

''شرح فقہ اکبر'' میں ص:۱۹۵ پر علامہ قونویؒ کا قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

''اگر کسی شخص نے اپنی خوشی سے (بغیر کسی جبر و اکراہ کے) زبان سے عمداً کلمہ کفر کہہ دیا، تو وہ کافر ہوجائے گا، اگرچہ وہ اس کا عقیدہ نہ بھی ہو، اس لئے کہ (اس صورت میں) زبان سے کلمہ کفر کہنے پر اس کی رضا پائی گئی (اور رضا بالکفر، کفر ہے) اگرچہ وہ اس کے حکم یعنی کافر بننے پر راضی نہ بھی ہو، اور ناواقفیت اور جہل کا عذر بھی مسموع نہ ہوگا، عام علماً کا فیصلہ یہی ہے، اگرچہ بعض علماً اس کی مخالفت کرتے ہیں، (اور ناواقفیت کو عذر تسلیم کرتے ہیں) نیز علامہ موصوف فرماتے ہیں ''خلافت شیخینؓ'' کا منکر کافر ہے۔''

اسی ''شرح فقہ اکبر'' میں ملا علی قاریؒ خود فرماتے ہیں:

''پھر یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص زبان سے کلمہ کفر کہے یہ جانتے ہوئے کہ اس کا حکم یہ ہے (کہ انسان کافر ہوجاتا ہے) اگرچہ وہ اس کا معتقد نہ بھی ہو، لیکن کہے برضا و رغبت (بغیر کسی

جبر و اکراہ کے) تو اس پر کافر ہونے کا حکم لگایا جائے گا، اس لئے کہ بعض علماً کے نزدیک مختار یہ ہے کہ تصدیق قلبی اور اقرار لسانی دونوں کے مجموعہ کا نام ایمان ہے، لہٰذا یہ کلمہ کفر کہنے کے بعد وہ اقرار، انکار سے بدل گیا (اور ایمان باقی نہ رہا)۔"

ملا علی قاریؒ کی "شرح شفا" میں ج:۲ ص:۴۲۹ پر اور کچھ حصہ ج:۲ ص:۴۲۸ پر بھی یہی تحقیق مذکور ہے۔

ناواقفیت کا عذر کس صورت میں مسموع ہے اور کس میں نہیں؟

اسی "شرح فقہ اکبر" کے آخر میں فرماتے ہیں:

"میں کہتا ہوں پہلا قول (کہ جہالت عذر ہے) زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، الّا یہ کہ ایسے امر کا انکار کرے جس کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو، ایسی صورت میں اس انکار کرنے والے کو کافر قرار دیا جائے گا، اور جہالت کا عذر مسموع نہ ہوگا۔"

زبان سے کلمہ کفر بنص قرآن موجب کفر ہے:

حافظ ابن تیمیہؒ "الصارم المسلول" میں ص:۵۱۹ پر فرماتے ہیں:

"اسی لئے (کہ کلمہ کفر زبان پر لانے سے ہی انسان کافر ہوجاتا ہے) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ."

(التوبہ:۶۶)

ترجمہ:...... "تم کوئی عذر مت پیش کرو، اس لئے کہ بے شک تم ایمان لانے کے بعد (کلمہ کفر کہنے کی وجہ سے) کافر ہوگئے۔"

فرماتے ہیں:

یہاں اللہ تعالیٰ نے (قد کفرتم کے بجائے) یہ نہیں فرمایا کہ تم اپنے قول: "اِنَّمَا کُنَّا نَخُوضُ وَنَلعَبُ" میں "جھوٹے ہو" یعنی ان کو اس عذر میں جھوٹا نہیں کہا، بلکہ یہ بتلایا کہ تم اس ہنسی، دل لگی اور کھیل کود کے طور پر کلمہ کفر کہنے کی وجہ سے ہی ایمان کے بعد کافر ہوگئے (پس بنص قرآن معلوم ہوا کہ ہنسی، دل لگی کے طور پر کلمہ کفر کہنا بھی موجب کفر ہے، اگرچہ قصد کچھ بھی ہو)۔"

ص:۵۲۴ پر اس کی مزید وضاحت کی ہے، اسی طرح امام ابوبکر جصاصؒ نے "احکام القرآن" میں اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

شارع علیہ السلام نے محض کلمہ کفر زبان سے کہنے کو موجب کفر قرار دیا ہے:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ان تصریحات کے پیش نظر یہ کہنا کچھ بعید نہیں کہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مذکورہ سابق حدیث (ابوسعیدؓ) میں ایسے مسلمان کے کافر کہنے کو ہی جس کا اسلام سب کو معلوم ہے، کفر قرار دیا ہے، اس لئے کہ شارع علیہ السلام کو اس کا اختیار ہے (کہ وہ کسی بھی قول یا فعل کو کفر قرار دے دیں) نہ اس لئے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے کے ضمن میں اسلام کو کفر کہنا لازم آتا ہے (کہ یہ بلاوجہ کا تکلف ہے) اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:

"فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُونَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوا فِیٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ

وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا." (النسآ:٦٥)

ترجمہ:......"پس قسم ہے تیرے رب کی وہ اس وقت تک مؤمن نہ ہوں گے جب تک تجھ کو اپنے باہمی جھگڑوں میں حاکم بااختیار نہ مان لیں، اور پھر تیرے فیصلوں سے اپنے دلوں میں ناگواری بھی محسوس نہ کریں اور کلی طور پر (تجھ کو حاکم مختار) تسلیم کرلیں۔"

(اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے امت کے تمام احکام و معاملات میں کلی طور پر مختار بنادیا ہے، اور اسی اختیار کے تحت حضورؐ نے کسی مسلمان کے کافر کہنے کو کفر قرار دیا ہے) اور اللہ تعالیٰ تو تمام امور کے مالک و مختار ہیں ہی (اسی لئے اس نے اپنے نبی کو امت کے احکام و معاملات میں مختار بنادیا ہے۔)

کفر کو کھیل بنالینا کفر ہے:

"ایثار الحق" میں ص:۴۳۲ پر امام غزالی رحمہ اللہ کے حوالے سے (اس تکفیر کی) وجہ یہ بیان کی ہے:

"کسی مسلمان بھائی کو کافر کہنے والا جبکہ اس کے اسلام کا معتقد ہے تو اس کے باوجود اس کو کافر کہنے کے معنی یہ ہوئے کہ جس دین کا وہ پیرو ہے، وہ کفر ہے، اور وہ پیرو ہے اسلام کا، تو گویا کہنے والے نے اسلام کو کفر کہا، اور جو کوئی اسلام کو کفر کہے وہ خود کافر ہے، اگرچہ اس کا یہ عقیدہ نہ بھی ہو۔"

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: تو دیکھو غزالیؒ نے اسے کفر کے ساتھ دل لگی (یعنی کفر کو کھیل بنالینے کے مرادف) قرار دیا ہے (اور اس کو موجبِ کفر کہا ہے)۔

مرزا غلام احمد اور اس کے ماننے والے تمام مرزائی کافر ہیں:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

یہ مردود (مرزا غلام احمد علیہ ما علیہ) اور اس کے متبعین یقیناً اس حدیث کا مصداق ہیں، اس لئے کہ یہ لوگ عہد حاضر کی تمام امت مسلمہ کو (علی الاعلان) کافر کہتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ خود ان کو (بنص حدیث و قرآن) کافر قرار دیا جائے، نہ کہ تمام عالم اسلامی کو، اس لئے کہ حدیث مذکور کے مطابق یہ امت مسلمہ کی تکفیر خود ان پر پڑی (اور بنص حدیث دنیا کے تمام مسلمانوں کو کافر کہنے کی وجہ سے یہ سب کافر ہوگئے، یہ خدائی مار ہے) اور اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، اور جو ارادہ کرتے ہیں اس کا حکم کر دیتے ہیں (اللہ تعالیٰ نے ان کو خود ان کی زبان سے کافر بنا دیا) بقول شاعر:

فقد کان ھذا لھم لا لھم
فاولیٰ لھم ثم اولیٰ لھم

ترجمہ:...... ''یہ تو اُن کی دلیل ہے، نہ اِن کی، پس ان کے لئے ہلاکت ہو اور پھر ہلاکت ہو۔''

چنانچہ حافظ ابن قیمؒ ''زاد المعاد'' میں باب ''احکام الفتح'' کے تحت فرماتے ہیں:

''بخلاف مبتدعین اور اہل اہوأ (گمراہ فرقوں) کے کہ یہ لوگ تو اپنے عقائد باطلہ کی مخالفت اور خود اپنی جہالت کی بنا پر تمام مسلمانوں کو کافر اور مبتدع (گمراہ) کہتے ہیں، حالانکہ وہ خود کافر اور مبتدع (گمراہ) کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں، بہ نسبت ان مسلمانوں کے جن کو وہ کافر اور مبتدع کہتے ہیں (کیونکہ وہ

مسلمانوں کو کافر کہنے کی وجہ سے بنص حدیث خود کافر ہو گئے)۔''

مسئلہ تکفیر کے مزید حوالے:

مصنف علیہ الرحمۃ بحث کو ختم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تکفیر کا مسئلہ ''تحریر'' اور اس کی شرح ''تقریر'' میں مذکورہ ذیل عنوانات کے تحت مندرجہ ذیل صفحات پر مذکور ہے، (مراجعت فرمائیے):

ا:......مسئله العقليات الیٰ آخره. ج:۳ ص:۳۰۳ و ۳۱۸۔

۲:......ثم قال السبکی الیٰ آخره. آخر شرح میں۔

۳:......والفصل الثانی فی الحاکم. ج:۲ ص:۹۰۔

۴:......والباب الثانی ادلة الاحکام. ج:۲ ص:۲۱۵۔

۵:......ومسئلة انکار حکم الاجماع القطعی. ج:۳ ص:۱۱۳ و ص:۳۰۵۔

۶:......وانما لهم القطع بالعمومات الخ. ج:۳ ص:۴۰ و ۱۱۰۔

۷:......اجيب بان فائدته التحول الخ. ج:۳ ص:۲۵۔

۸:......ومن اقسام الجهل الخ. ج:۳ ص:۳۱۷۔

۹:......والهزل. ج:۲ ص:۲۰۰۔

فرماتے ہیں: تبلیغ سے متعلق ''مستصفی'' اور ''تقریر'' میں مذکورہ ذیل صفحات پر ہے:

''المستصفی'':......ج:۱ ص:۱۳۳، ۱۴۷، ۱۵۱۔

''التقریر'':......ج:۳ ص:۳۱۶، ۳۲۷۔

ضروریاتِ دین کی مخالفت میں کوئی تاویل مسموع نہیں اور ان میں تاویل کرنے والا کافر ہے:

ضروریات دین اور امور قطعیہ کے علاوہ امور حقہ میں تاویل مسموع ہے، ضروریاتِ دین اور قطعیات میں کوئی بھی تاویل مسموع[1] نہیں اور مؤول تاویل کرنے کے باوجود کافر ہے:

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کلیات ابوالبقا'' میں ص:۵۵۳ و ۵۵۴ پر لکھا ہے:

''ہر وہ شخص جس کے دل میں ایمان نہ ہو وہ کافر ہے،
اب اگر وہ صرف زبان سے ایمان کا اظہار (اور مسلمان ہونے کا

(۱) صریح کفریہ عقائد رکھنے والے اور کفریہ اقوال و اعمال کا ارتکاب کرنے والے ''نام نہاد'' مسلمان افراد یا فرقوں پر جب علمائے حق کفر کا حکم اور فتویٰ لگاتے ہیں، تو احتیاط کوش اور تساہل پسند علما ان کی تکفیر سے یہ کہہ کر احتراز کرتے ہیں کہ: ''مؤول کی تکفیر شرعاً جائز نہیں ہے۔'' اور خود وہ لوگ بھی علمائے حق کے مقابلہ پر اس فقرہ کو بطور ''سپر'' استعمال کرتے ہیں، اس لئے حضرت مصنف قدس اللہ سرہ ''تکفیر اہل قبلہ'' کی طرح اس مسئلہ ''تاویل'' پر بھی ایک مستقل عنوان اور باب قائم کر کے علمائے محققین کے اقوال و آراء پیش فرماتے ہیں، اور اس مسئلہ کی مکمل تنقیح اور تحقیق فرماتے ہیں۔ از مترجم۔

دعویٰ) کرتا ہے تو وہ منافق ہے، اور اگر ایمان لانے کے بعد کفر
کو اختیار کرتا ہے تو وہ مرتد ہے، اور اگر ایک سے زائد معبود مانتا
ہے تو وہ مشرک ہے، اور اگر کسی منسوخ دین اور کتاب کا متبع ہے
تو وہ کتابی ہے، اور اگر زمانہ کو قدیم مانتا ہے اور حوادث عالم کو
اسی کی جانب منسوب کرتا ہے (یعنی ''زمانہ'' کو ہی کائنات کا
خالق اور اس میں متصرف مانتا ہے) تو وہ مُعَطِّل ہے، اور اگر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا تو اقرار کرتا ہے، مگر اسی
کے ساتھ باطنی طور پر ایسے عقیدے رکھتا ہے، جو متفقہ طور پر کفر
ہیں تو وہ زندیق ہے۔''

ممانعت تکفیر اہل قبلہ کس کا قول ہے؟
اور اس کی صحیح تعبیر کیا ہے؟

نیز حضرت مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اہل قبلہ کی تکفیر سے ممانعت صرف شیخ ابوالحسن اشعریؒ اور فقہاؒ کا قول ہے، مگر جب ہم ان (نام نہاد) مسلمان فرقوں کے عقائد کا جائزہ لیتے ہیں تو ان میں ہم ایسے عقائد موجود پاتے ہیں، جو قطعی طور پر کفر ہیں، لہٰذا ہم (اس مسئلہ کا عنوان یہ قرار دیتے ہیں کہ):

''ہم اہل قبلہ کو اس وقت تک کافر قرار نہیں دیتے
جب تک کہ وہ کسی موجب کفر قول یا فعل کا ارتکاب نہ کریں۔''

اور یہ قول (لا نکفر اھل القبلة اگرچہ بظاہر عام ہے، لیکن یہ) ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا.'' (بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف کردے گا) حالانکہ کفر و شرک (وہ گناہ ہیں جو کسی کے نزدیک بھی

بدون توبہ) معاف نہ ہوں گے۔(۱)

فرماتے ہیں: چنانچہ جمہور اہل سنت فقہاً اور متکلمین ''اہل قبلہ'' میں سے ان مبتدع (گمراہ) فرقوں کی تکفیر سے منع کرتے ہیں جو (ضروریاتِ دین میں نہیں بلکہ) ضروریاتِ دین کے علاوہ عقائد و امور حقہ میں باطل تاویلیں کرتے ہیں، اس لئے کہ ان کی یہ تاویلیں بھی ایک قسم کا ''شبہ'' ہیں (لہٰذا ان کا کفر یقینی نہ ہوا)۔

فرماتے ہیں: یہ مسئلہ بیشتر معتبر کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

اجماع ضروریاتِ دین میں سے ہے:

اسی ''کلیات'' میں ص:۵۵۴، ۵۵۵ پر لکھا ہے:

''اس قطعی اور یقینی اجماع کی (مخالفت اور انکار) کرنا جو ضروریاتِ دین میں سے ہوگیا ہو، یقیناً کفر ہے، اور ضروریاتِ دین میں سے کسی بھی چیز کے منکر کو کافر کہنے میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے، نزاع صرف اس منکر کو کافر کہنے میں ہے جو تاویل کی بنا پر (کسی ایسے) امر قطعی کا انکار کرے (جو ضروریاتِ دین میں سے نہ ہو) چنانچہ فقہاً و متکلمین اہل سنت میں سے بیشتر علماً کی رائے اور جمہور اہل سنت کا مختار یہ ہے کہ

---

(۱) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دوسری آیت میں فرماتے ہیں: ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔'' لہٰذا معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں ''ذنوب'' سے کفر و شرک کے ماسوا گناہ مراد ہیں، بالکل اسی طرح یہ تمام علماً ایک طرف فرماتے ہیں: ''ہم کسی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے۔'' دوسری طرف انہی اہل قبلہ میں سے گمراہ فرقوں کے بعض عقائد و اعمال کو کفر صریح قرار دیتے ہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کی مراد مذکورہ بالا قول سے یہ ہے کہ جب تک اہل قبلہ کسی موجب کفر قول یا فعل کا ارتکاب نہ کریں، ہم انہیں کافر نہیں کہتے اس لئے کہ کفریہ عقائد و اعمال اختیار کر لینے کے بعد تو وہ کافر ہوگئے، اہل قبلہ رہے ہی نہیں، لہٰذا ان کی تکفیر اہل قبلہ کی تکفیر ہے ہی نہیں۔ از مترجم۔

اہل قبلہ میں سے اس مبتدع اور گمراہ فرقہ کو کافر نہ کہا جائے، جو ضروریاتِ دین کے علاوہ اور عقائد و مسائل میں تاویل کرتا ہے (اور اس تاویل کی بنا پر مخالفت کرتا ہے) اس لئے کہ تاویل بھی ایک قسم کا ''شبہ'' ہے، جیسا کہ ''خزانہ جرجانی، محیط برہانی، احکام رازی اور اصول بزدوی'' میں مذکور ہے، اور کرخی اور حاکم شہید نے امام ابوحنیفہؒ سے بھی یہی روایت کیا ہے، نیز جرجانی امام حسن بن زیاد سے بھی یہی روایت کرتے ہیں، اور شارح مقاصد، شرح مواقف اور آمدی نے امام شافعیؒ سے بھی یہی روایت کیا ہے، نہ کہ مطلقاً (یعنی یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ کسی بھی ''موَول'' اہل قبلہ کی تکفیر کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے، بلکہ ضروریاتِ دین کا سب استثنا کرتے ہیں، لہٰذا ضروریاتِ دین کا منکر سب کے نزدیک کافر ہے، اور اس کی کوئی تاویل مسموع نہیں)۔

امر قطعی کا انکار بہر صورت کفر ہے:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''فتح المغیث'' میں ''مبتدعین'' کی روایت کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کی بحث کے ذیل میں ص:۱۴۳ پر لکھتے ہیں:

''یہ تمامتر نزاع ان ''بدعتوں'' (اور گمراہیوں کے) متعلق ہے جو موجب کفر نہیں ہیں، رہی موجب کفر بدعتیں تو ان میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ ان کے موجب کفر ہونے میں کوئی تردد کیا ہی نہیں جاسکتا، (ان کے ماننے والے یقیناً کافر ہیں، ان کی روایت ہرگز مقبول نہ ہوگی) مثلاً وہ لوگ جو ''اللہ تعالیٰ

کے معدوم چیز سے واقف ہونے۔'' کے منکر ہیں، اور کہتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پیدا کرنے کے بعد ہی جانتا ہے۔'' یا وہ لوگ جو ''جزئیات کے علم'' کے بالکل منکر ہیں، یا وہ لوگ جو ''حضرت علیؓ کے وجود میں اللہ تعالیٰ کے حلول کرنے کے قائل ہیں۔'' یا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے صاف اور صریح طور پر ''جسم'' ثابت کرتے ہیں، اور اس کو ''مجسم'' (عرش پر چوکڑی مارے بیٹھا ہوا) مانتے ہیں، فرماتے ہیں: لہٰذا صحیح فیصلہ یہ ہے کہ ہر اس راوی کی روایت رد کردی جائے گی جو شریعت کے کسی ایسے متواتر امر کا انکار کرے، جس کے ثبوت یا نفی کا ''دین سے ہونا'' یقینی طور پر معلوم و معروف ہو، لیکن جو راوی ایسا نہ ہو (یعنی قطعیات اور ضروریات دین کا منکر نہ ہو) اور اس کے ساتھ ساتھ حفظ و ضبط روایت اور تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ موصوف ہو، اور ثقہ راوی کی باقی تمام صفات اور صحت روایت کے تمام شرائط اس میں موجود ہوں تو ایسے مبتدع کی روایت قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''

لزوم کفر اور التزام کفر کا فرق:

صاحب ''فتح المغیث'' آگے چل کر فرماتے ہیں:

''دلائل و براہین سے ثابت ہے کہ کفر کا حکم اس شخص پر لگایا جائے گا جس کا قول صریح کفر ہو، یا کفر صریح اس کے قول سے لازم آتا ہو، اور اس کو بتلادیا جائے (کہ تمہارے قول پر یہ کفر لازم آتا ہے) تب بھی وہ اسی پر مصر رہے، لیکن اگر وہ اس

کو تسلیم نہیں کرتا (کہ میرے قول پر یہ کفر لازم آتا ہے) اور اس
کفر کی مدافعت کرتا ہے (اور جواب دیتا ہے) تو وہ کافر نہ ہوگا،
اگرچہ (اہل حق کے نزدیک) وہ امر جو لازم آتا ہو کفر ہو۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: صاحب ''فتح المغیث'' کے اس (دوسرے) بیان کو ''امر غیر قطعی'' (کے انکار) پر محمول کرنا چاہئے تاکہ یہ بیان ان کے پہلے بیان کے موافق ہو جائے (اور تضاد نہ پیدا ہو، اس لئے کہ پہلے بیان سے ظاہر ہے کہ امر قطعی کا انکار بہرصورت موجب کفر ہے، اس کے تسلیم کرنے یا نہ کرنے پر مطلق مدار نہیں، اور دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ لزوم کفر کو تسلیم کرنے کے باوجود مصر رہے تو کافر ہے، ورنہ نہیں، لہٰذا پہلا بیان امر قطعی کے انکار سے متعلق ہے، اور دوسرا امر غیر قطعی کے انکار سے)۔

نیز فرماتے ہیں: صاحب ''فتح المغیث'' سے پہلے ابن دقیق العیدؒ اسی تحقیق کو بیان کر چکے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

> ''ہمارے نزدیک محقق یہ ہے کہ ہم روایت کے معاملہ
> میں راویوں کے مذہب (اور معتقدات) کا اعتبار نہیں کرتے،
> اس لئے کہ ہم کسی بھی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے، الّا یہ کہ وہ
> شریعت کے کسی امر قطعی کا انکار کرے (تو بے شک اس کو کافر
> کہتے ہیں اور اس کی روایت بھی قبول نہیں کرتے)۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: صاحب ''فتح المغیث'' کا پہلا قول حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے ماخوذ ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ کے شاگرد رشید محقق ابن امیر حاجؒ بھی ''تحریر'' کی شرح میں اپنے شیخ حافظ ابن حجرؒ کی یہی رائے نقل کرتے ہیں۔

لزوم کفر اور التزام کفر کے بارے میں قول فیصل:

مصنف نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

لزوم کفر اور التزام کفر کے مسئلہ (میں محققین کی تحقیق) کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے کسی عقیدہ کی وجہ سے کفر لازم آتا ہو اور اس شخص کو اس کا پتہ نہ ہو، اور جب اس کو بتلایا جائے (کہ تمہارے قول پر یہ کفر لازم آتا ہے) تو وہ اس کفر کے لازم آنے کا انکار کرے اور وہ (متنازع فیہ امر) ضروریاتِ دین میں سے نہ ہو، اور اس کفر کا لازم آنا بھی واضح و ظاہر نہ ہو (بلکہ محل بحث و نظر ہو) تو ایسا شخص کافر نہیں ہے، اور اگر لازم آنے کو تو تسلیم کرتا ہو مگر کہتا ہو کہ: ''یہ (جو میرے قول پر لازم آتا ہے) کفر نہیں ہے۔'' اور محققین کے نزدیک اس کا کفر ہونا مسلّم ہو تو اس صورت میں بھی وہ کافر ہے۔

فرماتے ہیں یہی (تحقیق و تفصیل قاضی عیاضؒ نے قاضی ابوبکر باقلانیؒ اور شیخ ابوالحسن اشعریؒ کے حوالے سے نقل کی ہے)، چنانچہ وہ قاضی ابوبکر باقلانیؒ کا قول مذکورہ ذیل نقل کرتے ہیں:

> ''جو علمائ مبتدعین کے قول پر لازم آنے والے کفر پر مؤاخذہ جائز نہیں سمجھتے اور (اہل تحقیق کے نزدیک) ان کے عقیدہ کا جو تقاضا (کفر) ہے، وہ ان پر لازم (عائد) نہیں کرتے وہ ان کو کافر کہنا بھی جائز نہیں سمجھتے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب ان مبتدعین کو اس (لزوم کفر) سے آگاہ کیا جاتا ہے تو وہ فوراً کہتے ہیں کہ ہم تو ہرگز یہ نہیں کہتے کہ (مثلاً) اللہ تعالیٰ عالم نہیں ہے اور یہ جو نتیجہ تم نے ہمارے قول سے نکالا ہے (اور ہم پر الزام عائد کیا ہے) اس کا تو ہم بھی ایسے ہی انکار کرتے

ہیں جیسے تم، اور تمہاری طرح ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے کہ یہ (انکار صفت علم) کفر ہے، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ: ''ہمارے قول سے یہ (انکار صفت علم) لازم ہی نہیں آتا جیسا کہ ہم نے ثابت کردیا۔'' (اس لئے ایسے لوگوں کو کیونکر کافر کہا جائے)۔''

نیز فرماتے ہیں: اور قاضی عیاضؒ نے شیخ ابوالحسن اشعریؒ سے اس شخص کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت سے جاہل ہو، نقل کیا ہے کہ: ''وہ کافر نہیں'' اور اس کی وجہ شیخ نے یہ بیان کی ہے:

''اس لئے کہ یہ جاہل شخص اس طرح اس (قول) کا معتقد نہیں ہے کہ اس کے حق ہونے کا اسے قطعی یقین ہو اور اسی کو دین و مذہب سمجھتا ہو، اور کافر صرف اسی شخص کو کہا جاتا ہے جس کا قطعی اعتقاد یہ ہو کہ میرا قول ہی حق ہے۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: یہی (تفصیل) ابن حزمؒ کے بیان سے بھی واضح ہوتی ہے۔

خاتمہ

کسی بھی امر مجمع علیہ کا منکر کافر ہے، ''مجمع علیہ'' سے کیا مراد ہے؟

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''شرح جمع الجوامع'' میں ج:۲ ص:۱۳۰ پر فرماتے ہیں:

۱:...... ہر ایسے ''مجمع علیہ امر'' کا منکر قطعاً کافر ہے جس کا امور دین میں سے ہونا یقینی طور پر معلوم ہو، یعنی ایسا امر جس کو ہر خاص و عام بغیر کسی شک و شبہ اور تردد

کے ''دین'' سمجھتا اور جانتا ہو، اور اسی لئے وہ ضروریاتِ دین میں شامل ہوگیا ہو اور مثلاً نماز، روزہ کی فرضیت اور شراب و زنا کی حرمت کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہو، (یعنی فرضیت صوم وصلوٰۃ اور حرمت شراب وزنا کی طرح امت اس کو ''دین'' سمجھتی ہو) اس لئے کہ ایسے امر کے انکار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے، اور ابن حاجبؒ اور آمدیؒ کے بیان سے جو متوہم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف ہے (یہ قطعاً غلط ہے) ان دونوں محققوں کی مراد(۱) یہ نہیں ہے (جو متوہم ہوتا ہے) چنانچہ محقق بنانی شرح ''جمع الجوامع'' کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

''بلکہ ان دونوں حضرات کی مراد یہ ہے کہ جس مجمع علیہ امر کا ''دین'' ہونا قطعی اور یقینی طور پر معلوم نہ ہو، اس میں اختلاف ہے (کہ اس کے منکر کو کافر کہا جائے یا نہیں) باقی جس مجمع علیہ امر کا ''دین'' ہونا قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو اس کے منکر کے کافر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔''

اس کے بعد شرح ''جمع الجوامع'' میں فرماتے ہیں:

۲:......اسی طرح وہ متفق علیہ اور (مسلمانوں میں) مشہور و معروف امور (جو اگرچہ ضروریاتِ دین کے مرتبہ کو نہ پہنچے ہوں مگر) ان پر حدیث وقرآن کی نص صریح (موجود) ہو، مثلاً بیع وشرأ کا حلال (اور سود کا حرام) ہونا، ان کا منکر بھی صحیح تر قول کے مطابق کافر ہے، اس لئے کہ اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے، مگر بعض علمأ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں منکر کی تکفیر نہ کی جائے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس شخص کو قرآن وحدیث کی وہ نصوص معلوم نہ ہوں۔

---

(۱) ہر دو بزرگوں کے بیانات سے واضح ہے کہ 'امر متنازع فیہ' ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے، تب ہی اتنی کنجکاوی اور قیل و قال ہو رہی ہے، ورنہ ضروریاتِ دین اور قطعیات کا انکار تو کھلا ہوا کفر ہے، اس میں اتنی بحث وتمحیص کی گنجائش ہو ہی نہیں سکتی۔ مترجم۔

۳:......اور ان مجمع علیہ مشہور و معروف امور کے منکر کے کافر ہونے میں تردد ہے جن پر قرآن و حدیث کی نص صریح موجود نہ ہو، بعض علماً فرماتے ہیں کہ ایسے مجمع علیہ امور کے منکر کو بھی کافر کہا جائے، اس لئے (کہ اگرچہ نص صریح موجود نہیں مگر) ان کا دین ہونا مشہور و معروف ہے، لیکن بعض علماً کا قول ہے کہ ایسے امر مجمع علیہ کے انکار پر تکفیر نہ کی جائے، اس لئے کہ ممکن ہے اس شخص کو اس شہرت کا علم نہ ہو۔

۴:......اور وہ امر مجمع علیہ جو مخفی ہوں کہ اس کو صرف ''خواص اہل علم'' ہی جانتے ہوں (عام لوگ اس سے واقف نہ ہوں) مثلاً حج میں وقوفِ عرفات سے پہلے ''جماع'' کر لینے سے حج کا فاسد ہو جانا (ایسے امر مجمع علیہ کا منکر کافر نہیں ہوتا) اگرچہ اس مسئلہ میں نص شرعی موجود بھی ہو، مثلاً حقیقی بیٹی کے موجود ہوتے پوتی کے چھٹے حصے کے وارث ہونے کا استحقاق، چنانچہ ''بخاری'' کی صحیح روایت میں آتا ہے کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مذکورہ پوتی کے وارث ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے، (مگر چونکہ امر مخفی ہے، اس لئے مجمع علیہ ہونے کے باوجود اس کا منکر کافر نہ ہوگا)۔

۵:......اسی طرح اگر کوئی شخص (دینی امور کے علاوہ) کسی اور دنیوی متفق علیہ امر کا انکار کرے، مثلاً دنیا میں ''بغداد'' کا وجود، تو اس کا منکر بھی کافر نہ ہوگا۔(۱)

---

(۱) صاحب ''جمع الجوامع'' کے بیان کے مطابق ''مجمع علیہ'' (متفق علیہ) امور پانچ قسم کے ہیں: ۱:وہ امور جن کا دین ہونا اس قدر مشہور و معروف اور یقینی ہو کہ ضروریاتِ دین کے مرتبہ کو پہنچ گئے ہوں۔ ۲:وہ مشہور و معروف امور جو اگرچہ ضروریاتِ دین کے مرتبہ کو نہ پہنچے ہوں مگر منصوص ہوں۔ ۳:وہ مشہور و معروف امور جو صرف مشہور ہوں، منصوص نہ ہوں۔ ۴:وہ خفی امور جن کو صرف اہل علم ہی جانتے ہوں، اگرچہ منصوص ہوں۔ ۵:دینی امور۔ نمبر:۱: کا منکر قطعاً کافر ہے۔ نمبر:۲: کا منکر راجح یہ ہے کہ کافر ہے، اس لئے کہ وہ مشہور بھی ہیں اور منصوص بھی۔ نمبر:۳: کے کافر ہونے اور نہ ہونے دونوں کا احتمال ہے، خفی ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ منکر کو کافر نہ کہا جائے، منصوص ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ کافر کہا جائے۔ نمبر:۴: کا منکر یقیناً کافر نہیں ہے، اسی طرح نمبر:۵: کا منکر بھی کافر نہیں ہے۔

کبار محققین کے اقوال وحوالے:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: (اجماع کی حجیت کے متعلق) یہی تحقیق عام کتب اصول میں مذکور ہے، مثلاً آمدی کی کتاب ''الاحکام'' میں ''المسئلة السادسة من الاجماع'' کے تحت، اور ''ومن شرائط الراوی'' کے ذیل میں۔ اسی طرح ''مختصر ابن حاجب'' میں، اور ''التحریر'' اور اس کی شرح ''التقریر'' میں، اسی طرح شرح مسلم میں۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ''فتاویٰ ابن تیمیہ'' میں ''الاختیارات العلمیۃ'' کے تحت اور کتاب ''الایمان'' میں ص:۱۵ پر فرماتے ہیں:

> ''یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ مؤمنین کا ''اجماع'' حجت ہے، اس لئے کہ اجماع امت کی مخالفت سے مخالفت رسول علیہ السلام لازم آتی ہے (اور رسول کی مخالفت کفر ہے)، نیز اس امر کی بھی دلیل ہے کہ ہر مجمع علیہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص (حدیث صریح) کا ہونا ضروری ہے، لہٰذا ہر وہ مسئلہ جس کے متعلق قطعی یقین ہو کہ امت اس پر متفق ہے اور کوئی مسلمان اس کا مخالف نہیں ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ کے قول (آیت کریمہ) کے مطابق وہی ہدایت ہے اور اس کا منکر ایسا ہی کافر ہے جیسے کسی نص صریح کا منکر (کافر ہے)۔
>
> لیکن جس مسئلہ میں ''اجماع امت'' کا گمان ہو، قطعی یقین نہ ہو، تو ایسی صورت میں تو بعض اوقات اس کا یقین بھی نہیں ہوتا کہ یہ ان امور میں سے ہے بھی جن کا حق ہونا حضرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص سے ثابت ہے، لہٰذا ایسے اجماع کی مخالفت کرنے والے کو کافر نہیں کہا جاسکتا، بلکہ (ایسی صورت میں تو) بعض مرتبہ اجماع کا گمان ہی غلط ہوتا ہے اور اس کی مخالفت کرنا ہی صحیح ہوتا ہے۔"(۱)

فرماتے ہیں:

"یہ اس مسئلہ (حجیت اجماع) کا واضح اور مفصل ترین بیان ہے کہ کون سا اجماع حجت ہے، اور اس کا مخالف کافر ہے، اور کون سے اجماع کا مخالف کافر نہیں ہے۔"

"زرقانی" ج:۶ ص:۱۶۸ پر مقصد سادس کی نوع ثالث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"اگر تم یہ سوال کرو کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے معتبر ہونے کے لئے یہ جاننا بھی شرط ہے کہ آپؐ "بشر" تھے، یا "عربی النسل" تھے، حالانکہ یہ (بتلانا) مثلاً ماں باپ وغیرہ پر فرض کفایہ ہے، چنانچہ ان دونوں میں سے کسی نے بھی اگر اپنی ذی شعور اولاد کو یہ بتلادیا (کہ آپؐ بشر تھے یا عربی النسل تھے) تو دوسرے سے یہ فرض ساقط ہوگیا (یہی فرض کفایہ ہونے کی دلیل ہے، تو کیا فرض کفایہ ہونے کے باوجود یہ صحت ایمان کے لئے شرط ہے)۔"

فرماتے ہیں:

"شیخ ولی الدین حافظ حدیث احمد بن حافظ حدیث

---

(۱) حاصل یہ ہے کہ "اجماع قطعی" حجت ہے، اور اس کا مخالف و منکر کافر ہے، اس کے برعکس "اجماع ظنی" میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں، اسی لئے اس کا مخالف و منکر کافر بھی نہیں ہے۔

عبدالرحیم عراقی نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ: ’’بے شک یہ جاننا شرط صحت ایمان ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس پر تو میرا ایمان ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے لئے رسول ہیں، لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آپؐ بشر تھے، یا فرشتہ، یا جن، یا یہ کہے کہ: میں یہ نہیں جانتا کہ آپؐ عربی ہیں یا عجمی؟ تو اس شخص کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں، اس لئے کہ یہ قرآن کی تکذیب ہے، اللہ پاک فرماتے ہیں: ”هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔“ دوسری آیت میں فرماتے ہیں: ”لَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ۔“ پہلی آیت میں عربی النسل ہونا اور دوسری آیت میں بشر ہونا منصوص ہے، لہٰذا اس شخص کا عربی النسل یا بشر ہونے سے انکار، قرآن کا انکار و تکذیب ہے)، نیز یہ شخص ایک ایسے امر یقینی اور مجمع علیہ کا انکار کرتا ہے جس کو امت روزِ اول سے ”اباً عن جدٍ“ جانتی چلی آتی ہے، اور ہر خاص و عام قطعی اور یقینی طور پر (آفتاب نصف النہار کی طرح) جانتا اور مانتا ہے، لہٰذا یہ (اجماع امت) ضروریاتِ دین میں سے ہوگیا (جس کا انکار کفر ہے) اور ہمارے علم میں (امت میں) اس کا کوئی مخالف بھی نہیں ہوا (اس لئے اجماع قطعی ہوگیا)، لہٰذا اگر کوئی ایسا جاہل اور غبی ہو کہ اس (اظہر من الشّمس) امر کو بھی نہ جانتا ہو تو اس کو بتلانا اور آگاہ کرنا (ہر مسلمان کا) فرض ہے، اس کے بعد بھی اگر وہ اس امر ضروری (بدیہی) کا انکار کرے تو ہم اس کو ضرور کافر قرار دیں گے، اس لئے کہ کسی بھی امر ضروری (بدیہی) کا انکار کفر ہے، باقی جو امر ضروری اور یقینی نہیں ہے،

اس کا انکار بے شک کفر نہیں ہے، اگرچہ بتلانے کے باوجود بھی انکار کیا جائے، (زرقانی کے اس طویل بیان سے بھی واضح ہوگیا کہ ''اجماع قطعی'' کا انکار کفر ہے) زرقانی فرماتے ہیں: شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ کی کتاب ''البهجة'' کے شارحین کے بیان کا حاصل بھی یہی ہے۔''

ختم نبوت کا عقیدہ اجماعی ہے، اس کا منکر قطعاً کافر ہے، اور اس میں کوئی تاویل و تخصیص قابل سماعت نہیں:

امام غزالی علیہ الرحمۃ کتاب ''الاقتصاد'' میں فرماتے ہیں:

''امت مسلمہ نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے) ان الفاظ (انقطعت النبوة والرسالة فلا نبی بعدی ولا رسول) کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ آپؐ نے (اپنی امت کو) بتلایا ہے کہ میرے بعد قیامت تک نہ کوئی نبی ہوگا نہ رسول، اور یہ کہ اس بیان میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص، اب جو کوئی اس میں کوئی تاویل یا تخصیص کرتا ہے اس کا قول از قبیل ہذیان و بکواس ہے، ایسے شخص کو کافر کہنے میں کوئی امر مانع نہیں، اس لئے کہ یہ شخص اس نص صریح کی تکذیب کرتا ہے جس کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص۔''

قاعدہ کلیہ: کون سی بدعت (گمراہی) موجبِ کفر ہے اور کون سی نہیں؟:

علامہ شامیؒ رسائل ابن عابدین میں ص:۳۶۰ پر فرماتے ہیں:

''اور اس پر بھی اجماع ہے کہ ہر وہ بدعت (گمراہی) جو ایسی قطعی دلیل کے مخالف و منافی ہو جو علم یقینی یعنی اعتقاد و عمل کو واجب کرتی ہے، اس کے معتقد ''مبتدع'' کی تکفیر سے کوئی شبہ مانع نہیں سمجھا جائے گا، چنانچہ ''الاختیار'' میں تصریح کی ہے کہ ہر وہ بدعت (گمراہی) جو ایسی قطعی دلیل کے خلاف ہو جو علم اور اس پر عمل کو قطعاً واجب قرار دیتی ہے وہ کفر ہے، اور جو بدعت ایسی دلیل کے مخالف نہ ہو بلکہ صرف ایسی دلیل کے خلاف ہو جو ظاہری عمل کو واجب کرتی ہے، وہ بدعت (گمراہی) کفر نہیں ہے۔''

اسی رسائل ابن عابدین کے ص:۲۶۲ پر فرماتے ہیں:

''دوسرا قول جو ''محیط'' میں مذکور ہے وہی ہے جو ہم شرح ''الاختیار'' اور ''شرح عقائد'' سے اس سے قبل نقل کر چکے ہیں، اس قول میں اور ابن المنذر کے بیان میں اس طرح توفیق پیدا کی جاسکتی ہے کہ ابن المنذر کی مراد ان لوگوں سے جن کو کافر کہا گیا ہے، وہ لوگ ہیں جو قطعی دلیل کا انکار کریں۔''

ضروریاتِ دین کا منکر کافر ہے، امور قطعیہ کا منکر بتلانے کے باوجود بھی انکار پر مصر رہے تو وہ بھی کافر ہے:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''بنایہ'' کے دستیاب نسخہ میں باب ''البغات'' کے ذیل میں لکھا ہے:

''محیط میں مذکور ہے کہ اہل بدعت (گمراہ فرقوں) کو کافر کہنے میں علماً کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ بعض علماً تو کسی

بھی مبتدع فرقہ کو کافر نہیں کہتے، اور بعض علماٗ ان میں سے بعض کو کافر کہتے ہیں (بعض کو نہیں)، یہ علماٗ کہتے ہیں کہ ہر وہ بدعت (گمراہی) جو کسی قطعی دلیل کے خلاف ہو وہ کفر ہے (اور اس کا ماننے والا کافر ہے)، اور جو بدعت کسی قطعی اور موجب علم و یقین دلیل کے خلاف نہ ہو، وہ بدعت گمراہی ہے (اور اس کا ماننے والا گمراہ ہے، کافر نہیں)، علماٗ اہل سنت والجماعت کا اسی پر اعتماد ہے۔''

فرماتے ہیں: باقی ''فتح القدیر'' میں جو اس (فرق) پر کلام کیا ہے کہ: صاحب محیط کی مراد (ان امور سے جن میں اختلاف ہے) وہ امور ہیں جو ضروریاتِ دین میں سے نہ ہوں، (یعنی یہ تفصیل اور فرق صرف غیر ضروریاتِ دین میں ہے، اور ضروریاتِ دین کا منکر بہرصورت کافر ہے) اور ابن عابدینؒ نے اسی پر اکتفا کیا ہے (کہ یہ فرق صرف غیر ضروریاتِ دین میں ہے) تو محقق ابن ہمامؒ نے ''فتح القدیر'' کے باب ''الامامۃ'' میں اس کے اندر تردد کا اظہار کیا ہے (کہ ضروریاتِ دین میں یہ فرق معتبر ہے یا نہیں) چنانچہ ''فواتح الرحموت'' میں اس پر تنبیہ بھی کی ہے۔

فرماتے ہیں: لہٰذا ''محیط'' کا بیان نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں ہے، خاص کر جبکہ وہ اس کو اکثر علماٗ اہل سنت کا مسلک بتاتے ہیں، ابن عابدینؒ نے بھی باب ''البغاۃ'' میں اس ''فتح القدیر'' کے بیان پر استدراک کیا ہے، اور جبکہ ضروریاتِ دین پر تکفیر کرنے میں کوئی اختلاف ہے ہی نہیں، جیسا کہ ''تحریر'' میں اس کی تصریح کی ہے، اور ایسے قطعی امور پر تکفیر کو جو ضروریاتِ دین میں سے نہ ہوں صرف اس صورت پر محمول کیا ہے، جبکہ خود منکر کو ان کے قطعی ہونے کا علم ہو یا اہل علم اس کو بتلائیں اس کے باوجود بھی وہ انکار پر قائم اور مصر رہے جیسا کہ ''مسایرہ'' میں ص:۲۰۸ پر اس کی تصریح کی ہے، تو پھر مسئلہ بالکل صاف اور واضح ہو جاتا ہے اور بحث کی کوئی گنجائش

باقی نہیں رہتی۔(۱)

موجب کفر بدعت کے مرتکب کے پیچھے نماز جائز نہیں:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''بدائع الصنائع'' میں جو فقہ حنفی کی بلند پایہ اور مستند کتاب ہے، ص:۱۵۷ پر لکھا ہے:

''مبتدع (گمراہ) اور فاسد العقیدہ شخص کی امامت مکروہ ہے، امام ابو یوسفؒ نے ''امالی'' میں اس کی تصریح کی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں کہ امام مبتدع اور فاسد العقیدہ ہو، اس لئے کہ صحیح العقیدہ مسلمان ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے، باقی رہا یہ کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ تو بعض مشائخ احناف تو فرماتے ہیں کہ مبتدع کے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں، چنانچہ ''منتقی'' میں تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بھی نقل کی ہے کہ امام صاحب مبتدع کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اگر وہ بدعت موجب کفر ہے تو ایسے مبتدع کے پیچھے تو نماز ناجائز ہے، اور اگر موجب کفر نہیں ہے تو جائز تو ہے، مگر مکروہ ہے۔''

---

(۱) حاصل یہ ہے کہ ضروریاتِ دین کے انکار پر تو منکر کی تکفیر متفق علیہ ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اسی طرح اور قطعی امور کے انکار پر بھی تکفیر متفق علیہ ہے، اس شرط کے ساتھ کہ یا وہ ان کے قطعی ہونے کو جانتا ہو، اور پھر انکار کرے، یا بتلانے کے باوجود باز نہ آئے، اور انکار پر مصر رہے، صرف اس شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی جو ایسے قطعی امور کا انکار کرے جو ضروریاتِ دین میں سے نہ ہوں، اور منکر کو ان کے قطعی ہونے کا علم نہ ہو، سو ایسے منکر کو ان امور کے قطعی ہونے سے آگاہ کیا جائے، اگر باز آجائے تو فبہا ورنہ اس کو بھی کافر قرار دے دیا جائے گا۔ واللہ اعلم!

امام ابو حنیفہؒ کے مشہور قول ممانعت تکفیر اہل قبلہ کی حقیقت:

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: یہ ''منتقی'' جس کی روایت کا صاحب ''بدائع'' نے حوالہ دیا ہے، وہی ''منتقی'' ہے جس کے حوالہ سے ''مسایرہ'' میں ص:۲۱۴ پر امام ابو حنیفہؒ سے ممانعت تکفیر اہل قبلہ کا مشہور قول نقل کیا ہے (جس کا تذکرہ آچکا ہے) لہٰذا ''منتقی'' کا یہ بیان اس بیان کی وضاحت کرتا ہے (کہ امام صاحبؒ کے نزدیک صرف اس صورت میں اہل قبلہ کی تکفیر ممنوع ہے کہ جس میں ضروریاتِ دین کا انکار، یا قطعی امر کی مخالفت نہ ہو، ورنہ اگر کوئی اہل قبلہ ضروریاتِ دین، یا امر قطعی کا انکار کرے گا تو اس کو ضرور کافر کہا جائے گا، اسی لئے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے، جیسا کہ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے)۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: باب ''الشہادۃ'' کے ذیل میں بھی یہی تفصیل بیان کی ہے اور ''خلاصۃ الفتاویٰ'' میں تو تصریح کی ہے کہ (امام محمدؒ نے) ''اصل'' (مبسوط) میں اس (نماز نہ ہونے) کی تصریح کی ہے۔ صاحب ''البحر الرائق'' نے بھی ''خلاصۃ الفتاویٰ'' سے یہی نقل کیا ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''فتح القدیر'' کے اس بیان کی بھی مراجعت کرنی چاہئے جو ''مطلقہ ثلاث کی تحلیل کے حیلہ'' سے متعلق ہے۔

ضروریاتِ دین اور دین کے قطعی امور کا منکر پکا کافر ہے، جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی ''حاشیہ خیالی'' میں فرماتے ہیں:

> ''والتاویل فی ضروریات الدین لا یدفع الکفر.''

ترجمہ:...... ''ضروریاتِ دین میں تاویل کفر سے نہیں بچاسکتی۔''

فرماتے ہیں: ''خیالی'' میں بھی یہی بیان کیا ہے۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات ''امام ربانی'' میں ج:۳ ص:۳۸، ج:۸ ص:۹۰ پر فرماتے ہیں:

''چونکہ یہ مبتدع (گمراہ) فرقہ اہل قبلہ میں سے ہے، اس لئے ان کی تکفیر اس وقت تک نہ کرنی چاہئے جب تک کہ یہ ضروریاتِ دین کا انکار نہ کریں، اور متواترات شرعیہ کو رد نہ کریں، اور ان امور کو قبول کرنے سے انکار نہ کریں جن کا دین سے ہونا یقینی (اور بدیہی) طور پر معلوم ہے۔''

تاویل باطل خود کفر ہے:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''فتوحات الٰہیہ'' میں ج:۲ ص:۸۵۷ پر فرماتے ہیں: تاویل فاسد (باطل) کفر کے مانند ہے۔ باب:۲۸۹ کی مراجعت کیجئے۔

لزوم کفر، کفر ہے یا نہیں؟:

''کلیات ابوالبقاء'' میں لفظ ''کفر'' کے تحت لکھتے ہیں:

''ہر وہ قول موجب کفر ہے جس میں کسی مجمع علیہ اور منصوص امر کا انکار پایا جائے، چاہے اس کا معتقد ہو، چاہے ازراہِ عناد کہا ہو (اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا)۔''

امام شعرانیؒ ''یواقیت'' میں فرماتے ہیں:

''کمال الدین ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ کسی کے مذہب سے جو امر لازم آئے وہ اس کا مذہب نہیں

ہوتا، اور محض کفر کے لازم آنے سے کوئی شخص کافرنہیں ہوتا، اس لئے کہ لازم آجانا اور بات ہے اور اس کا التزام (اختیار) کرنا اور بات ہے، لیکن ''مواقف'' کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ (لزوم کفر کا کفر نہ ہونا) اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس صاحب مذہب کو اس لازم آنے کا اور اس کے کفر ہونے کا علم نہ ہو (اور اگر وہ جانتا ہے کہ میرے مذہب پر یہ لازم آتا ہے اور یہ کفر ہے، اس کے باوجود وہ اس پر قائم ہے تو یقیناً کافر ہوجائے گا، اس لئے کہ رضا بالکفر کفر ہے) اس لئے کہ صاحب ''مواقف'' کے الفاظ یہ ہیں:

''من یلزمه الکفر ولا یعلم به لیس بکفر.''

ترجمہ:......''جس کو کفر لازم آجائے اور اس کو اس کا علم نہ ہو، وہ کافرنہیں ہے۔''

اس کے مفہوم سے صاف ظاہر ہے کہ اگر وہ جانتا ہے تو کافر ہوجائے گا، اس لئے کہ اس نے جان بوجھ کر کفر کو اختیار کیا ہے، واللہ اعلم!''

''کلیات ابوالبقاء'' میں فرماتے ہیں:

''(کسی کے قول سے) ایسے کفر کا لازم آنا بھی کفر ہے جس کا کفر ہونا (سب کو) معلوم ہو، اس لئے کہ جب (لازم اور اس کا) لزوم ظاہر و واضح ہو تو پھر وہ التزام (جان بوجھ کر اختیار کرنے) کے حکم میں ہے، نہ کہ لاعلمی میں لازم آنے کے حکم میں۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''مواقف'' کی (مذکورہ بالا) عبارت میں

لازم کے کفر ہونے کو جاننے کی قید نہیں ہے، اس میں تو صرف اتنا ہے کہ لازم آنے کو جانتا ہو، (یعنی امام شعرانیؒ نے ''لازم کے کفر ہونے کا علم'' از خود اضافہ فرمایا ہے، صاحب ''مواقف'' کی عبارت سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ لاعلمی میں جو کفر لازم آجائے وہ کفر نہیں ہے)۔

ضروریاتِ دین میں تاویل بھی کفر ہے، بلکہ تاویل انکار سے بھی بڑھ کر:

مشہور محقق حافظ محمد بن ابراہیمؒ الوزیر الیمانی اپنی کتاب ''ایثار الحق علی الخلق'' میں ص:۲۴۱ پر فرماتے ہیں:

''اس لئے کہ ضروریاتِ دین کا انکار یا ان میں تاویل کرنا کفر ہے۔''

اسی کتاب کے ص:۴۳۰ پر فرماتے ہیں:

''علاوہ ازیں ان(۱) پر یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ بعض اوقات کسی امر حرام کی حرمت کا اقرار کرتے ہوئے اس کو عمداً اختیار کرنے کی بہ نسبت اس امر حرام کو تاویل کر کے حلال بنالینا زیادہ سخت (گمراہی کا موجب) ہوتا ہے، اور یہ وہاں ہوتا ہے جہاں وہ تاویل سے حلال بنایا ہوا امر ایسا ہو کہ اس کی حرمت قطعی طور پر سب کو معلوم ہو، مثلاً ترکِ صلوٰۃ (یعنی کسی تاویل کی بنا پر نماز کو ترک کرنا، مثلاً یہ کہنا کہ نماز جاہل اور سرکش عربوں میں نظم و ضبط اور اتباعِ امیر کا شعور پیدا کرنے کے لئے تھی، اور وضو ان کو طہارت و نظافت کا عادی بنانے کے لئے،

(۱) یعنی ان لوگوں پر جو ''غلط تاویل'' کی بنا پر کسی مسلمان کو کافر کہنے والے کو بھی کافر کہہ دیتے ہیں۔

اور ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے) چنانچہ جو شخص (اسی قسم کی کوئی) تاویل کر کے نماز چھوڑتا ہے، وہ متفقہ طور پر کافر ہے، اور جو شخص قصداً نماز نہیں پڑھتا، مگر اس کی فرضیت کا اقرار کرتا ہے، اس کو کافر کہنے میں اختلاف ہے (بیشتر ائمہ وفقہاً اس کو گنہگار اور فاسق کہتے ہیں، بعض علمائے ظاہر اس کو کافر کہتے ہیں) تو دیکھئے مذکورہ مثال میں تاویل (کا حکم عمداً ترک کے مقابلہ میں) تحریم کے لحاظ سے کتنا سخت ہے (کہ تاویل کر کے نماز چھوڑنا متفقہ طور پر کفر ہے، اور بغیر کسی تاویل کے عمداً نماز ترک کرنے کے کفر ہونے میں اختلاف ہے، کوئی کافر کہتا ہے اور کوئی نہیں)۔''

جو تاویل ضروریاتِ دین کے مخالف ومنافی ہو، وہ کفر ہے:

اسی ذیل میں ص:۱۲۱ پر فرماتے ہیں:

''نیز کبھی انسان ایسے امور میں تاویل کرنے کی وجہ سے کافر ہوجاتا ہے، جن میں تاویل کی مطلق گنجائش نہیں جیسے ''قرامطہ'' کی تاویلیں (کہ اللہ سے مراد امام وقت ہے) اور بعض تاویلوں سے ضروریاتِ دین کی مخالفت لازم آجاتی ہے، اور تاویل کرنے والوں کو پتہ بھی نہیں چلتا (اور کافر ہوجاتے ہیں) یہ وہ مقام ہے جس میں انسان علم الٰہی اور احکام آخرت کے اعتبار سے کفر کے خطرہ سے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتا، اگرچہ ہمیں علم نہ ہو۔''

صفحہ:۱۲۱ پر فرماتے ہیں:

''اسی طرح علماً امت کا اس پر بھی اجماع منعقد ہوچکا

ہے کہ کسی بھی قطعی امر مسموع (یعنی ایسا امر جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسموع ہونا یقینی ہو) کی مخالفت کفر اور اسلام سے نکل جانے کے مرادف ہے۔“

اسلام متبوع ہے، کسی کے تابع نہیں:

نیز صفحہ:۱۳۸ پر فرماتے ہیں:

”نیز یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ اسلام (ایک مکمل و مرتب) واجب الاتباع مذہب ہے، نہ کہ (انسانی ذہن وفکر کا) اختراع کردہ (اور ساختہ پرداختہ طریق کار، لہٰذا اس میں کسی انسانی عقل و قیاس کو دخل اندازی کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی) اور اسی لئے جو شخص (کسی بھی وجہ سے) اس کے کسی بھی رکن کا انکار کرے، وہ کافر ہے، اس لئے کہ اس کے تمام ارکان قطعی اور یقینی طور پر معروف و متعین ہیں، تو ایسی صورت میں شریعت کسی امر باطل کو اس کے بطلان پر متنبہ کئے بغیر علی الاعلان اور بار بار ذکر نہیں کرسکتی، خاص کر وہ امر جس کو یہ (منکرین) باطل نام رکھ رہے ہیں، وہی امر کتاب اللہ کی تمام آیات اور دوسری تمام کتب سماویہ میں مذکور و معروف ہے، اور کتاب اللہ کی کوئی آیت اس کے مخالف و منافی بھی نہیں کہ تطبیق و توفیق (اور رفع تعارض) کی غرض سے اس میں تاویل کی صورتیں پیدا کی جائیں۔“

فرقہ باطنیہ کی تاویلیں:

محقق موصوف ”تاویلاتِ باطلہ“ کے ذیل میں ص:۱۲۹ اور ۱۳۰ پر فرماتے

ہیں:

''تاویل کی حیثیت سے، مذاہب باطلہ میں سب سے زیادہ فحش اور سب سے زیادہ مشہور فرقہ باطنیہ (قرامطہ) کا مذہب ہے، جنہوں نے اثبات توحید اور تقدیس وتنزیہ کے نام سے تمام (صفات الٰہیہ اور) اور اسمأ حسنیٰ الٰہیہ کی عجیب عجیب (مضحکہ خیز) تاویلیں کر کے اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات و اسمأ کی نفی اور انکار کر دیا، اور دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ پر ان اسمأ و صفات کے اطلاق سے تشبیہ لازم آتی ہے (اور اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق سے تشبیہ دینا شرک ہے) اور اس سلسلہ میں اس قدر حد سے بڑھے اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ کہنے لگے: ''اللہ تعالیٰ کو نہ موجود کہا جاسکتا ہے اور نہ معدوم۔'' بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ: ''اللہ تعالیٰ کو الفاظ وحروف سے تعبیر بھی نہیں کیا جاسکتا۔'' اور تمام اسمأ حسنیٰ جو قرآن میں وارد ہیں، ان کی تاویل یہ کی کہ ان سے مراد (اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ) ان کا ''امام وقت'' ہے، اور اسی کا نام ان کے نزدیک ''اللہ'' ہے، اور لا الٰہ الا اللہ (کلمہ توحید میں بھی) ''اللہ'' سے مراد ''امامِ زمان'' ہے (نعوذ باللہ من شرور انفسہم)۔''(۱)

فرماتے ہیں:

''ان کا یہ عقیدہ حد تواتر کو پہنچ چکا ہے اور میں نے بچشم خود ان کا یہ عقیدہ ان کی بے شمار کتابوں میں دیکھا ہے، جو ان کے ہاں متداول اور دستیاب ہیں، یا ان کے کتب خانوں،

---

(۱) ہمارے زمانہ میں بھی ایک زندیق بانگ دہل اپنی تصانیف میں لکھ رہا ہے کہ: ''اطیعوا اللہ'' سے مراد ''مرکزِ ملت''، یعنی حاکم وقت ہے۔ سچ ہے: ''جس کا کھائیں اسی کے گن گائیں۔''

خزانوں اور ان قلعوں کے اندر پائی گئی ہیں جن کو بزور شمشیر مسخر کیا گیا، یا طویل محاصروں کے بعد فتح کیا گیا، یا جو ان میں سے بعض کے ہاتھوں سے فرار ہوتے وقت چھنی گئیں، یا خفیہ مقامات پر چھپی ہوئی ملی ہیں، جن کو انہوں نے اپنے عقائد کے طشت ازبام ہونے کے خوف سے چھپادیا تھا، پس جیسا کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ عقیدہ اور تاویل کھلا ہوا کفر ہے، اور یہ تاویل ایسی تاویل نہیں جیسی آیت کریمہ: "وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِىْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِىْ اَقْبَلْنَا فِيْهَا." میں ہے کہ "قریة" سے مراد اہل قریہ اور "عیر" سے مراد اہل عیر ہیں، جس کو علماءِ معانی "ایصال بالحذف" کے نام سے یاد کرتے ہیں، مگر اس کا علم صرف اسی شخص کو ہوسکتا ہے جس کی عمر اسلامی ماحول اور مسلمانوں میں گزری ہو، اور اس کے کان اسلامی تعلیمات سے آشنا ہوں، اور وہ باطنی فرقہ کا آدمی جس نے باطنیوں میں اور باطنی ماحول میں پرورش پائی ہو، وہ بھلا اس حقیقت کو کیا سمجھ سکتا ہے؟"

فرماتے ہیں:

"اسی طرح وہ محدث جس کی عمر احادیث و روایات کے مطالعہ و مذاکرہ میں گزری ہو، وہ بعض متکلمین کی تاویلوں کو ایسا ہی (غلط) جانتا ہے (جیسے یہ اسلامی ماحول میں پرورش پانے والا مسلمان "باطنیہ" کی تاویلوں کو)، اسی طرح ایک متکلم جس کی عمر علم کلام میں گزری ہو، وہ احادیث و روایات رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعید اور احوال سلف سے بیگانہ ہونے کی وجہ

سے ایک محدث کے علم سے ایسا ہی دور اور اجنبی ہوتا ہے، جیسا یہ باطنی ایک مسلمان کے علم سے نا آشنا ہے، لہٰذا ایک متکلم تو علمائے ادب و معانی کے مقرر کردہ اصول اور شرائط مجاز کو پیش نظر رکھ کر تاویل کو جائز قرار دے دیتا ہے، اور اس نقطہ نظر سے وہ صحیح بھی ہوسکتی ہے، لیکن ایک محدث کے پاس قطعی و یقینی علم موجود ہے کہ سلف صالحین نے (ان نصوص میں) یہ تاویل یقیناً نہیں کی جیسے ایک متکلم کے پاس (اصول عربیت و معانی کے پیش نظر) یقینی علم موجود ہے کہ سلف صالحین نے اسمائے حسنیٰ الٰہیہ میں یہ تاویل ہرگز نہیں کی کہ ان کا مصداق ''امامِ زماں'' ہے، اگرچہ وہ ''مجاز بالحذف'' جس کے تحت باطنیہ نے اسمائے حسنیٰ میں تاویل کی، اپنی جگہ از روئے لغت سب کے نزدیک صحیح ہے، لیکن اس کے لئے خاص خاص مقام اور مخصوص قرائن ہوتے ہیں جن کی بنا پر ''مضاف'' کو محذوف مانا جاسکتا ہے، باطنیہ نے ادب و لغت کے اس قاعدہ کو یقیناً بے محل استعمال کیا ہے۔''

اسی کتاب ''ایثار الحق'' کے ص:۱۵۵ پر فرماتے ہیں:

''باقی رہی تفسیر، سو وہ ''ارکان اسلام'' (مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) اور ''اسمائے حسنیٰ الٰہیہ'' جن کے معنی و مراد بدیہی اور یقینی طور پر سب کو معلوم ہیں، ان کی تفسیر کو تو ہم ممنوع قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ وہ بالکل واضح ہیں (کسی تفسیر و تشریح کے محتاج نہیں) اور ان کے معانی و مصادیق متعین ہیں (ان میں تغیر و تبدل کا امکان نہیں) ان کی تفسیر تو صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو ان میں تحریف کرنا چاہتا ہے، جیسے ملحد، باطنیہ اور جن کے معنی و

مراد یقینی طور پر معلوم نہ ہوں، اور ان کے متعین کرنے میں دقت اور دشواری ہو تو اگر ان کی تفسیر کرنے میں گمراہی کا خطرہ اور غلطی کرنے میں گناہ کا اندیشہ ہو تو ان میں سے جو عقائد سے متعلق ہیں (ان کو تو ہم علیٰ حالہ رہنے دیں گے اور) جو ان میں خود ساختہ تعبیرات کو بالکل ترک کردیں گے اور احتیاط و توقف کا مسلک اختیار کریں گے، اس لئے کہ ان میں عمل کا تو سوال ہی نہیں کہ ان کے متعین معنی کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہو (پھر تفسیر کی ضرورت کیا؟ جس طرح قرآن میں وارد ہوا، اسی طرح ہم ایمان لے آئے، اللہ کے نزدیک جو بھی ان کی مراد ہے، برحق ہے، اگرچہ ہمیں اس کا علم نہ ہو) اور اگر گمراہی کا خطرہ نہ ہو (اور عمل سے اس کا تعلق ہو) تو ہم ظن غالب پر عمل کریں گے، (یعنی ظن غالب سے ان کے معنی و مراد کو متعین کرکے ان پر عمل کریں گے) اس لئے کہ عملیات میں ظن غالب ہی معتبر ہے اور باجماع امت ظن غالب پر عمل کرنا واجب یا جائز ہے۔ واللہ الہادی والموفق!''

دین اسلام عقل انسانی کی دسترس سے بالاتر ہے:

اسی کتاب کے ص:۱۱۶ پر فرماتے ہیں:

''دوم یہ کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص اس دین کی جو قطعی طور پر معلوم و معروف ہے، مخالفت کرے اس کو ''کافر'' کہا جائے گا، اور اگر وہ دین میں داخل (اور مسلمان) ہونے کے بعد (اس مخالفت کی بنا پر) دین سے نکلا ہے تو اس کو

''مرتد'' کہا جائے۔ اور اگر دین انسان کی (عقل و قیاس اور) نظر وفکر سے ماخوذ ہوتا (یعنی عقل انسانی دین کی مدون ہوتی) تو اس کا منکر کافر نہ ہوتا، (اس لئے کہ اس صورت میں دین کو تجویز کرنے والی بھی عقل انسانی ہوتی اور مخالفت کرنے والی بھی عقل انسانی، اور ایک عقل انسانی کو دوسری عقل انسانی پر کوئی فوقیت اور اقتدار اعلیٰ حاصل نہیں کہ اس کا مخالف مرتد اور واجب القتل ہو) لہٰذا ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کامل ومکمل اور محکم و پختہ (عقل انسانی کی دسترس سے بالاتر) دین لے کر دنیا میں تشریف لائے ہیں، اور یہ کہ کسی شخص کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ آپؐ کے بعد اس دین پر نکتہ چینی اور حرف گیری کی (چہ جائیکہ ترمیم و تنسیخ یا نظر ثانی کی) ہمت کرے، اور آپ کے دین کو کامل بنانے کا نام لے۔''(۱)

موجبات کفر میں تاویل تکفیر سے مانع نہیں:

اسی کتاب کے ص:۱۵، ۴۱ پر فرماتے ہیں:

''یاد رکھو! دراصل کفر کا مدار عمداً تکذیب (جھٹلانے) پر ہے خواہ معروف و مشہور کتب الٰہیہ میں سے کسی کتاب کی تکذیب ہو، خواہ انبیأ علیہم السلام میں سے کسی بھی نبی و رسول کی تکذیب ہو، خواہ اس دین و شریعت کی تکذیب ہو، جس کو وہ لے کر دنیا میں آئے، بشرطیکہ وہ امر دین جس کی تکذیب کی گئی ہے، اس کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا قطعی طور پر معلوم ہو، اور اس/

---

(۱) اس زمانہ میں جو لوگ اسلام کی ''تعمیر نو'' کے نام سے دین کو مسخ کر رہے ہیں، وہ کان کھول کر سن لیں۔

میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ یہ عمداً تکذیب یقیناً کفر ہے، اور جو شخص اس کا مرتکب ہو اگر وہ ذی ہوش، عاقل و بالغ انسان ہے اور حواس باختہ (دیوانہ و پاگل) یا مجبور و مضطر نہیں ہے تو یقیناً کافر ہے، اور اس شخص کے کافر ہونے میں بھی کوئی اختلاف نہیں جس نے کسی مجمع علیہ اور بدیہی طور پر معلوم و معروف امر دین کے انکار پر تاویل کا پردہ ڈالا ہوا ہو، درآں حالیکہ اس میں تاویل ممکن نہ ہو، جیسے کہ ملحد "قرامطہ" نے کیا ہے۔"

زیر بحث مسئلہ میں "القواصم والعواصم" کے اہم ترین اقتباسات:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: انہی محقق محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی کی دوسری کتاب "القواصم والعواصم" سے ہم زیر بحث مسئلہ پر چند اقتباسات پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہوں، نیز فرماتے ہیں: محقق موصوف نے (علاوہ ان اقتباسات کے جو ہم پیش کر رہے ہیں) اسی کتاب کے جزو اول کے اندر بھی مذکورہ ذیل عنوان کے تحت تکفیر کا مسئلہ تفصیل سے بیان کیا ہے:

"**الفصل الثالث: الاشارة الى حجة من كفر هؤلاء وما يرد عليها.**"

ترجمہ:...... "تیسری فصل، ان لوگوں کے دلائل اور ان پر وارد ہونے والے شکوک و شبہات کی جانب اشارہ جو ان لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔"

فرماتے ہیں: اور غالباً "**الوهم الخامس عشر**" کے تحت اس کا تذکرہ کیا ہے، نیز محقق موصوف نے بیہقی کی کتاب "الاسماء والصفات" کے حوالہ سے خطابیؒ کی

ایک نہایت مفید اور اہم تحقیق بھی نقل کی ہے، جو خطابیؒ کی دوسری کتاب ''معالم السنن'' کی مراد کو واضح کرتی ہے، اور ''مسئلہ تقدیر'' کے تحت ''الاسماء والصفات'' کے حوالہ سے عزیر نبی علیہ السلام کا نام انبیاءؑ کی فہرست سے مٹا دینے کی مراد کو بھی واضح کرتی ہے، حالانکہ عزیر علیہ السلام نبی تھے۔

جو تاویل عہدِ نبوت اور عہدِ صحابہ میں مسموع نہ ہو وہ معتبر نہیں:

محقق موصوف ''جزء ثالث'' کے شروع میں فرماتے ہیں:

''دوسری دلیل یہ ہے اور یہی صحیح اور لائق اعتماد ہے کہ عہد نبوت اور عہد صحابہ میں ان نصوص (اور آیات) کی کثرت، اور بار بار ان کی تلاوت کا اس طرح اعادہ کہ نہ ان میں کوئی تاویل کسی سے سنی گئی، اور نہ کسی نے ان کے ظاہری معنی پر اعتقاد رکھنے سے کسی ناواقف شخص کو منع کیا، یہاں تک کہ عہد نبوت اور عہد صحابہ (اسی طرح) گزر جاتے ہیں، یہ (تواتر معنوی) ان نصوص (اور آیات) کے مؤول نہ ہونے کے تیقن کی (نہایت قوی) دلیل ہے، قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ بھی اسی دلیل کی جانب اشارہ کرتی ہے:

''اِیْتُوْنِیْ بِکِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ ھٰذَآ اَوْ اَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ.'' (الاحقاف:۴)

ترجمہ:......''اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے کی کسی کتاب یا کسی علم و یقین کے لئے مفید دلیل ماثور سے اس (اپنے دعوے) کا ثبوت دو۔''

(معلوم ہوا کہ دعوے کی صحت کا ثبوت انہی دو چیزوں سے پیش کیا جاسکتا

ہے۔)

فرماتے ہیں:

''اس مقام پر غور و تأمل کرنے والے کے لئے اس مسئلہ (تکفیر) میں اور صفات کی بحث میں مبتدعین کے عقائد باطلہ کی بیخ کنی کرنے کے لئے یہ دلیل (تواتر) کس قدر قوی اور شاندار دلیل ہے، اس لئے کہ عادۃً یہ ممکن نہیں کہ جو (معنی) معتزلہ قابل ترجیح سمجھتے ہیں اس کے اظہار و بیان پر اتنے زمانہ ہائے دراز گزر جائیں اور اس کی عمدہ تاویل بھی موجود ہو (جو معتزلہ کرتے ہیں) اور کوئی بھی اس تاویل کا ذکر نہ کرے، خواہ اس کا ذکر واجب ہو، خواہ مباح ہو (یعنی تاویل ضروری ہو یا جائز)۔''

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

محقق موصوف فرماتے ہیں:

''امام رازیؒ نے اپنی کتاب ''المحصول'' کے مقدمہ میں جہاں لغات کی بحث کی ہے، اس مسئلہ پر بھی ایک طویل و بسیط بحث کرتے ہیں کہ ''سمعی دلائل کا یقین کے لئے مفید ہونا ممنوع ہے۔'' اس لئے کہ مفرد الفاظ اور ان سے مرکب جملوں میں از روئے لغت اشتراک، مجاز، حذف وغیرہ مختلف احتمالات کا امکان موجود ہوتا ہے (اور احتمال یقین کے منافی ہے)، نیز فرماتے ہیں کہ: ان احتمالات کے نہ ہونے کی اس کے سوا کوئی دلیل نہیں کہ تلاش و جستجو کے باوجود وہ احتمالات نہ پائے جائیں

(اور کسی چیز کا نہ پایا جانا) یہ دلیل ظنی ہے، چنانچہ اسی سلسلہ میں وہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے مقدر (عامل) کے بارے میں کثرتِ اختلاف کا ذکر کرتے ہیں، اور یہ کثرتِ اختلاف ظاہر ہے کہ یقین کے منافی ہے (لہٰذا ثابت ہوا کہ دلائل سمعیہ مفید یقین نہیں ہوسکتے)، اس کے بعد امام رازیؒ خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں یقین کے مقامات میں اعتماد ان قرائن پر ہوتا ہے جو قصد متکلم پر اضطراری طور سے رہنمائی کرتے ہیں (یعنی سننے والے کو ان قرائن کی بنا پر بے اختیار قصد متکلم کا یقین ہوجاتا ہے اور کوئی احتمال باقی نہیں رہتا)، اسی کے ساتھ مواضع یقین میں الفاظ کے معنی کا تواتر (یعنی کسی لفظ کا کسی معنی میں تواتر کے ساتھ استعمال ہونا) بھی یقین کے لئے مفید ہوتا ہے (اور تواتر دلائل قطعیہ میں سے ہے، لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ دلائل سمعیہ کا یقین کے لئے مفید ہونا ممنوع ہے)۔''

محقق موصوف فرماتے ہیں:

''امام رازیؒ کا یہ بیان اس تحقیق کی تائید کرتا ہے جو میں آیات مشیت کے ذیل میں ذکر کر آیا ہوں، اور اگر ایسا نہ ہو (یعنی دلائل سمعیہ کے مفید یقین نہ ہونے کو مان لیا جائے) تو دشمنان اسلام اور ملحدین کو مسلمانوں کے بہت سے عقائد سمعیہ میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کرنے اور رخنہ اندازی کرنے کا پورا پورا موقع مل جائے گا (اور مسلمانوں کا کوئی عقیدہ بھی محفوظ نہ رہے گا) فرماتے ہیں: اس کی تائید بعض معتزلہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ: ''ہر یقینی سماعی دلیل ضروری

(قطعی) ہوتی ہے۔'' معتزلہ کا یہ قول نہایت معقول و مدلل ہے، لیکن اس کے بیان کا یہ محل نہیں ہے۔''

شریعت کا ہر قطعی امر ''ضروری'' ہے:

اسی جزو ثالث کے وسط میں بیان کرتے ہیں:

''دوسری وجہ: -اور یہی درست اور قابل اعتماد ہے- یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک تکفیر (یعنی کسی موجب کفر قول یا فعل کی بنا پر کسی کو کافر کہنا) قطعی سماعی ہے۔ (یعنی یقینی طور پر صاحب شریعت سے اس کا مسموع ہونا ضروری ہے) اور صحیح یہ ہے کہ شریعت کا ہر قطعی اور یقینی امر ''ضروری'' ہے (یعنی ان ضروریاتِ دین میں سے ہے جن کے دین ہونے کو ہر خاص و عام شخص یقینی طور پر جانتا ہے)۔''

تواتر معنوی حجت ہے:

محقق موصوف اس موضوع پر کافی اوراق پر بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''چھٹی دلیل یہ ہے کہ دلائل سمعیہ (نصوص قرآن و حدیث) اللہ تعالیٰ کے تمام مخلوق کو ہدایت کردینے کی قدرت پر ایسے بدیہی یا یقینی طور پر دلالت کرتے ہیں (جس سے ہر خاص و عام کو یقین حاصل ہوجاتا ہے) کہ ان میں کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی، دو وجہ سے، ایک تو وہی جس کا تذکرہ اس سے پہلے آچکا ہے کہ مشیت اور اسی جیسی ان تمام صفات الٰہیہ کی آیات میں تاویل ممنوع ہے، جو عہد نبوت اور عہد صحابہ میں خواص و عوام

میں شائع ذائع رہیں، حتیٰ کہ وہ عہد جو متفق علیہ طور پر عہد ہدایت اور مہمات دین کے بیان کا زمانہ ہے، گزر گیا، اور ان آیات میں کوئی تاویل نہیں کی گئی، اور نہ ہی ان کے ظاہری معنی پر اعتقاد رکھنے سے کوئی ممانعت کی گئی (یہ صورتِ حال اس امر کی دلیل ہے کہ ان آیات میں کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی، اور ان کے ظاہری معنی پر اعتقاد رکھنا واجب ہے) اس لئے کہ (اگر کوئی تاویل ہوتی اور ظاہری معنی پر اعتقاد ممنوع ہوتا تو) عادۃً یہ ضروری تھا (کہ اس عہد ہدایت میں اس کا ذکر ہو) اگرچہ عقلاً ضروری نہ بھی ہو، جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔''

ہر امر قطعی کے لئے ضروری (متواتر) ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اور غالباً اس سے بھی زیادہ معقول وجہ وہ ہے جو محقق موصوف نے جزو اول کے آخر میں بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

''یاد رکھو! یقین دو جہت سے ہونا ضروری ہے۔

۱:......ایک فی نفسہٖ نص شرعی کے ثبوت کے اعتبار سے (یعنی وہ آیت یا حدیث معنی سے قطع نظر صاحب شریعت سے یقینی طور پر ثابت ہو)۔

۲:......اور ایک معنی کی وضاحت کے اعتبار سے (یعنی اس نص کے معنی اس قدر واضح ہوں کہ بے اختیار اس کے معنی کا یقین ہوجائے) ثبوت کے قطعی ہونے کا ذریعہ تو ایک ہی ہے، اور وہ ہے ''بدیہی تواتر'' (یعنی ہر خاص و عام تواتر کی حد تک اس

کے ثبوت کو جانتا ہو) جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے، باقی معنی کی وضاحت کے اعتبار سے تو کیا یہ ممکن ہے کہ (کوئی امر) ''قطعی'' اور یقینی تو ہو، لیکن ''ضروری'' نہ ہو؟ (یعنی اس کا ثبوت حد تواتر تک نہ پہنچا ہو؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب بیشتر اصولیین کے بیانات سے تو نکلتا ہے کہ ایسا ہونا جائز ہے (کہ کوئی امر قطعی تو ہو مگر ضروری (متواتر) نہ ہو) لیکن بعض اصولیین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممنوع ہے (یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ قطعی ہو اور ضروری نہ ہو، بلکہ ہر امر قطعی کے لئے ضروری ہونا ضروری ہے)۔''

محقق موصوف کی رائے:

محقق موصوف فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک بھی (آخری) قول (کہ ہر امر قطعی ضروری ہوتا ہے) زیادہ قوی ہے، اس لئے کہ کسی نص کے معنی پر یقین حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اہل لغت کی جانب سے اس کا یقینی ثبوت موجود ہو کہ وہ فلاں لفظ معین سے فلاں معین معنی مراد لیتے ہیں، اس کے علاوہ اور کوئی معنی مراد نہیں لیتے، اور ظاہر ہے کہ یہ ثبوت نقلی اور سمعی ہے نہ کہ عقلی اور نظری، اور جس امر کے ثبوت کا مدار سماع اور نقل پر ہو نہ کہ عقل و نظر پر، اس میں یقین استدلال (عقلی) کا کوئی دخل نہیں ہوتا، بلکہ وہ از قبیل متواترات ہوتا ہے، اور متواتر ضروری الثبوت ہوتے ہیں، (لہٰذا اہل لغت سے مذکورہ بالا ثبوت حد تواتر تک پہنچ جانے کے بعد ہی

زیر بحث نص وضاحت معنی کے اعتبار سے یقینی اور قطعی ہوسکتی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ کسی امر کے قطعی ہونے کے لئے الفاظ کے اعتبار سے صاحب شریعت سے ثبوت کا متواتر ہونا جس طرح ضروری ہے، اسی طرح معنی کے اعتبار سے اہل لغت سے ثبوت کا بھی متواتر ہونا ضروری ہے)۔"

کسی نص (آیت) کا معنی کے اعتبار سے متواتر ہونے کا مطلب:

محقق موصوف جزو ثانی کے آخر میں فرماتے ہیں:

"پروردگار سبحانہ وتعالیٰ کے فاعل مختار ہونے کی دلیل قرآن کریم کی ان نصوص (صریح آیات) پر موقوف اور مبنی قرار دی جائے گی جن کے معنی (ہر خاص و عام کو) معلوم اور معروف ہیں، اور ان میں کسی بھی تاویل کے نہ ہونے پر لفظی قرائن موجود ہیں، بلکہ ان کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا اور مسلمانوں کا ان پر اجماع بھی ہر خاص و عام کو معلوم اور معروف ہے، اور ان یقین آفرین قرائن میں سے ایک قرینہ امت مسلمہ کا ان نصوص (آیات) کو بغیر ان کے ظاہری معنی کے فساد پر متنبہ کئے مسلسل تلاوت کرتے رہنا ہے (یعنی اگر ان نصوص کے ظاہری معنی مراد نہ ہوتے تو خیر القرون میں کوئی تو سلف صالحین سے اس پر متنبہ کرتا)۔"

ضرورت شرعیہ کی مثال:

فرماتے ہیں:

''امام رازیؒ نے اپنی کتاب ''محصول'' میں اسی سوال کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ (نصوص شرعیہ کے) معانی و مقاصد کا علم قرائن کے ساتھ مل کر ضروری (بدیہی) اور یقینی ہوجاتا ہے، اس لئے کہ مثلاً ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مراد لفظ ''السمٰوات والارض'' سے یقینی اور بدیہی طور پر جانتے ہیں (کہ یہی آسمان و زمین مراد ہیں، جو ہمارے سامنے ہیں) نہ اس وجہ سے کہ لغت عربی میں مثلاً لفظ ''سماء'' آسمان کے لئے وضع کیا گیا ہے، کیونکہ اس (لغوی) معنی میں تو اشتراک و مجاز اور حذف و اضمار وغیرہ کا دخل بھی ہوسکتا ہے، (لہٰذا ان احتمالات کی بنا پر تو لفظ ''سماء'' سے آسمان مراد ہونا قطعی اور یقینی نہیں رہتا بلکہ ہوسکتا ہے کہ حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی مثلاً ''بادل'' مراد ہوں، بہرحال احتمال یقین کے منافی ہے، اس کے برعکس ضرورت شرعیہ کے تحت ہمیں قطعی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہی زمین و آسمان ہیں)۔''

کسی نص قطعی کے مفید یقین ہونے کا مدار:

اسی کتاب کے آخری جزو کے وسط میں فرماتے ہیں:

''یہ اظہر من الشمس ہے، اس شخص کے لئے جو یقین کے شرائط کو جانتا ہو اور وہ شرائط امور سمعیہ (سماع اور نقل سے تعلق رکھنے والے امور) میں (صاحب شریعت سے) نقل کے اعتبار سے بدیہی تواتر ہے، اور معنی کے اعتبار سے بدیہی طور پر

واضح ہونا ہے (یعنی جس نص کا ثبوت شارع علیہ السلام سے
تواتر کی حد کو پہنچ چکا ہے اور اس کے معنی و مراد کی وضاحت بھی
بدیہیات کی حد کو پہنچ چکی ہے، وہ نص قطعی ضرور یقین کے لئے
مفید ہوگی)۔''

ایسی نص قطعی میں تاویل کے حرام اور ممنوع ہونے کی دلیل:

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''باقی اس امر کا یقین کہ اس کی تاویل حرام ہے، بلکہ
اس امر کا یقین کہ یہ اپنے ظاہری معنی پر ہے، اس کی دلیل یہ
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے
عہد میں اس کی شہرت حد تواتر تک پہنچ چکی تھی، اور ہمیں معلوم
ہے کہ انہوں نے اس نص کو اس کے ظاہری معنی پر برقرار رکھا
(اور کوئی تاویل نہیں کی) اور عادۃً یہ محال ہے کہ اس نص کی کوئی
صحیح تاویل ہو اور ان میں سے کوئی بھی اس کا ذکر نہ کرے، جیسا
کہ اس سے پہلے بھی بیان آچکا ہے۔''

اور جزو ثالث کے وسط میں ''ایمان بالقدر'' کی نصوص (آیات) کے تحت
فرماتے ہیں:

''دوسری دلیل علم ضروری (قطعی و یقینی) کے دعویٰ کی
اس شخص کے لئے جو سلف (صحابہؓ و تابعینؒ) کے حالات سے
واقف ہے، یہ ہے کہ وہ ان نصوص (آیات) میں مطلق کوئی
تاویل نہیں کرتے تھے۔''

ہر امر قطعی کے مفید یقین ہونے کے لئے اس کا ضروری (متواتر) ہونا ضروری ہے:

جزو اول کے اوائل میں فرماتے ہیں:

''علاوہ ازیں قطعی امور میں بعض ایسے امور بھی ہیں جن کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ وہ قطعی (یقینی) ہیں یا نہیں؟ مثلاً قیاس جلی، اور اس کی (مخالفت کی) بنا پر کسی کو گنہگار فاسق یا کافر کہنا (جائز ہے یا نہیں؟ یہ اختلاف ہی اس امر کی دلیل ہے کہ ہر قطعی کے لئے مفید یقین ہونا ضروری نہیں)، چنانچہ ابن حاجب وغیرہ محققین ایسے شرعی قطعی امر کے وجود کا انکار کرتے ہیں جو ''ضروری'' (متواتر) نہ ہو اور ان کا فیصلہ ہے کہ نصوص شرعیہ میں فہم معنی کے اعتبار سے ''ظن'' اور ''ضرورت'' کے درمیان کوئی مرتبہ نہیں ہے، (یعنی یا نصوص ظنیہ ہیں یا نصوص ضروریہ (متواترہ) تیسری قسم کوئی نہیں) جیسا کہ تواتر الفاظ کے اعتبار سے (سب کے نزدیک) ''ظنی'' (خبر واحد) اور ''ضروری'' (خبر مشہور و متواتر) کے درمیان کوئی واسطہ نہیں (یعنی جیسے ازروئے روایت یعنی ثبوت الفاظ صرف دو مرتبے ہیں، ''ظنی'' (خبر واحد) اور ''ضروری'' (مشہور و متواتر) ایسے ہی از روئے درایت یعنی فہم معنیٰ کے اعتبار سے بھی دو مرتبہ ہیں ''ظنی'' یا ''ضروری''، لہٰذا ثابت ہوا کہ ہر امر قطعی کے مفید قطع و یقین ہونے کے لئے ''ضروری'' (متواتر) ہونا ضروری ہے)۔''

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''علماء اصول کے اقوال سے ظاہر ہے کہ وہ قطعیات (امور یقینیہ) کا وجود صرف ان دلائل میں مانتے ہیں جو علمی اور مفید یقین ہوں۔''

دلائل شرعیہ میں قطعی اور ضروری متلازم ہیں:

اسی کے آخر میں فرماتے ہیں:

''بیشتر محققین کی رائے یہی ہے کہ قطعی دلائل جب بھی شرعی ہوں گے تو یقیناً ''ضروری'' ہوں گے، (یعنی تمام دلائل قطعیہ شرعیہ، ضروری (بدیہی) ہوتے ہیں، شرعی دلائل میں ایسے قطعی دلائل کا وجود نہیں جو ضروری نہ ہوں، بالفاظ دیگر دلائل شرعیہ میں قطعی اور ضروری متلازم ہیں)۔''

کثرتِ دلائل، تعددِ طرق اور قرائن سب مل کر یقین کے لئے مفید ہوتے ہیں:

حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں: ''اتحاف'' میں ج:۳ ص:۱۳ پر ابن بیاضی حنفی ''ماتریدیہ'' کا قول نقل کرتے ہیں:

''دلیل نقلی (سماعی) اس وقت مفید یقین ہوتی ہے جب ایک ہی معنی پر متعدد طریق سے، بکثرت دلائل وارد ہوں، اور قرائن بھی ساتھ موجود ہوں، ''الابکار والمقاصد'' کے مصنف کا اور بہت سے علماء محققین یعنی ''ماتریدیہ'' کا مختار بھی یہی ہے۔''

مزید تحقیق کے لئے ''توضیح تلویح'' کی مراجعت کیجئے، نیز حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ابن حاجب کے نزدیک ''ضروری'' کے معنی:

ابن حاجب کے نزدیک ''ضروری'' کا مصداق ہر وہ امر ہے جس کو دل بیساختہ باور کرے اور اس پر یقین و اطمینان کلّی حاصل ہوجائے، ''ضروری'' کے وہ معروف معنی جو ضروریاتِ دین کی تعریف میں بیان ہوچکے ہیں، جس کا علم ہر خاص و عام کو یکساں طور پر حاصل ہو، ابن حاجب کے نزدیک مراد نہیں، اور نہ ہی اس کی مراد یہ ہے کہ ''لفظی'' (یعنی سماعی) دلیل یقین کے لئے مفید نہیں ہوتی، اس لئے کہ یہ تو ایک اور اختلافی امر ہے جو دوسرے علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے، محقق موصوف فرماتے ہیں:

> ''تیسرا قول جو اکثر ائمہ اہل سنت اور علماءِ امت کا مسلک ہے، یہ ہے کہ اس (حکم) میں تفصیل ہے، اور یہ کہ یقینیات میں تاویل کفر سے نہیں بچاتی۔''

مدارِ کفر:

بحث تکفیر کے ذیل میں فرماتے ہیں:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہی اصل میں کفر ہے، خواہ صراحتاً اور براہ راست ہو، خواہ کوئی ایسا قول یا عقیدہ ہو جس سے یقینی اور بدیہی طور پر آپؐ کی تکذیب لازم آتی ہو، نظری اور استدلالی طور پر لازم آنے کا اعتبار نہیں۔''

تاویل معتبر ہونے کا مدار اور ضابطہ!

ہر وہ امر جو عہد نبوت اور عہد صحابہؓ میں شائع و ذائع رہا اور کسی نے اس کی کوئی تاویل نہیں کی، یقینی اور بدیہی طور پر اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ امر اپنے ظاہری معنی پر ہے (اس میں کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی)۔

یہ اصول جو میں نے بیان کیا، اس کو اچھی طرح سمجھ لو، ہر اس امر کے بارے میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس قدر مشہور و معروف رہا ہو کہ اس کی شہرت حد تواتر کو پہنچ چکی ہو، اور اس کی کوئی تاویل قطعاً مذکور نہ ہو، (وہ اپنے ظاہری معنی پر ہے، اس میں کوئی تاویل مسموع نہیں ہوسکتی اور اس کا منکر اگرچہ مؤول ہو کافر ہے)۔

مثال:

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع ہے کہ بغیر کسی تاویل کے شائبہ کے ''کلام'' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اور (اس لئے) وہ ''متکلم'' ہے، لہٰذا جس شخص کا یہ قول ہے (کہ ''کلام'' اللہ کی صفت نہیں، یا قرآن اللہ کا کلام نہیں) علماً نے علانیہ اس کی تکفیر کی ہے، خواہ اس اعتقاد کی بنا پر کہ یہ (قول) ان آیات کی تکذیب کرتا ہے (جن سے اللہ تعالیٰ کے لئے صفت ''کلام'' ثابت ہوتی ہے) یا اس بنا پر کہ اس قول سے ان آیات کی تکذیب لازم آتی ہے (یعنی عمداً ان آیات کی تکذیب کی ہے یا اس قول سے تکذیب لازم آگئی) اور یہ دونوں امر (یعنی التزام کفر اور لزوم کفر) موجب تکذیب ہیں۔

احتیاط!

نیز فرماتے ہیں کہ: جو لوگ قرآن کو ''قدیم'' نہیں مانتے، وہ بھی اس کو ''حادث'' کہنے سے اجتناب کرتے ہیں، جیسے امام احمد بن حنبلؒ اور ذہبیؒ کے بیان کے مطابق جمہور علماً ''نبلاء'' میں امام احمدؒ کے ترجمہ (حالات) میں ان سے ایک روایت ذکر کرتے ہیں، اور اسی طرح تمام متقدمین علماً اہل سنت کی جانب بھی اس کو منسوب کیا ہے کہ وہ جیسے قرآن کو ''قدیم'' نہیں مانتے ''حادث'' بھی نہیں کہتے، (بلکہ توقف کرتے ہیں) اور یہی مسلک مصنف ''نبلاء'' نے اپنے لئے پسند کیا ہے۔

معتزلہ، شیعہ وغیرہ کا مسلک تکفیر کے بارے میں:

اس لئے کہ اس سے پہلے آچکا ہے کہ معتزلہ، شیعہ اور ان کے علاوہ امت کے دوسرے فرقوں کے نزدیک تکفیر (کسی کو کافر کہنے) میں یقین (ہونا) شرط ہے، اس شخص کے حق میں جو کفر کا حکم بالیقین چاہتا ہے، ایسا ہی ہونا بھی چاہئے (کہ کفر کا یقین ہوئے بغیر کسی کو کافر نہ کہے)۔

تو اس شخص سے یہ کہا جائے کہ (تکفیر کے بارے میں) یقین قطعی کا مرتبہ چھوڑ کر گمان کا وہ مرتبہ جس میں واضح سماعی رجحان (یعنی ظن غالب) موجود ہو، کیوں نہ اختیار کرلیا جائے؟ (یعنی کسی کو کافر کہنے میں یقین کے بجائے ظن غالب پر کیوں نہ اکتفا کرلیا جائے؟) اور ظن غالب پر عمل تو صرف قطعی اور یقینی دلیل سے ہی ممنوع ہوتا ہے (یعنی اگر ظن غالب کے مقابلہ میں کوئی قطعی دلیل موجود ہو تو بے شک ظن غالب پر عمل ممنوع ہوتا ہے اور کوئی قطعی دلیل ظن غالب کے خلاف ہے نہیں، پھر ظن غالب پر کیوں نہ عمل کیا جائے)۔

اور قرآن حکیم میں یہ کہیں نہیں آیا کہ قرآن کل کا کل ''متشابہ'' (غیر واضح اور محل تاویل) ہے، بلکہ (اس کے برعکس) اس میں تو تصریح ہے کہ قرآن کی کچھ آیات ''محکم'' (اور واضح) ہیں، اور وہی ''اصل کتاب'' ہیں، (انہی پر دین و ایمان کا مدار ہے) اور کچھ ''متشابہ'' (غیر واضح) ہیں، تو (صریح اور واضح آیات میں) ان گونا گوں تاویلات کے ہوتے ہوئے وہ قرآن کی محکم آیات کہاں ہیں جن کو باقی متشابہ آیات و احادیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سمجھنے اور مراد متعین کے لئے مدار بنایا جائے؟ عقل سلیم اس کو باور نہیں کرتی اور محال سمجھتی ہے کہ آسمانی کتابیں اور احادیث رسول اللہ ایسے واضح اور یقینی بیانِ حق سے خالی ہوں جس سے کتاب اللہ کی متشابہ آیات کی مراد متعین کی جائے، (یعنی عقلاً یہ محال ہے کہ آسمانی کتاب ہو اور اس میں

ایسا واضح اور یقینی بیان حق نہ ہو کہ اس سے غیر واضح آیات کی مراد متعین کی جا سکے، اس لئے قرآن میں ایسی نصوص صریحہ ضرور ہونی چاہئیں جن کی کوئی تاویل نہ کی جائے اور وہ اپنے ظاہر پر ہوں) قرآن کریم کی مذکورہ ذیل آیات کریمہ اسی استحالہ کی جانب اشارہ کرتی ہیں:

"اِیْتُوْنِیْ بِکِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ ھٰذَآ اَوْ اَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ." (الاحقاف:۴)

ترجمہ:......"(بت پرستی کے دعوے میں) اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی آسمانی کتاب یا مفید علم و یقین کوئی دلیل میرے پاس لاؤ۔"

غور کرنے والے ارباب عقل و دانش کے لئے فرق باطلہ (مؤولین) کی تردید کے لئے یہ آیت کس قدر واضح اور قطعی حجت ہے، اگر مقصود وہی ہوتا (جو مؤولین کہتے ہیں) تو کم از کم ایک مرتبہ (اور کسی ایک جگہ) تو حق کا واضح اور قطعی بیان آسمانی کتاب میں موجود ہوتا کہ متشابہ (غیر واضح) آیات کی مراد اس سے متعین کی جاتی جیسا کہ قرآن نے وعدہ کیا ہے۔

تکفیر کا ضابطہ:

جزو ثالث کے وسط میں احادیث "وجوب ایمان بالقدر" کی بہتر ویں (۷۲) حدیث کے بعد فرماتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ کسی کو کافر قرار دینے کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس شخص نے کسی ایسے امر کو رد کیا جس کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا بدیہی طور پر معلوم ہو، وہ شخص کافر ہے۔ اس تعبیر میں کسی قدر اجمال و ابہام ہے، اس کی مزید

وضاحت و تفصیل یہ ہے کہ جس شخص کے متعلق ہم کو یقینی طور پر معلوم ہو کہ اس نے ضروریاتِ دین میں سے کسی بدیہی اور یقینی امر کو رد کیا ہے، اور اس امر کا بھی ہم کو یقینی طور پر علم ہو کہ یہ شخص اس امر کے ضروریاتِ دین میں سے ہونے کو ایسے ہی بدیہی اور یقینی طور پر جانتا ہے، جیسے ہم جانتے ہیں (اور اس کے باوجود جان بوجھ کر رد کیا ہے) تو ایسا شخص بغیر کسی شک و شبہ کے کافر ہے (کہ یہ کفر جحود و عناد ہے، گویا تین چیزوں کا بدیہی اور یقینی علم ہونا ضروری ہے۔ اول: اس امر کے ضروریاتِ دین میں سے ہونے کا۔ دوم: اس شخص کے اس امر کو ضروری جاننے کا۔ سوم: اس شخص کے متعلق (ہمارا) علم اور جس شخص کے متعلق ہمارا گمان غالب ہو کہ جن امور کو ہم یقینی طور پر ضروریاتِ دین میں سے جانتے ہیں، یہ شخص اس سے ناواقف ہے (کہ یہ ضرورتِ دین ہیں) ایسے شخص کی تکفیر میں بہت زیادہ اختلاف ہے (جو لوگ جہل کو عذر قرار دیتے ہیں اور تکفیر صرف جحود و عناد پر کرتے ہیں، وہ کافر نہیں کہتے، اور جو لوگ کفر عناد اور کفر جہل کو یکساں قرار دیتے ہیں، وہ کافر کہتے ہیں (مصنف مذکور فرماتے ہیں) بہتر یہ ہے کہ اس شخص کی تکفیر نہ کی جائے، فرماتے ہیں: مسئلہ صفات کے آخر میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔"

مصنف نور اللہ مرقدہ کی رائے:

حضرت مصنفِ رسالہ ہذا نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: جس شخص نے ضروریاتِ دین میں سے کسی بھی امر کو ٹھکرایا اور رد کیا، درآں حالیکہ اس کو یہ بتلا دیا گیا

ہو (کہ یہ ضروریاتِ دین میں سے ہے) تو وہ شخص کافر ہے، جیسا کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے صحیح بخاری میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے، اگرچہ بتلانے والوں کی تعداد حد تواتر کو نہ پہنچی ہو، (گویا مصنف علیہ الرحمۃ کے نزدیک صرف اس امر کے ضروریاتِ دین میں سے ہونے کا علم حد تواتر کو پہنچا ہوا ہونا کافی ہے، بالفاظ دیگر تین بدیہی اور یقینی علموں کے بجائے صرف ایک امر کا بدیہی اور یقینی علم کافی ہے) ہاں امر غیر متواتر کا انکار کفر نہ ہوگا، لیکن اس رد اور انکار کرنے والے کے ساتھ کافروں کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ عہد نبوت میں کسی شخص پر حجت قائم کرنے کے بارے میں اسی پر عمل تھا۔ اور اگر وہ منکر یہ بہانہ کرے کہ: ''خبر واحد ہونے کی وجہ سے مجھے اس میں تردد ہے۔'' تو اس پر غور کیا جائے گا (اور اس عذر کی صحت کی تحقیق اور ازالہ کی کوشش کی جائے گی) ورنہ تو جس طرح کفر کی تقسیم: کفر جہل اور کفر عناد کی جانب (اور اس کی تحقیق کہ کس کا کفر، کفر جہل ہے اور کس کا کفر، کفر عناد ہے) آخرت کے حوالہ اور اللہ کے سپرد ہے (احکام دنیا کے اعتبار سے دونوں کا حکم ایک ہے، دونوں کافر ہیں) اسی طرح منکر (کے معاملہ) کو بھی آخرت کے حوالہ اور اللہ کے سپرد کیا جائے گا (اور دنیوی احکام کے اعتبار سے کافر کہا جائے گا) جیسا کہ وہ شخص جس نے کفر کے ماحول میں نشو و نما پایا اور ہوش سنبھالا ہو، ہم اس پر کفر کا حکم لگائیں گے، اگرچہ اس کا یہ کفر جہل پر مبنی ہے نہ کہ جحود و عناد پر، اسی طرح مذکورہ بالا صورت میں بھی ہم اس کو کافر کہیں گے (اور لاعلمی کے عذر کا لحاظ نہ کریں گے)۔ فرماتے ہیں: اس تحقیق اور فرق کو خوب اچھی طرح سمجھ لو! اور یاد رکھو! اس لئے کہ جس شخص نے شریعت کے کسی بھی متواتر امر کو قبول نہیں کیا، وہ ہمارے اعتبار سے اور ہمارے حق میں کافر ہے، بالکل ایسے ہی جیسے وہ شخص جو ابھی تک اسلام میں داخل ہی نہ ہوا ہو، اگرچہ ازراہ عناد نہ سہی (تاہم وہ کافر ہے اس لئے کہ اس نے اسلام کو قبول نہیں کیا) اور یہ (ایک شخص کا بتلانا) ایسا ہی ہے جیسے کسی کو ایک نبی ایمان کی دعوت دے، اور وہ قبول نہ کرے، اور

اپنے اصلی کفر پر قائم رہے، اگرچہ ازراہ عناد نہ ہو (تب بھی وہ کافر ہے) لہٰذا کفر کا مدار اس پر ہے کہ شریعت کے متواتر امور میں سے کسی بھی امر متواتر پر ایمان نہ لانا اور اس سے دور رہنا پایا جائے، خواہ ناواقفیت کی بنا پر ہو، خواہ جحود کی بنا پر، خواہ عناد کی بنا پر۔

نبی کی تکذیب عقلاً قبیح ہے اور موجب کفر:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''اتحاف'' کے مصنفؒ نے ج:۲ ص:۱۲ پر بیان کیا ہے کہ:

> نبی کی بعثت اور دعوت و تبلیغ کی تکذیب و انکار از روئے عقل قبیح ہے، لہٰذا یہ کفر عقلی قبح کے تحت داخل ہے، نہ کہ شرعی قبح کے تحت، (یعنی کسی نبی کی نبوت اور دعوت و تبلیغ کا انکار عقلاً قبیح اور موجب کفر ہے، اس کے لئے کسی شرعی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے) مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: یہ بہت اچھی اور مفید تحقیق ہے، ''مسایرہ'' میں بھی ج:۴ ص:۷۴ طبع جدید مصر پر عقلی حسن و قبح کے تحت ایک نہایت کارآمد تحقیق بیان کی ہے کہ اگر (تصدیق و تکذیب انبیاؑ میں) حسن و قبح عقلی کا اعتبار نہ ہوگا تو انبیاؑ کو لاجواب کر دینے (کے امکان) کا الزام عائد ہوگا۔ رکن اول، اصل دہم کے ذیل میں بھی کچھ اس کا بیان موجود ہے۔ یہی ''ماتریدیہ'' اور اکثر ''اشعریہ'' کا مذہب ہے۔''(۱)

---

(۱) شرح احیاء میں علامہ ابن بیاضی سے منقول ہے کہ دس چیزوں میں - جن میں سے ایک یہ مسئلہ ہے - حسن و قبح عقلی ہے، ''ماتریدیہ'' اور اکثر ''اشعریہ'' کا مذہب بھی یہی ہے۔ مصنفؒ۔

تاویل وتجوز کا ضابطہ:

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ''بدائع الفوائد'' میں فرماتے ہیں:

''قرآن و حدیث کی کسی بھی نص صریح میں ''مجاز'' و ''تاویل'' کی مطلق گنجائش نہیں ہوتی، مجاز وتاویل کا دخل صرف انہی ظاہری نصوص میں ہوتا ہے جن میں مجاز وتاویل کا احتمال اور گنجائش ہو، فرماتے ہیں اس سلسلہ میں ایک نکتہ ضرور سمجھ لینا چاہئے، وہ یہ ہے کہ کسی لفظ کا نص ہونا دو چیزوں سے پہچانا جاتا ہے، ایک تو یہ کہ اس لفظ کے لغوی معنی کے علاوہ اور کسی معنی کا از روئے لغت احتمال (امکان) ہی نہ ہو، مثلاً عشرہ کا لفظ (کہ دس کے لئے وضع کیا گیا ہے، نہ کم، نہ زیادہ) دوسرے یہ کہ اس لفظ کے جتنے مواقع استعمال ہیں ان سب میں ایک ہی طریق پر ایک ہی معنی کے لئے استعمال ہوا ہو، ایسا لفظ اپنے اس متعارف معنی میں نص ہے، نہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش ہے، نہ تجوز کی، اگرچہ کسی خاص محل استعمال میں اس کی گنجائش بھی ہو (لیکن تمام مواقع استعمال کے اعتبار سے ایک ہی معنی متعین ہوں، تو اس خاص محل استعمال میں بھی گنجائش کے باوجود مجاز وتاویل کا اعتبار نہ ہوگا، اور وہی معنی مراد لئے جائیں گے جو تمام مواقع استعمال میں مطرد ہیں) ایسا لفظ اپنے مطرد معنی کو ادا کرنے میں خبر متواتر کے مانند ہوجاتا ہے کہ اگر خبر متواتر کے ہر ہر طریق روایت کو علیحدہ علیحدہ دیکھا جائے تو اس میں کذب کا احتمال ہوسکتا ہے، لیکن اگر تمام طرق روایت کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو کذب کا

احتمال مطلق نہیں ہوتا۔ یہ ایک نہایت مفید اور کارآمد نکتہ ہے جو تمہیں بہت سی ایسی ظاہری آیات و احادیث میں تاویلوں کو باطل اور غلط ثابت کرنے میں کام آئے گا، جو تمام مواقع استعمال میں ایک ہی معنی میں استعمال ہوئی ہیں، ایسی صورت میں ان کی کوئی بھی تاویل ہو قطعاً غلط اور باطل ہے، اس لئے کہ تاویل تو صرف ایسے ظاہری الفاظ میں کی جاتی ہے جو دوسری تمام آیات و احادیث کے مخالف اور شاذ طور پر وارد ہوئے ہوں، تو ان میں تاویل کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ وہ ان تمام آیات و احادیث کے موافق ہوجائیں (اور اختلاف و تضاد دور ہوجائے) لیکن جب ایک لفظ تمام مواقع استعمال میں ایک ہی معنی میں استعمال ہو رہا ہو (اور کوئی تعارض و تضاد بھی نہیں ہے) تو وہ لفظ تو اپنے ظاہری اور متبادر معنی میں نص قطعی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ قوی ہے، اس میں تاویل قطعاً ممنوع و ممتنع ہے، اس ضابطہ کو اچھی طرح سمجھ لو (نہایت کارآمد نکتہ ہے) اور ''بدائع الفوائد'' ج:۱ ص:۵ پر ''الفرق بین الروایة والشهادة'' کے ذیل میں بھی یہی مضمون آیا ہے۔''

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں: مثلاً لفظ ''توفی'' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں آیا ہے، (''یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ.'' الآیۃ) اس ضابطہ کے تحت اس کے معنی: ''پورے طور پر لے لینے'' کے ہونے چاہئیں نہ کہ ''موت دینے'' (مار ڈالنے) کے۔ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن و حدیث میں جتنی آیات و احادیث آئی ہیں وہ سب آپ کے زندہ ہونے پر مطرد و متفق اور ایک دوسرے کی مؤید ہیں (اس لئے مذکورہ بالا

آیت میں وفات دینے اور مار ڈالنے کے معنی نہیں لئے جاسکتے)۔

چنانچہ "شرح شفا" میں ج:۴ ص:۳۹۷ پر قاضی عیاضؒ نے حبیب بن الربیع کا قول اس شخص کے متعلق۔ جس نے کہا کہ خدا (العیاذ باللہ!) رسول اللہ کا ایسا اور ایسا کرے، (یعنی برا کرے) اور پھر (تکفیر اور سزائے ارتداد سے بچنے کے لئے) کہے کہ میری مراد تو رسول اللہ سے بچھو ہے (کہ وہ بھی اللہ کا بھیجا ہوا ہے اور میں نے تو بچھو کو برا کہا ہے)۔ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: (یہ شخص قطعاً کافر ہے اور) اس کی تاویل ہرگز قبول نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ یہ شخص ایک صریح لفظ کے معنی میں (جس کا مصداق قطعاً متعین ہے) تاویل کرتا ہے (اور ایسی تاویل، تاویل نہیں تحریف ہے اور فریب)۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی "الصارم المسلول" میں ص:۵۲۹ پر حبیب بن الربیع کے قول کی تائید کی ہے، اور بعینہ یہی حکم بیان کیا ہے۔

جو تاویل محض دھوکے اور فریب کی غرض سے کی جائے، اس کا قطعاً اعتبار نہیں:

حضرت مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ جیسے ضروریاتِ دین میں تاویل صحیح اور مسموع نہیں، اسی طرح وہ تاویل بھی معتبر اور مقبول نہیں جس کے متعلق واضح طور پر معلوم ہو کہ یہ محض (تکفیر اور عقوبت ارتداد سے بچنے کے لئے) بہانہ جوئی اور خلاف واقعہ حیلہ سازی ہے، حقیقت یہ ہے کہ علمائے متقدمین تاویل کے قصد و ارادہ کو تسلیم کرلیا کرتے تھے (یعنی اگر کوئی کہتا کہ میری مراد تو یہ تھی اور وہ مراد درست ہوتی تو اس کو مان لیتے اور کافر نہ کہتے تھے) لیکن اس کے بعد جب تکفیر سے بچنے والے بہانہ سازوں کی کثرت ہوگئی (اور انہوں نے تاویل کو کفر سے بچنے کے لئے آڑ بنالیا) تو علمائے حق (قصد تاویل کے بجائے) امکان تاویل کا اعتبار کرنے لگے (کہ کسی کے قول کی تاویل ممکن ہو تو اس کو کافر نہ کہا جائے، قائل کے قصد

وارادہ پر مدار نہیں، بالفاظ دیگر اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میری مراد تو یہ تھی تو دیکھا جائے کہ اس کے کلام کی یہ مراد ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتی ہو تو اس کی بات مان لی جائے اور اس کو کافر نہ کہا جائے اور اگر نہ ہو سکتی ہو تو اس کے کہنے کا اعتبار بالکل نہ کیا جائے اور کفر کا حکم لگا دیا جائے)۔

چنانچہ ''جامع الفصولین'' میں لکھا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے متعلق مسئلہ دریافت کیا گیا جس نے کسی شخص کو مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو کسی اور شخص نے اس سے کہا: ''تو خدا سے نہیں ڈرتا'' تو اس پر مارنے والے نے کہا: ''نہیں'' (کہ یہ شخص اس قول کی بنا پر کافر ہوا یا نہیں؟) فرمایا: نہیں! اس کو کافر نہ کہا جائے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ کہے (کہ میری مراد تو یہ تھی کہ) خدا کا خوف اور تقویٰ اسی میں ہے جو میں کر رہا ہوں، (یعنی خوفِ خدا اور تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ میں اس شخص کو ماردوں) اور اگر کسی معصیت کے ارتکاب کے وقت (مثلاً حرام کاری یا شراب خوری کے وقت) یہ کہا گیا کہ ''تو خدا سے نہیں ڈرتا'' اور اس نے کہہ دیا: ''نہیں'' تو اس کو کافر کہا جائے گا، اس لئے کہ اس صورت میں وہ تاویل ممکن نہیں (جو پہلی صورت میں ممکن تھی کیونکہ کسی کو مارنا، پیٹنا تو تقویٰ کا تقاضا ہو سکتا ہے، مگر کسی معصیت کا ارتکاب کسی صورت میں بھی تقویٰ کا تقاضا نہیں ہو سکتا)۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''فتاویٰ خانیہ'' میں بھی شداد بن حکیم اور اس کی بیوی کے قصہ میں یہی بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں: ''طبقات حنفیہ'' میں خود شداد بن حکیم نے امام محمد رحمہ اللہ سے یہی روایت نقل کی ہے اور ''طبقات'' کا بیان ''جامع الفصولین'' کے بیان سے زیادہ لائق اعتبار ہے کہ ''محض امکان تاویل کا اعتبار ہے۔'' (قصد وارادہ قائل پر مدار نہیں) اس لئے کہ اس میں تو کوئی رکاوٹ ہی نہیں، حالانکہ مشائخ حنفیہ فرماتے ہیں: کہ اگر کسی شخص کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے اور اس کے خیال میں ''توریہ'' کی کوئی صورت

ہو (جس کو اختیار کر کے وہ حقیقت میں کفر سے بچ سکتا ہو) اور اس کے باوجود اس ''توریہ'' کو اختیار نہ کرے اور کلمہ کفر کہہ دے تو وہ کافر ہوجائے گا، (اس لئے کہ اس نے جان بوجھ کر کلمہ کفر کہا درآں حالیکہ وہ توریہ کر کے اس سے بچ سکتا تھا، یہ رضا بالکفر ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مشائخ (ترک تکفیر میں صرف امکان تاویل کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ) ایسے شخص کے حق میں بھی تاویل کے قصد و ارادہ کو مؤثر مانتے ہیں، اگر ایسا نہ ہو تو حیلہ جوئی اور عذر تراشی سے تو کوئی بھی عاجز نہیں (حاصل یہ ہے کہ مسئلہ اکراہ میں مشائخ صرف امکان توریہ پر ترکِ تکفیر کا مدار نہیں رکھتے بلکہ قائل کے قصد و ارادہ کا بھی اعتبار کرتے ہیں، اگر توریہ کا قصد کرے تو کفر سے بچے گا ورنہ نہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص تاویل کا قصد کرے تو کفر سے بچے گا ورنہ نہیں، معلوم ہوا کہ محض امکان تاویل کافی نہیں، جیسا کہ ''جامع الفصولین'' سے معلوم ہوتا ہے، بلکہ قصد تاویل بھی ضروری ہے، جیسا کہ ''طبقات'' کے بیان سے معلوم ہوتا ہے) چنانچہ ''میزان الاعتدال'' میں ج:۱ ص:۲۷۲ پر حکم بن نافع کے ترجمہ کے تحت قوی سند کے ساتھ یہ روایت ہے:

> ''بخدا! مؤمن بھی قرآن کی آیات سے استدلال کرتا ہے، مگر مغلوب ہوجاتا ہے اور منافق بھی قرآن کی آیات سے استدلال کرتا ہے اور غالب آجاتا ہے، (اس لئے کہ منافق مکار اور حیلہ ساز ہے، وہ آیات قرآن کے معنی میں تصرف کر کے من مانے معنی کرتا ہے، اور مراد بتلاتا ہے اور جیت جاتا ہے، اور مؤمن دیانت دار اور راستباز ہے، وہ آیات قرآن کے معنی و مراد میں کوئی تاویل و تصرف نہیں کرتا، اس لئے اپنے مکار حریف سے مغلوب ہوجاتا ہے)۔''

خفاجیؒ نے ''شرح شفا'' میں ج:۴ ص:۴۲۶ پر لکھا ہے کہ:

''اور اسی لئے (کہ حکم کفر کا مدار ظاہر پر ہے، نیت اور قصد و ارادہ کا دخل نہیں) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مصنف کا قول، اس شخص کے بارے میں جو (بزعم خود) اپنی زبان پر قدرت اور قابو نہ رکھنے اور بولنے میں بے باکی و جسارت (کہ جو منہ میں آیا بک دیا) کی بنا پر سب وشتم کر بیٹھا، اس نے قصداً سب وشتم نہیں کیا، نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: مصنف کا بیان ہمارے مذہب کے قواعد کے موافق اور واضح ہے، اس لئے کہ کفر کا حکم لگانے کا مدار ظاہری اقوال و افعال پر ہے، نہ نیت و قصد کا اعتبار ہے، نہ اس کے حالیہ قرائن کا، ہاں ناواقفیت کا دعویٰ کرنے والا اگر اپنے نومسلم ہونے، یا اہل علم کی صحبت سے دور (ومحروم) ہونے کے عذر کی بنا پر (ناواقفیت کا مدعی ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی اور اس کو) معذور سمجھا جائے گا، (اور کافر نہ کہا جائے گا) جیسا کہ ''روضہ'' کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے۔''

تاویل کے معتبر ہونے یا نہ ہونے میں قرائن حالیہ کو بھی دخل ہے:

امام نووی رحمہ اللہ ''شرح مسلم'' میں ص:۳۹ پر خطابی سے نقل کرتے ہیں کہ:

''اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ (عہد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں) زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں کے بارے میں تم نے اپنے بیان کے مطابق تاویل کیسے کرلی؟ اور ان کو (کافر و

مرتد کہنے کے بجائے) باغی کیسے قرار دیا؟ اور کیا ہمارے زمانہ میں بھی اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرے (اور زکوٰۃ نہ ادا کرے) تو کیا آج بھی تم اس کو باغی قرار دو گے (اور کافر و مرتد نہ کہو گے)؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "اس زمانہ میں اگر کوئی شخص یا گروہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کا انکار کرتا ہے تو باجماع امت کافر ہے، اور ان میں اور اس زمانہ کے لوگوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ وہ مانعین زکوٰۃ ایسے اسباب و وجوہ کی بنا پر معذور قرار دیئے گئے جو اس زمانہ میں درپیش نہیں ہیں، مثلاً یہ کہ ان کا زمانہ اس عہد سے بالکل قریب اور ملا ہوا تھا، جس میں احکام شریعت کی تشریع و تدوین ہو رہی تھی، اور نسخ و تبدیل احکام کا سلسلہ جاری تھا، (لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد زکوٰۃ کی فرضیت کے منسوخ ہوجانے کا شبہ اس بنا پر ہوسکتا تھا کہ زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا گیا تھا، آپؐ کی وفات کے بعد وہ حکم ختم ہوگیا) دوسرے یہ کہ وہ لوگ بالکل جاہل اور احکام دین الٰہی سے قطعاً ناواقف تھے، نیز ان کو اسلام قبول کئے ہوئے زیادہ زمانہ بھی نہ گزرا تھا، یعنی بالکل نومسلم تھے، اس لئے ان کے دلوں میں شکوک و شبہات کا پیدا ہونا قرین قیاس تھا، اس لئے ان کو معذور قرار دیا گیا، اس کے برعکس آج دین اسلام اور اس کے احکام اس قدر عام اور شائع و ذائع ہوچکے ہیں کہ (نہ صرف) مسلمانوں میں (بلکہ غیر مسلموں میں بھی) زکوٰۃ کے اسلام میں فرض ہونے کا علم شہرت اور تواتر کی حد کو پہنچ چکا ہے، یہاں تک کہ ہر خاص و عام

اور ہر عالم و عامی یکساں طور پر اس کو جانتا ہے (کہ اسلام میں زکوٰۃ فرض ہے) لہٰذا اس زمانہ میں اگر کوئی زکوٰۃ کے فرض ہونے کا انکار کرتا ہے(۱) اس کو کافر کہا جائے گا اور اس کی کوئی بھی تاویل یا عذر مسموع نہ ہوگا (اس لئے کہ ضروریاتِ دین میں تاویل کفر سے نہیں بچاتی)، یہی حکم ہر اس منکر کا ہے جو کسی بھی مجمع علیہ دینی امر کا انکار کرے، جس کا علم شہرت کی حد کو پہنچ چکا ہو، مثلاً پنجگانہ نماز، ماہ رمضان کے روزے، غسل جنابت، حرمت زنا، حرمت شراب، حرمت ربوا، ابدی محرمات سے نکاح کی حرمت اور ان کے علاوہ اسی قسم کے دین کے مہمات احکام الاّ یہ کہ منکر بالکل نومسلم اور احکام اسلام سے بالکل ناواقف ہو، اور اپنی جہالت و ناواقفیت کی بنا پر ان میں سے کسی حکم کا انکار کرے تو اس کو معذور سمجھا جائے گا، اور کافر نہ کہا جائے گا، اور ایسے نومسلم (تازہ واردین اسلام) کے ساتھ قرون اولیٰ کے جاہل و نومسلم منکرین زکوٰۃ کا سا معاملہ کیا جائے گا (یعنی احکام اسلام سے واقف کیا جائے گا، پھر بھی اگر نہ مانیں تو اسلام سے خارج اور کافر قرار دیا جائے گا) بخلاف ان خاص خاص اجماعی مسائل

---

(۱) اس زمانہ کے وہ تجدد پرست اپنے اسلام و ایمان کی فکر کریں جو "اسلام کو زمانہ کے حالات سے ہم آہنگ کرنے" کے عنوان سے دین میں نو بہ نو تحریفیں اور تاویلیں کر کے اسلام کو نئے اور من مانے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ اس دور میں حکومتیں خود بھاری، بھاری ٹیکس وصول کر رہی ہیں اس لئے اس زمانہ میں مالداروں پر زکوٰۃ فرض نہیں رہی۔ یا جو کہتے ہیں کہ چونکہ اس زمانہ میں دنیا میں تمام تجارتی کاروبار اور لین دین تجارتی سود پر چل رہا ہے، اس لئے تجارتی سود حلال اور جائز ہے، قرآن نے جس سود کو حرام کیا ہے وہ صرف مہاجنی سود ہے، وقس علیٰ ذالک! از مترجم۔

واحکام کے جو مخصوص عنوانات کے ساتھ شریعت میں آئے ہیں، اوران کا علم صرف علمائے دین تک محدود رہتا ہے، مثلاً پھوپھی یا خالہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی حقیقی بھتیجی یا بھانجی سے نکاح کا حرام ہونا، یا عمداً قتل کرنے والے کا مقتول کی میراث سے محروم ہونا، یا (ماں نہ ہونے کی صورت میں) دادی کا چھٹے حصے کا وارث ہونا، اور اسی قسم کے نظری مسائل و احکام کہ ان میں سے کسی حکم کے انکار کرنے والے کو کافر نہ کہا جائے گا، (اور نادانی و ناواقفیت پر محمول کیا جائے گا) اس لئے کہ یہ احکام و مسائل اس قدر معروف و مشہور نہیں کہ ہر عامی مسلمان ان سے واقف ہو۔"

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اسی مسئلہ سے متعلق خطابیؒ کا ایک بیان "الیواقیت والجواہر" کے حوالے سے اس سے قبل نقل کیا جاچکا ہے۔

نتیجہ بحث و حاصل تحقیق، نیز مانعین زکوٰۃ سے متعلق شیخینؓ کے اختلاف کی تنقیح و تحقیق:

حضرت مصنف قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں:

مذکورہ بالا تحقیق سے یہ حقیقت واضح و منقح ہوگئی کہ ضروریاتِ دین کا منکر اگر توبہ کرانے کے باوجود توبہ نہ کرے تو کوئی بھی تاویل اس کو قتل سے نہیں بچاسکتی، اور نہ ہی کفر و ارتداد سے، باقی رہا وہ اعتراض جس کو امام نوویؒ نے بحوالہ خطابیؒ نقل کیا ہے کہ (عہد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں) اگر مانعین زکوٰۃ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا، تو وہ اس انکار کی وجہ سے مرتد ہوئے یا نہیں؟ درآں حالیکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ان سے جنگ کرنے میں تردد تھا، تو غالباً اس کی صحیح وجہ اور جواب یہ ہے کہ ان

لوگوں نے (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عمال کو) زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تھا، اور اپنے اپنے قبائل میں امرأ اور حکام مقرر کرنے کا ارادہ کیا تھا، اور اس طرح وہ خلیفہ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے منحرف ہوگئے تھے، لہٰذا اس اعتبار سے وہ باغی بھی ہوگئے، اور چونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے انکار کی غرض و غایت اسی بغاوت اور نافرمانی کو قرار دیتے تھے، (اس لئے ان کی رائے میں وہ زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر نہ تھے، بلکہ خلیفۃ المسلمین کے منکر اور باغی تھے)۔ حضرت مصنف رحمہ اللہ حاشیہ میں فرماتے ہیں: چنانچہ اس کی تائید مستدرک کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، جسے حاکم نے ج:۲ ص:۳۰۳ پر حضرت عمرؓ سے ہی نقل کیا ہے کہ:

> ''حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کاش کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مسئلے دریافت کرلیتا تو وہ میرے لئے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ قیمتی اور کارآمد ہوتے، ایک یہ کہ آپؐ کے بعد آپؐ کا خلیفہ کون ہوگا؟ دوسرے ان لوگوں کا حکم جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے اموال میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کا تو اقرار کرتے ہیں، لیکن کہتے ہیں کہ ہم وہ زکوٰۃ تم کو یعنی خلیفۃ المسلمین کو نہ دیں گے کہ ایسے لوگوں سے جنگ کرنا چاہئے یا نہیں؟ تیسرے ''کلالہ'' کا مسئلہ (یعنی ایسے مورث جس کے نہ ماں باپ ہوں، نہ بیٹا بیٹی، اس کی میراث کا وارث کون ہوگا؟)۔''

یہ حدیث شیخینؒ (بخاری و مسلم) کے شرائط کے مطابق صحیح ہے، اگرچہ انہوں نے ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: چونکہ ان لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے یہ سمجھ لیا تھا کہ زکوٰۃ بھی ایک ایسا ہی ''مالی ٹیکس'' ہے، جیسے ہر حکمراں اپنی رعایا سے

مختلف قسم کے مالی ٹیکس وصول کیا کرتا ہے، لہٰذا جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بقید حیات تھے، آپؐ نے بحیثیت حکمراں اور بادشاہ ہم سے زکوٰۃ وصول کی (اور ہم نے دی)، آپ کو اس کا حق تھا، (اور آپؐ کی وفات کے بعد) جب ہم آزاد ہوگئے تو اب جو ہمارے حکمراں ہوں گے ان کو اختیار ہے کہ وہ اور تمام ٹیکسوں کی طرح ہم سے زکوٰۃ وصول کریں یا نہ کریں؟ وہ زکوٰۃ جو ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں دیتے تھے، وہ بہرحال حضورؐ کے ساتھ ختم ہوگئی، اس کے مطالبہ کا اب کسی کو حق نہیں ہے، حضرت عمرؓ کے نزدیک یہی ان کے انکار کی اصلی غرض تھی (لہٰذا وہ باغی تھے) باقی اس کے علاوہ جو اور تاویلیں وہ انکار زکوٰۃ کی کرتے تھے، وہ تبرعاً (امر زائد کے طور پر) کرتے تھے۔

لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو اسی انکار فرضیت زکوٰۃ کی بنا پر کافر و مرتد قرار دیا تھا، (اس لئے کہ زکوٰۃ کو ایک عبادت اور دینی فرض ماننے کے بجائے حکومت متسلطہ کا ایک مالی ٹیکس کہنا، دراصل فرضیت زکوٰۃ کا انکار ہے، لہٰذا یہ لوگ مرتد ہیں) واللہ اعلم بحقیقۃ الحال!

(بہرصورت شیخین (ابوبکر و عمر) رضی اللہ عنہما کا اختلاف دراصل مانعین زکوٰۃ کی غرض اور منع زکوٰۃ کے وجوہ و اسباب کے تعین کے بارے میں تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کا اصلی سبب و محرک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے انحراف اور ان کی حکومت سے بغاوت قرار دیتے تھے، اور منع زکوٰۃ کو اس بغاوت کا ایک عنوان۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کی اصلی غرض دین رسول اللہ سے انحراف، اور انکارِ زکوٰۃ دین کے ایک اہم رکن کا انکار تھا، لہٰذا وہ ان کو مرتد اور واجب القتل سمجھتے تھے، لہٰذا شیخین رضی اللہ عنہما کا یہ اختلاف واقعہ (انکار زکوٰۃ) کے اسباب و وجوہ کی تحقیق و تنقیح سے متعلق تھا۔ چنانچہ اگر حضرت عمرؓ پر یہ حقیقت واضح ہوجاتی کہ درحقیقت یہ لوگ کفر کی بنا پر سرے سے فرضیت زکوٰۃ کے ہی

منکر ہیں (اور اس کو دین کا رکن ہی نہیں مانتے) تو وہ بھی یقیناً ان کو کافر و مرتد قرار دیتے اور اصلاً تردد نہ فرماتے۔

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد بالکل یہی تحقیق حافظ جمال الدین زیلعی کے ہاں "تخریج هدایه" کے "باب الجزیة" میں میری نظر سے گزری، نیز اس سلسلہ میں ''منهاج السنة'' ج:۲ ص:۲۴۳،۲۳۳ اور ج:۳ ص:۲۳۱ کی مراجعت بھی ضرور کرنی چاہیے۔

ایک نئی حقیقت کا انکشاف:

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اور ''کنز العمال'' میں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتدین کے ساتھ جنگ کرنے کے ذیل میں خود حضرت عمرؓ کی ایک روایت مذکور ہے، جس میں تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی ان کو مرتد قرار دیا تھا، لیکن ان کی رائے میں اس وقت مسلمانوں کے پاس ان مرتدین کے ساتھ جنگ کے لئے حربی طاقت نہ تھی، (اس لئے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صرف اقدام جنگ کے خلاف تھے، اختلاف ان کے مرتد ہونے یا نہ ہونے میں نہ تھا بلکہ اس وقت جنگ کے قرین مصلحت ہونے یا نہ ہونے میں تھا)۔

علاوہ ازیں محبّ طبریؒ کی "الریاض النضرة" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت فرما گئے، تو عرب قبائل دین سے منحرف اور مرتد ہوگئے، اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے، تو اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''بخدا! (اونٹ تو اونٹ) اگر یہ لوگ اونٹ کی ایک رسی بھی مجھ کو دینے سے انکار کریں گے تو میں اس پر بھی ان سے جنگ کروں گا۔'' تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''اے رسول اللہ کے خلیفہ! (مصلحت وقت کا تقاضا یہ ہے کہ) آپ ان

لوگوں کی دلجوئی فرمائیں، اور نرمی برتیں۔'' تو اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے:
''اے عمر! کفر کے زمانہ میں تو تم ایسے نڈر تھے، اور اسلام لانے کے بعد تم ایسے ڈرپوک بن گئے؟ سنو اے عمر! اب وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور دین کی تکمیل ہوچکی، کیا میرے زندہ ہوتے دین میں کتر بیونت کی جاسکتی ہے؟ (ہرگز نہیں)۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ ''سنن نسائی'' میں بھی مذکور ہے، اس روایت سے تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ (کو نہ ان کے مرتد ہونے میں کوئی تردد تھا اور نہ مسلمانوں کی حربی طاقت اور قوت مقاومت میں کوئی تامل تھا، بلکہ وہ) صرف تالیف قلب کی غرض سے جنگ کرنے کے خلاف تھے۔ ابن حزمؒ نے بھی ''ملل ونحل'' میں ج:۶ ص:۷۹ پر اس سے بحث کی ہے، اور نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں ج:۶ ص:۱۴۰ پر ان مرتدین کے مختلف فرقے اور گروہ شمار کرائے ہیں، (جن میں کچھ مرتد تھے اور کچھ باغی، اور اسی پر اختلاف شیخینؓ کو مبنی قرار دیا ہے)۔

حافظ بدرالدین عینیؒ ''عمدۃ القاری'' (شرح بخاری) میں ج:۴ ص:۲۷۳ پر مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کے بارے میں ''اکلیل'' کے حوالہ سے حکیم بن عباد بن حنیف، جو اس کے ایک راوی ہیں، کی مرفوع(۱) روایت نقل کرنے کے بعد اس حکیم کا قول نقل کرتے ہیں:

''ما اریٰ ابابکر الا انہ لم یقاتلھم متأولا انما قاتلھم بالنص.''

ترجمہ:...... ''میری رائے میں ابوبکر صدیق (رضی اللہ

---

(۱) اس مرفوع روایت کے لئے ''عمدۃ القاری'' کے مذکورہ بالا حوالہ کی مراجعت کیجئے حکیم کی مراد ''نص'' سے یہی مرفوع روایت ہے کہ اس میں تیسری مرتبہ کے انکار پر قتل کردیے کا صریح حکم موجود ہے۔

عنہ) نے مرتدین سے جنگ کسی تاویل کی بنیاد پر نہیں کی ہے،
بلکہ انہوں نے یقیناً نص قطعی کی بنا پر ان سے جنگ کی ہے۔"

اس کے بعد عینیؒ ص:۲۷ پر اس نص قطعی کی جانب رہنمائی کرتے ہیں، اور حدیث مذکور کے لفظ: "الّا بحق الاسلام." کے ذیل میں چند صورتیں نقل کرتے ہیں: (۱) ناحق کسی کو قتل کر دینا۔ (۲) کسی باطل تاویل کی بنا پر زکوٰۃ یا اسی قسم کے کسی اور رکن دین کا انکار کر دینا۔ (۳) شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرنا۔ یہ وہ امور ہیں جن کی بنا پر ایک مسلمان کلمہ توحید پڑھنے کے باوجود مستحق قتل ہو جاتا ہے) ابوبکر رازیؒ نے "احکام القرآن" میں ج:۲ ص:۸۲ پر نہایت منقح طور پر اس کو بیان کیا ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "کنز العمال" میں ج:۳ ص:۱۲۸ پر ایک اور روایت بھی اس کی مؤید ہے، جس کا ذکر حافظ ابن حجرؒ نے بھی "فتح الباری" میں ج:۱۳ ص:۱۸۷ پر کیا ہے، اور خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے "کنز العمال" میں ج:۶ ص:۳۱۳ پر، اور ج:۱ ص:۸۰ پر مذکورہ ذیل روایت مروی ہے، فرماتے ہیں:

"واللہ! لیوم ولیلة لابی بکر خیر من عمر عمر وآل عمر، ثم ذکر لیلة الغار الی ان قال واما الیوم فذکر قتاله لمن ارتد."

ترجمہ:...... "خدا کی قسم! ابوبکر صدیقؓ کی ایک رات اور ایک دن، عمرؓ اور آل عمر کی پوری زندگی سے بہتر ہے، فرماتے ہیں وہ رات غار حرا کی رات ہے، اور وہ دن مرتدین سے جنگ کے فیصلہ کا دن ہے۔" (۱)

---

(۱) تمام روایات و واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے .... (باقی اگلے صفحہ پر)

یہ روایت صاحب ''قاموس'' کی کتاب ''الصلات والبشر فی الصلوٰۃ علی خیر البشر'' کے نسخہ مخطوطہ میں بھی ہے، ھذا، واللہ اعلم بالصواب! (ان سب باتوں کو پیش نظر رکھیں، پورے حقائق کا علم اللہ کو ہی ہے)۔

(گزشتہ سے پیوستہ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (واللہ اعلم بالصواب!) کہ ابتدائے کار میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر حقیقت واقعہ کما حقہ منکشف نہیں ہوئی، اور مرتدین کے فرقے بھی انکار زکوٰۃ کی غرض و غایت کے باب میں مختلف تھے، اور غایت احتیاط کی بنا پر جیسے جیسے حقیقت حال آپ پر منکشف ہوتی گئی، آپؓ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے متفق ہوتے گئے، اور آخر میں یہ فرمانے پر مجبور ہوئے: ''واللہ ما اریٰ ابابکر الا ان شرح اللہ صدرہ للقتال.'' اور پھر اس فیصلہ قتال کی دین میں اہمیت وعظمت کے انکشاف پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس ایک مبارک دن کو اپنی اور اپنے خاندان کی پوری زندگی پر فوقیت اور ترجیح کا صدق دل سے اعتراف فرمایا، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال، فان اصبت فمن اللہ تعالیٰ وان اخطأت فمن نفسی واللہ یغفر لی! از مترجم۔

صحابہ کرامؓ کا اجماع

کوئی بھی حرام چیز کسی بھی تاویل سے حلال نہیں ہوسکتی اور اس کو حلال سمجھنے والا اگر توبہ نہ کرے تو کافر اور واجب القتل ہے:

امام ابوجعفر طحاویؒ نے شرح ''معانی الآثار'' میں ج:۲ ص:۸۹ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے، جس کے بعض طرق ''فتح الباری'' میں باب ''حد الخمر'' کے ذیل میں ج:۱۲ ص:۶۰ پر، اور ''کنز العمال'' میں بھی مذکور ہیں۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''جس زمانہ میں یزیدؓ بن ابی سفیان شام کے امیر تھے، شام کے کچھ لوگوں نے یہ کہہ کر شراب پینی شروع کردی کہ ہمارے لئے تو شراب حلال ہے، اور آیت کریمہ: **''لیس علی**

---

(۱) حضرت مصنف علیہ الرحمۃ حاشیہ میں ''فتح الباری'' ج:۱۰ ص:۴۵ سے ''شرب خمر'' (شراب نوشی) کے سلسلہ میں حسب ذیل مرفوع حدیث نقل فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے پہلی پیز جو اسلام (کے احکام) کو اس طرح الٹ کر رکھ دے گی، جس طرح برتن کو الٹ دیا جاتا ہے، وہ شراب ہے۔'' عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! یہ کیسے ہوگا؟ فرمایا: ''شراب کا نام کچھ اور رکھ دیں گے، اور پھر اس کو حلال قرار دے لیں گے (اور مزے سے پئیں گے)۔'' اسی طرح آج کل تجارتی سود کا نام ''منافع'' رکھ کر سود کو جائز قرار دیا جارہا ہے۔ مترجم۔

الذین آمنوا جناح فیما طعموا." سے حِلّت خمر پر استدلال کیا، تو یزیدؒ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس فتنہ کی اطلاع دی، حضرت عمرؓ نے فوراً یزیدؒ کو لکھا کہ: "اس سے قبل کہ یہ لوگ وہاں یہ گمراہی پھیلائیں تم انہیں (گرفتار کرکے) فوراً میرے پاس بھیج دو۔" جب یہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس مدینہ پہنچے تو حضرت عمرؓ نے ان کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا، تمام صحابہؓ نے متفقہ طور پر عرض کیا: "اے امیرالمؤمنین! ہماری رائے میں تو ان لوگوں نے (اس آیت کریمہ میں یہ تاویل کرکے) اللہ تعالیٰ پر بہتان لگایا ہے، اور انہوں نے اس چیز کو دین میں جائز و حلال بنایا ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے ہرگز اجازت نہیں دی، لہٰذا یہ (مرتد ہیں) آپؓ ان سب کو قتل کیجئے۔" حضرت علیؓ اس پر خاموش رہے، تو حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت کیا: "اے ابوالحسن! تمہاری کیا رائے ہے؟" حضرت علیؓ نے فرمایا: "میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کو اس عقیدہ سے توبہ کرنے کا حکم دیں، اگر یہ توبہ کرلیں تو آپؓ ان کو شراب نوشی کے جرم میں اسّی اسّی کوڑے (حد شرب خمر) لگائیں اور چھوڑ دیں، اور اگر یہ (اس عقیدہ سے) توبہ نہ کریں تو ان کو (کافر و مرتد قرار دے کر) قتل کردیا جائے، اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا ہے، اور دین میں اس چیز کو جائز و حلال ٹھہرایا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔" چنانچہ (اس رائے پر تمام صحابہؓ متفق ہوگئے اور) حضرت عمرؓ نے ان کو توبہ کرنے کے لئے حکم دیا، جب انہوں نے توبہ کرلی تو اسّی اسّی

کوڑے (حد شرب خمر) ان کو لگائے۔“

اسی واقعہ کے متعلق حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ”الصارم المسلول“ میں ص:۵۳۳ پر فرماتے ہیں:

”تمام ارباب شوریٰ، حضرت عمرؓ اور ان کے رفقا کے اس فیصلہ پر متفق ہوگئے کہ ان لوگوں سے توبہ کرنے کے لئے کہا جائے، اگر توبہ کرلیں اور حرمت خمر کا اقرار بھی کرلیں تب تو ان کو اسّی کوڑے لگائے جائیں، اور اگر اس عقیدہ سے توبہ اور حرمت خمر کا اقرار نہ کریں تو ان کو کافر قرار دے دیا جائے اور قتل کردیئے جائیں۔“

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: حالانکہ مذکورہ بالا آیت (لیس علی الذین .... الخ.) انہی لوگوں (اہل کتاب) کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو شراب کے حرام ہونے سے پہلے، اسلام لانے کے بعد بھی شراب پیتے تھے، (اور اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کے بعد شرب خمر کی اجازت دی تھی)، یہ اہل شام بھی اسی بنیاد پر مسلمانوں کے لئے شراب کو حلال کہتے تھے (کہ شراب کی حرمت کفار کے ساتھ مخصوص ہے، مسلمانوں کے لئے حلال ہے) مگر صحابہ کرامؓ نے ان کی اس تاویل کا مطلق اعتبار نہیں کیا۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”تحریر الاصول“ میں بھی ”اقسام جہل“ کے ذیل میں اس واقعہ کا تذکرہ موجود ہے اور ابوبکر رازیؒ نے تو ”احکام القرآن“ میں ج:۲ ص:۵۶۷ پر سورہ مائدہ کے ذیل میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے (کہ ایسی باطل تاویل اور کھلا ہوا جہل قطعاً معتبر نہیں ہے)۔

جیسے قرآن کے منکرین کافر ہیں اور ان سے جنگ کرنا فرض ہے، ایسے ہی قرآن کے معنی کے منکرین بھی کافر ہیں اور ان سے قتال کرنا فرض ہے:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ''فتح الباری'' میں ج:۷ ص:۴۰۳ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں، انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرۂ قضا کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن رواحہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگے آگے یہ ''رجزیہ'' اشعار پڑھتے جارہے تھے:

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ
قد انزل الرحمن فی تنزیلہ
بان خیر القتل فی سبیلہ
نحن قتلناکم علی تاویلہ
کما قتلناکم علی تنزیلہ

ترجمہ:...... ''اے کافروں کی اولاد! رسول اللہ کا راستہ چھوڑ دو، بے شک مہربان خدا نے اپنے کلام میں نازل فرمایا ہے کہ بہترین قتل وہ ہے جو اس کی راہ میں ہو (لہٰذا) ہم تم کو قتل کریں گے اس قرآن کی مراد منوانے پر بھی، جیسا کہ ہم نے تم کو مارا پیٹا ہے اس کے نزول کے منوانے پر۔''

ابویعلیٰ نے بھی عبدالرزاق کے طریق سے اس روایت کی تخریج کی ہے، لیکن ابویعلیٰ کی روایت میں ''نحن قتلناکم'' کے بجائے ''نحن ضربناکم علی تاویلہ.'' ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ (ہم تم سے برابر لڑتے رہیں گے) یہاں تک کہ تم قرآن کی مراد یعنی معنی ومفہوم کو بھی تسلیم کرلو۔ نیز فرماتے

ہیں: اس شعر کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قرآن کے جو معنی و مراد ہم نے سمجھی اور جانی ہے، (اس کے منوانے پر) ہم تم سے لڑتے رہیں گے، یہاں تک کہ (تم بھی اسی معنی و مراد کو تسلیم کرلو جس کو ہم نے سمجھا اور مانا ہے اور) تم بھی اسی دین میں داخل ہو جاؤ جس میں ہم داخل ہوئے ہیں، (یعنی قرآن کو صرف کلام اللہ مان لینا مسلمان ہونے کے لئے کافی نہیں، بلکہ اس معنی و مراد کو تسلیم کرنا بھی مسلمان ہونے اور قتل و قتال سے امان حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے، جو تمام مسلمانوں نے سمجھی ہے اور جس پر امت کا اجماع ہے) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شعر کے صحیح الفاظ حسب ذیل ہیں:

نحن ضربناكم على تاويله
كما ضربناكم على تنزيله

نیز فرماتے ہیں (خواہ "قتلنا" ہو، خواہ "ضربنا") دونوں کی مراد وہی ہے جو ہم نے بیان کی، (فرق صرف لفظوں کا ہے، معنی واحد ہیں) چنانچہ ابن حبان نے دونوں طریق پر اس روایت کی تصحیح کی ہے، اگرچہ پہلے طریق (نحن قتلنا) پر یہ شیخینؒ (بخاری و مسلم) کی شرائط پر صحیح ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ روایت نص صریح ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کے وہ معانی و مصادیق جن پر صحابہؓ اور سلف صالحینؒ کا اجماع ہو چکا ہے، ان کو منوانے اور تسلیم کرانے پر بھی (منکرین سے) اسی طرح جنگ کی جائے گی جیسے قرآن کو کلام اللہ اور منزل من اللہ منوانے کے لئے (کفار سے) جنگ کی گئی ہے۔

قرآن وحدیث کے عرف اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ تاویل کے معنی:

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس روایت میں لفظ "تاویل" کے معنی "مراد" کے ہیں، صحابہؓ اور سلف صالحینؒ کے عرف میں لفظ "تاویل" اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی متعدد تصانیف میں، اور خفاجی نے "شفا" کی شرح "نسیم الریاض" میں اس کی تصریح کی ہے۔ فرماتے ہیں: مزید تفصیل کے لئے ابوبکر جصاص کی "احکام القرآن" ج:۲ ص:۴۸۸ کی مراجعت ضروری ہے۔(۱)

---

(۱) حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے حاشیہ میں زیر بحث مسئلوں کی مزید مراجعت کے لئے امام جصاصؒ کی کتاب "احکام القرآن" کے مذکورہ ذیل مقامات کی نشاندہی فرمائی ہے۔

۱:......"ومن الناس من یجعلھم (ای اھل الاھواء الذین یکفرون بھا) بمنزلۃ اھل الکتاب." (ج:۲ ص:۳۶)

ترجمہ:......"بعض لوگ اہل اہواءٗ (بدعت وغیرہ کی وجہ سے جن کی تکفیر کی گئی ہے، ان) کو بمنزلہ اہل کتاب قرار دیتے ہیں۔"

۲:......"ذکرہ عن الکرخی وایدہ بما فی الزیادات." (ج:۳ ص:۴۴۵)

ترجمہ:......"یہ قول (ابوبکر جصاص نے) امام کرخی سے نقل کیا اور "زیادات" کے بیان سے اس کی تائید کی ہے۔"

۳:......"وفی الآیۃ دلیل علی ان من ظھر کفرہ نحو المشبھۃ ومن صرح بالجبر .... الخ.

ولا یختلف فی ذالک حکم من فسق او کفر بالتاویل او برد النص."

(ج:۱ ص:۹۰)

مھم غایۃ من مثلہ فی الرتبۃ فی تکفیر بعض المتاؤلین.

(باقی اگلے صفحہ پر)

(گزشتہ سے پیوستہ)

ترجمہ:......’’یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ جس شخص کا کفر ظاہر (وثابت) ہو چکا جیسے مشبّہ (فرقہ) یا وہ لوگ جو جبریہ عقائد کی تصریح (واعلان) کریں۔

اور اس مسئلہ میں ان لوگوں کا حکم جن کو کسی نص کی تاویل یا تردید (انکار) کی وجہ سے فاسق یا کافر قرار دیا گیا ہے، ان سے مختلف نہیں ہے۔‘‘

(حضرت شاہ صاحبؒ یہ عبارات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:) بعض تاویل کرنے والوں کی تکفیر کے بارے میں جن کو رتبہ میں مثال کے طور پر پیش کیا ہے (یہ بیان) غایت درجہ اہم ہے۔

۴:......’’وکذالک فی ج:۲ ص:۳۶، وفی ج:۲ ص:۳۲ انه لا یشترط الانذار والتقدم بالقول فی بعض.

وقد انعقد الاجماع العملی انه لا یشترط فی تبلیغ المتواتر عدد التواتر فی المبلغ بل اقامة الحجة کسائر المعاملات.‘‘ (ج:۲ ص:۳۲۸)

ترجمہ:......’’ج:۲ ص:۳۶ اور ج:۲ ص:۳۲ میں بھی اسی طرح بیان کیا ہے کہ بعض (امور) میں خبردار کرنا اور پہلے سے کہنا شرط نہیں ہے۔

اجماع اس پر منعقد ہو چکا ہے کہ کسی امر متواتر کی تبلیغ (منکرین تک پہنچانے) میں پہنچانے والوں کی تعداد کا متواتر ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ (دین کے) تمام معاملات کی طرح دلیل قائم کر دینا (اتمام حجت کر دینا) شرط ہے۔‘‘

۵:......’’وراجع بدائع الفوائد ج:۴ ص:۱۶۸.‘‘

ترجمہ:......’’اور بدائع الفوائد ج:۴ ص:۱۶۸ کی بھی مراجعت کیجئے۔‘‘

۶:......’’وما ذکره فی مختلف الحدیث ص:۱۴۷، غیر جید وما ذکره فی ص:۸۰ جید.‘‘

ترجمہ:......’’مختلف الحدیث ص:۱۴۷ کا بیان عمدہ نہیں ہے، ہاں ص:۸۰ کا بیان عمدہ ہے۔‘‘

۷:......’’وذکر فی ج:۱ ص:۵۲ کفر من طرق الی التلبیس فی امر النبوة فی قسم من السحر وانه مذهب الفقهاء وانه علیه تصدیق الکاهن .... (باقی اگلے صفحہ پر)

فرماتے ہیں: قرآن حکیم میں بھی یہ لفظ ''تاویل'' ''مراد اور مصداق'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ آیت کریمہ: ''یوم یاتی تاویله.'' میں تاویل کے معنی مصداق کے ہیں، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے قول: ''ذالک تاویل رؤیای.'' میں بھی تاویل کے معنی مراد و مصداق کے ہیں، یہ قرآن کا عرف اور استعمال ہے، اس لفظ ''تاویل'' کے معنی ''صرف عن الظاهر'' (کسی لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹانے) کے نہیں ہیں، (جیسا کہ علم عقائد و کلام اور فقہاً کی اصطلاح ہے، یعنی متقدمین لفظ تاویل کو اس معنی میں استعمال نہیں کرتے جس میں متاخرین اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں، یعنی کلام کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹادینا، بلکہ اسی مصداق و مراد کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن و حدیث میں جابجا اسی معنی میں استعمال ہوا ہے)۔

قرآن کی مجمع علیہ مراد و معنی کا انکار قرآن کے انکار کے مرادف اور موجب کفر و قتل ہے:

فرماتے ہیں: غرض یہ ہے کہ جو شخص (قرآن کریم کی کسی آیت) سلف کی تاویل کو- جسے متاخرین کی اصطلاح میں تفسیر کہتے ہیں- ترک کرے گا، یعنی نہ مانے گا وہ بغیر کسی فرق کے اسی طرح کفر و قتل کا مستحق ہے، جیسے نفس قرآن کو سرے سے ترک کرنے اور نہ ماننے والا (یعنی قرآن حکیم کی کسی آیت کا انکار جیسے موجب کفر و

(گزشتہ سے پیوستہ) وهذا ينطبق على زنادقة اللاهور وقد بسطه.''

ترجمہ:...... ''(ابوبکر جصاصؒ نے) ج:۱ ص:۵۲ پر (لکھتے ہیں) ان لوگوں کے کفر کو جو نبوت کے بارے میں تلبیس کا راستہ اختیار کرتے ہیں، سحر (جادو) کی ایک قسم میں ذکر کیا ہے (اور کفر قرار دیا ہے)، اور یہ کہ فقہاً کا مذہب یہی ہے اور اسی پر (مبنی) ہے کاہن (نجومی) کی تصدیق (کہ وہ بھی کفر ہے) (فرماتے ہیں) تکفیر کی یہ صورت لاہوری (احمدی) زندیقوں پر بالکل منطبق (چسپاں) ہے، امام جصاصؒ نے اس کو پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔''

ارتداد ہے، اور منکر مستحق قتل ہے، بالکل اسی طرح قرآن کے مجمع علیہ معنی و مراد کا انکار بھی موجب کفر وقتل ہے)۔

حنفیہ کی مشہور و معروف کتاب ''بدائع'' میں ایک روایت مذکور ہے کہ:

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ: تم قرآن کی مراد و معنی (کو منوانے) پر ایسے ہی (منکرین سے) جنگ کرو گے جیسا کہ آج نزول قرآن (کے منوانے) پر (کفار سے) جنگ کر رہے ہو۔''

فرماتے ہیں: غالب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اشارہ ''خوارج'' کی جنگ کی جانب ہے، (گویا یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک پیش گوئی تھی جو ہو بہو پوری ہوئی)۔

چنانچہ امام طحاویؒ کے ''مشکل الآثار'' کے مختصر المعتصر ج:۱ ص:۲۲۱ میں اسی حدیث پر مستقل باب قائم کیا ہے، باب **"قتال علی اهل الاهواء."** اور اس کے تحت اسی حدیث کی تخریج کی ہے۔ اسی طرح امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''خصائص علی'' میں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ اسی طرح حاکم نے ''مستدرک'' میں اس حدیث کی تخریج کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث شیخینؒ (بخاری و مسلم) کی شرائط کے مطابق صحیح ہے، اگرچہ انہوں نے اپنی اپنی کتابوں (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے ''تلخیص مستدرک'' میں اس حدیث کی صحت کا اقرار کیا ہے، اور اس حدیث کا کچھ حصہ ''جامع ترمذی'' میں باب ''مناقب علیؓ'' ص:۵۳۳ پر بھی موجود ہے، ان حضرات کے ہاں یہ حدیث ذیل کے الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

''ان منکم من یقاتل علیٰ تاویل القرآن کما قاتلت علیٰ تنزیله. فاستشرف لها القوم وفیهم ابوبکر

وعمر رضی اللہ عنهما، فقال ابوبکر: انا هو؟ قال: لا!
قال عمر: انا هو؟ قال: لا! ولكن خاصف النعل يعني
عليّ."

ترجمہ:......"بے شک تم میں سے ایک شخص قرآن کی مراد کو (منکرین سے) منوانے پر ایسے ہی جنگ کرے گا، جیسا کہ میں نے اس کے (منجانب اللہ) نازل ہونے کو (کفار سے) منوانے پر جنگ کی ہے۔ تو یہ سن کر سب ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے، حاضرین میں ابوبکرؓ و عمرؓ بھی موجود تھے، تو ابوبکرؓ نے کہا: "یا رسول اللہ! وہ شخص میں ہوں؟" آپؐ نے فرمایا: "نہیں!" عمرؓ نے کہا: "میں ہوں؟" آپؐ نے فرمایا: "نہیں! بلکہ (جنگ کرنے والا) وہ اپنی چپل گانٹھنے والا ہے یعنی علیؓ۔ (رضی اللہ عنہم)۔"

یہ حدیث بھی ثابت کرتی ہے کہ انکارِ مرادِ قرآن اور انکارِ قرآن کا حکم ایک ہے، امام احمدؒ نے "مسند احمد" میں ج:۳ ص:۸۲ پر اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

(بہرصورت یہ حدیث قتال خوارج سے متعلق ہے) لہٰذا حضرت عمار بن یاسرؓ نے اس حدیث کو جنگ صفین کے موقع پر یا تو بطور "تمثل" (حسب حال ہونے کی بنا پر) پڑھ دیا ہے، یا (ممکن ہے کہ ابتداً میں) عمار بن یاسرؓ کا گمان یہ ہو کہ "صفین" میں جنگ کرنے والے ہی اس حدیث کا مصداق ہیں۔ اور بعد میں ان پر یہ واضح ہوا ہو کہ اس حدیث کا مصداق (خوارج ہیں)، اہل صفین نہیں، جیسا کہ "منہاج السنۃ" میں اہل صفین کے متعلق جو عمارؓ کے اقوال منقول ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے (بہرحال اس حدیث کا مصداق خوارج ہیں، اور عمارؓ کا اہل صفین کے متعلق اس حدیث کو پڑھنا، یا غلط فہمی پر مبنی ہے، جس سے انہوں نے رجوع کیا ہے، اور یا

صرف ادنیٰ مناسبت سے حسب حال پاکر اہل صفین کے حق میں پڑھ دیا ہے)۔

امام ابوجعفر طحاویؒ کی ''مشکل الآثار'' کے مختصر ''المعتصر'' میں ص:۲۲۲ پر ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وعدہ (پیش گوئی) کے برحق ہونے کو ثابت کرنے والا واقعہ حضرت علیؓ کا ''خوارج'' کے خلاف برسرپیکار ہونا اور ان کو تہ تیغ کرنا، نیز ان خوارج میں ہو بہو ان اوصاف کا پایا جانا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائے۔ حضرت علیؓ کی یہ خصوصیت (استیصال خوارج) انہی خصائص میں سے ایک خصوصیت ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے خلفا کو مخصوص وممتاز فرمایا ہے، چنانچہ مانعین زکوٰۃ اور مرتدین کے ساتھ جنگ اور ان کی بیخ کنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے، عجمی اقوام کے ساتھ جنگ اور عراق وشام کی فتح اور ان ممالک میں دین اسلام کا استحکام وغلبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے، اور مراد ومعانی قرآن کے منکر خوارج سے جنگ اور ان کی بیخ کنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے، اور تمام امت کو ایک قرأتِ قرآن (لغت قریش) پر جمع کردینا (اور اختلاف لغات وقرأت کو مٹادینا) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے، یہ وہ کارنامہ ہے جس سے (مخالفین ومنکرین پر) حجت قائم ہوگئی، اور واضح ہوگیا کہ اب جو کوئی قرآن کے ایک حرف کا بھی انکار کرے (یا اس میں تاویل کرے) وہ کافر ہے، اور اسی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان یہود ونصاریٰ کے نقش

قدم پر چلنے سے بچالیا جنہوں نے اپنی کتابوں میں ایسے اختلافات کا دروازہ کھولا جن سے تحریف و تبدیل کی راہ ہموار ہوگئی (اور دونوں کتابیں خود انہی کے ہاتھوں مسخ و محرف ہوکر رہ گئیں)، پس اللہ تعالیٰ کی رضائے عظیم ان خلفائے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شامل حال ہو، اور اس احسان عظیم پر اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کی جانب سے ان کو وہ عظیم تر اجر عطا فرمائیں جو اس نے کسی بھی نبی کے خلفاء کو اس نبی کی طاعت و پیروی پر عطا فرمایا ہو، اور ہم اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ان خلفاء کے مدارج و فضائل اور خصوصیات و مزایا کی معرفت عطا فرمائی اور ہمارے دلوں کو ان خلفاء کے اور ان کے ماسوا تمام صحابہ کرامؓ کے کینہ اور عداوت سے پاک و صاف اور محفوظ رکھا۔ اللہ تعالیٰ کی رضائے خاص ان سب صحابہ کے شامل حال ہو (اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے) وہ سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔"

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ (کی خصوصیت صرف جمع قرآن ہی نہیں ہے، بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح انہوں) نے بھی عجمی اقوام کے ساتھ بکثرت لڑائیاں لڑیں اور جہاد کئے (اور بقیہ ممالک عالم کو فتح کیا) اس کے علاوہ ان کی سب سے اہم خصوصیت اور لازوال کارنامہ امت کو باہمی خلفشار اور خانہ جنگی سے بچانا اور انتشار و اختلاف کے اسباب کو مٹانا ہے، چنانچہ انہوں نے شہید ہونا گوارا کیا، مگر (اپنی ذات سے) امت میں پھوٹ (اور گروہ بندی و خانہ جنگی نہ ہونے دی، ورنہ اگر وہ ذرا اشارہ فرمادیتے تو ان کی حمایت کرنے والی مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت موجود تھی، جو ان کے سامنے سینہ

سپر ہو جاتی اور آپس میں خونریز جنگ ہوتی)۔

فرماتے ہیں: نزول قرآن کی طرح مراد قرآن پر (منکرین سے) جنگ کرنے کا ثبوت اور عہد صحابہ میں اس کی شہرت ''الصارم المسلول'' کی پندرھویں حدیث سے بھی بخوبی ثابت ہوتی ہے، چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ ''الصارم المسلول'' میں ص:ف۱۸۳ پر فرماتے ہیں:

''صبیغ بن عسل رضی اللہ عنہ کی مشہور و معروف حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ صحابہ کرامؓ کو جس شخص کے متعلق یقین ہو جاتا کہ یہ انہیں خارجیوں میں سے ہے (جن کا پورا حلیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا ہے) تو وہ اس کے قتل کر دینے کو بالکل جائز سمجھتے، اگر چہ وہ اکیلا ہی ہو، چنانچہ ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ قبیلہ یربوع یا تمیم کے ایک آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ''الذاریات، المرسلات، النازعات'' یا ان میں سے کسی ایک کے متعلق سوال کیا (کہ ان سے کیا مراد ہے؟) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''تم ذرا اپنے سر سے عمامہ اتارو۔'' اس نے عمامہ اتار دیا تو اس قبیلہ کے سر پر بال موجود تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''آگاہ رہو، بخدا! اگر میں تیرا سر منڈا ہوا پاتا تو تیری وہ کھوپڑی جس میں یہ تیری (فتنہ انگیز) آنکھیں گردش کر رہی ہیں، توڑ ڈالتا (اور تجھے خارجی ہونے کی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے مطابق قتل کر ڈالتا)۔'' ابو عثمان نہدی کہتے ہیں:

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بصرہ والوں کو (یا کہا ہم بصرہ والوں کو) لکھ کر بھیجا کہ اس شخص کے

ساتھ (میل جول اور) نشست و برخاست ہرگز نہ رکھیں (مجلسی بائیکاٹ کردیں، اس لئے کہ یہ قرآن کی متشابہ، غیرواضح آیات کے معانی میں الجھا کر مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے)، چنانچہ یہ حالت ہوگئی تھی کہ اگر یہ شخص آجاتا اور ہمارا سو آدمیوں کا مجمع بھی ہوتا تو سب کے سب منتشر ہوجاتے (اور اس سے بھاگتے جیسے جذامی وغیرہ متعدی امراض میں گرفتار بیماروں سے تندرست لوگ بھاگتے اور دور رہتے ہیں) اموی وغیرہ محدثین نے اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔"

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"تو دیکھئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مہاجرین و انصار کے مجمع میں سب کے سامنے قسم کھاتے ہیں کہ اگر (اس شخص میں) وہ نشانی موجود پاتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کی بیان کی ہے تو اس کو ضرور قتل کردیتے، حالانکہ انہی عمر فاروق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (خوارج کے سربراہ اول) ذوالخویصرہ کو قتل کرنے سے روکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان مبارک: "اینما ثقفتموھم فاقتلوھم." (جہاں بھی ان کو پاؤ قتل کرڈالو) کا مطلب یہی سمجھا تھا کہ (ان صفات سے موصوف خوارج کو) بلاتخصیص قتل کردیا جائے اور یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں ذوالخویصرہ سے درگزر کرنا صرف اس عہد میں اسلام کے ضعف اور غیرمسلموں کی دلجوئی پر مبنی تھا۔"

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: حافظ ابن تیمیہؒ نے اس مقام پر ثابت کیا ہے کہ (ایسے لوگوں کا) یہ قتل کفر کی بنا پر ہے نہ کہ (مسلمانوں سے) برسرپیکار ہونے پر، ''الصارم المسلول'' کے اس حصہ کی ضرور مراجعت کیجئے، نہایت ضروری اور اہم حصہ ہے، نیز ''منہاج السنۃ'' کا بیان بھی پیش نظر رہنا چاہئے، اس لئے کہ جیسا مقام (اور موضوع بحث) ہوتا ہے، ویسا ہی بیان ہوتا ہے، خصوصاً حافظ ابن تیمیہؒ کی تصانیف میں تو کثرت سے یہی انداز پایا جاتا ہے کہ وہ ایک ہی مسئلہ کے ایک جزو پر ایک کتاب میں بحث کرتے ہیں، اور دوسرے جزو پر دوسری کتاب میں۔

فرماتے ہیں: حافظ ابن تیمیہؒ نے ''منہاج السنۃ'' میں ج:۲ ص:۲۳۰ پر رافضیوں کی تکفیر پر بھی ایک مستقل باب لکھا ہے، اور اس کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے:

> ''جبکہ یہ روافض مدعی ہیں کہ اہل یمامہ (مرتدین) مظلوم تھے، ان کو ناحق قتل کیا گیا ہے، اور ان سے جنگ کرنے کے جواز وصحت کے منکر ہیں، بلکہ ان کے (مسلمان ہونے کے) حق میں تاویلیں کرتے ہیں (کہ وہ مسلمان تھے اور حق پر) تو یہ اس امر کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ یہ پچھلے (رافضی) انہی اگلوں (مرتدین یمامہ) کے متبع (اور انہی کے نقش قدم پر چلنے والے) ہیں، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے اہل حق مسلمان ہر زمانہ میں (اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے اور) مرتدین سے جنگ کرتے رہیں گے (یعنی جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ کے مرتدین اہل یمامہ سے ارتداد کی بنا پر جنگ کی تھی، اسی طرح ان کے متبعین اہل حق بھی اپنے اپنے زمانہ کے مرتدین سے جنگ کرتے رہیں گے، بالفاظ دیگر ہر زمانہ میں

مرتدین بھی پیدا ہوتے رہیں گے، اور ان کو قتل کرنے والے اہل
حق بھی پیدا ہوتے رہیں گے، اور یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا۔
اس بیان سے ثابت ہوا کہ حافظ ابن تیمیہؒ ارتداد کی سزا بلا تخصیص
قتل قرار دیتے ہیں)۔"

جو شخص کسی کافر و مرتد کو تاویل کر کے مسلمان ثابت کرے، یا کسی یقینی کافر کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: حافظ ابن تیمیہؒ کے مذکورہ بالا بیان میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ جو شخص یمامہ والوں کے حق میں تاویل (کر کے ان کو مسلمان ثابت) کرے، وہ کافر ہے اور جو شخص کسی قطعی اور یقینی کافر کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔ اسی "منہاج" میں ج:۲ ص:۲۳۳ پر تصریح کرتے ہیں:

"خوارج سے جنگ (مسلمان) باغیوں کی سی جنگ
نہ تھی، بلکہ یہ تو اس سے بڑھ کر اور ایک اور ہی قسم کی جنگ تھی
(بالفاظ دیگر "کلمہ گو کافروں" سے جنگ تھی)۔"

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتےؒ ہیں: "منہاج السنۃ" میں ج:۲ ص:۱۹۷ پر روافض کے متعلق کچھ اور بھی لکھا ہے (مراجعت کیجئے)۔

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نیز فرماتے ہیں: جبکہ خوارج کے شخص اول (اور سرغنہ) کا قول: "ان هذه لقسمة ما اريد بها وجه الله۔" مجمع علیہ کفر ہے، تو یہی حکم اس کی اولاد و اتباع کے حق میں بھی جاری رہے گا (یعنی جو شخص اس کے نقش قدم پر چلے گا وہ بھی کافر ہوگا) اور بین السطور میں آیت کریمہ: "وَقَالَ اَوْلِيَآئُهُم مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ... الآية۔" (الانعام:۱۲۸) سے اس پر استشہاد کیا ہے۔

فرماتے ہیں: اور حافظ ابن حجرؒ نے تو ''فتح الباری'' میں ج:۱۲ ص:۲۶۶ پر(۱) ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گفتگو کے فوراً بعد خوارج کے اس سرغنہ کو اسی وقت قتل کردینے کا حکم دیا ہے، جس نے یہ کلمہ کفر: ''ان هذه لقسمة ما ارید بها وجه الله.'' کہا تھا (مگر اتفاق سے وہ وہاں سے کھسک گیا اور بچ گیا) لہٰذا اب وہ اور اس کے اتباع سب کفر اور قتل میں اور اس کفر وقتل کے موجب اور سبب (ارتداد) میں برابر ہوگئے، جیسا کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے ''الصارم المسلول'' میں ص:۱۸۰ پر تصریح فرمائی ہے۔

قرآن کریم کی آیات کو بے محل استعمال کرنا اور ہیر پھیر کرکے اس کی مراد و معنی کو بیان کرنا کفر ہے:

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ان سب کا (یعنی اس سرغنہ اور اس کے متبعین کا) طریق کار ایک ہی تھا(۲)، اور وہ یہ کہ قرآن کریم کی آیات کو بے محل استعمال کرتے (اور کلمہ حق سے باطل مراد لیتے) تھے، چنانچہ ''صحیح مسلم'' کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) حضرت مصنفؒ بین السطور میں ''ابریز'' ص:۲۳۶ کی مراجعت کی ہدایت فرماتے ہیں۔

(۲) جیسے بت پرست کہا کرتے تھے کہ ہم تو ان بتوں کی صرف اس لئے پرستش کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا سے قریب کردیں گے (حالانکہ یہ قطعاً باطل تاویل تھی) یا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب میں نمرود نے کہا تھا: ''اَنَا اُحْيِ وَاُمِيْتُ.'' (کہ یہ لفظ ''احیاء'' و ''اماتت'' کا غلط استعمال اور دھوکا تھا) اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری دلیل کے جواب میں نمرود حیران و مبہوت رہ گیا، اس لئے کہ اس میں ایسی کوئی تاویل نہیں چل سکتی تھی۔ اور کنز العمال میں ج:۵ ص:۲۳۲ و ۲۳۳ پر حضرت عمرؓ کی ایک روایت یہ بھی آئی ہے کہ: اور اسی باب میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرتے ہیں۔ اور ص:۹۱۰ پر ہے کہ ''زعموا'' انسان کا بدترین تکیہ کلام ہے، اور ص:۸۸۳ پر ہے کہ سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ پر لعنت کرے۔

"قال انه سیخرج من ضئضئی ھذا قوم یتلون
کتاب اللہ لیًّا رطبا." (صحیح مسلم ج:۱ ص:۳۴۱)

ترجمہ:......"حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس شخص کی
نسل سے ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو قرآن کو بڑی شان سے توڑ
مروڑ اور ہیر پھیر کر پڑھتے ہوں گے۔"

اس حدیث میں "لیًّا" ی کے ساتھ آیا ہے، امام نووی رحمہ اللہ، قاضی عیاض رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ اکثر مشائخ حدیث کی روایت میں یہی لفظ آیا ہے، اور اس کے معنی ہیں "یلوون السنتھم بہ." یعنی "قرآن کے معانی اور مصادیق میں تحریفیں کرتے ہوں گے۔"

چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمۃ "صحیح بخاری" میں باب "قتال الخوارج" کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"ابن عمر رضی اللہ عنہ ان (خوارج) کو خدا کی شریر
ترین مخلوق سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان ظالموں نے تو قرآن
کی ان آیات کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں مؤمنوں پر
چسپاں کرڈالا (اور مؤمنوں کو کافر بنادیا)۔"

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: یہی معنی ہیں قرآن کو بے محل استعمال کرنے اور بے محل تاویل کرنے کے (جس کی ایک صورت ابن عمرؓ نے بیان فرمائی ہے)، صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ (ان خوارج کے بارے میں) فرمایا کرتے تھے: "کلمۃ حق ارید بھا الباطل." (یہ وہ کلمہ حق ہے، جو باطل کے لئے استعمال کیا گیا ہے)۔

فرماتے ہیں: "صحیح مسلم" میں یہ روایت مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ آئی ہے:

"یقولون الحق بالسنتھم لا یجوز ھذا منھم

(واشار الی حلقه)." (صحیح مسلم ج:۱ ص:۳۴۳)

ترجمہ:......"وہ زبان سے تو کلمہ حق کہتے ہوں گے مگر وہ حق ان کے اس سے (یعنی دہن وحلقوم سے) آگے نہ بڑھتا ہوگا (راوی نے اپنے ہاتھ سے گلے کی جانب اشارہ کیا، یعنی ان کے دلوں میں حق کا نام ونشان تک نہ ہوگا)۔"

"کنز العمال" میں حضرت حذیفہؓ کی روایت میں مذکور ہے، وہ فرماتے ہیں:

"ان رسول الله صلی الله علیه وسلم ذکر ان فی امته قوما یقرأون القرآن ینثرونه نثر الدقل یتأولونه علیٰ غیر تأویله." (کنز العمال ج:۶ ص:۷۵ حدیث:۱۴۱۲)

ترجمہ:......"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) ذکر فرمایا کہ میری امت میں ایک ایسی قوم ہوگی جو قرآن کریم کی آیات کو اس طرح (الٹا سیدھا، محل بے محل) پڑھتے ہوں گے جیسے ردی کھجوریں بکھیرتے چلے جاتے ہیں (یعنی) ان کے ایسے معنی ومراد گھڑیں گے جو درحقیقت ان کے معنی ومراد نہیں۔"

ابن جریرؒ اور ابویعلیٰؒ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے جیسا کہ تفسیر "اتقان" کی "نوع ثمانین" (قسم اسّی) میں مذکور ہے، نیز ابن کثیرؒ نے ج:۲ ص:۲۰۳ پر بیان کیا ہے۔

قرآن حکیم سے ثبوت:

فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن عظیم میں فرمایا ہے:

"وَاِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ

لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ." (آل عمران:۷۸)

ترجمہ:...... ''اور بے شک ان (اہل کتاب) میں ایک گروہ ایسا ہے جو زبانیں پھیر پھیر کر آسمانی کتاب کو پڑھتے ہیں، (یعنی آسمانی کتاب میں تحریفیں کر کے پڑھتے ہیں) تاکہ تم اس کو کتاب اللہ سمجھو، حالانکہ وہ کتاب الٰہی میں سے نہیں ہے، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے (نازل شدہ) کلام الٰہی ہے، حالانکہ وہ اللہ کی جانب سے (نازل شدہ) نہیں ہے، وہ (جان بوجھ کر) اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور وہ جانتے ہیں (کہ ہم اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں)۔''

مذکورہ بالا احادیث وآیات سے مستنبط نتیجہ:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''مسویٰ'' (شرح مؤطا) کے گزشتہ بیان کے مطابق جن محدثین نے ان خوارج کی تکفیر کی ہے، اس طریق پر ان احادیث سے:

ا:...... اس تکفیر کی وجہ واضح اور ثابت ہوگی (کہ حضرات محدثینؒ نے ان کی تکفیر کیوں کی ہے)۔

علامہ سندھیؒ نے بھی ''سنن نسائی'' کے حاشیہ میں ان کی تکفیر کو محدثین کا مسلک بتلایا ہے، اور یہی قوی مسلک ہے۔ شیخ ابن ہمامؒ نے بھی ''فتح القدیر'' میں محدثین کا یہی مسلک بیان کیا ہے۔

۲:...... نیز ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ دین کے امور قطعیہ و یقینیہ کا صریح انکار اور ان میں تاویل کرنا، دونوں میں کچھ فرق نہیں، (جیسے صریح انکار

کرنے والا کافر ہے، ایسے ہی تاویل کرنے والا بھی کافر ہے)۔

۳:......نیز ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ انسان کو بسا اوقات پتہ بھی نہیں چلتا اور وہ (کفریہ عقیدہ یا قول وفعل کی وجہ سے) کافر ہوجاتا ہے، (یعنی تکفیر کے لئے لزوم کفر کافی ہے، التزام کفر ضروری نہیں، بالفاظ دیگر کسی شخص کے کافر ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اسے اس بات کا علم ہو کہ میں ایسا کہنے یا کرنے سے کافر ہوجاؤں گا، بلکہ محض کسی کفریہ قول یا فعل کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے کافر ہوجاتا ہے)۔

روزہ، نماز کی پابندی اور ظاہری دینداری کے باوجود بھی مسلمان کفریہ عقائد واعمال کی بنا پر کافر ہوجاتا ہے:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس کے ثبوت کے لئے اسی حدیث شریف کے مذکورہ ذیل الفاظ دیکھئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"یحقر احدکم صلاته وصیامه مع صلاتهم وصیامهم، واعماله مع اعمالهم، ولیست قرأته الی قرأتهم شیئا."

ترجمہ:......"ان کی نماز، روزے کے مقابلہ میں تم اپنی نماز، روزہ کو حقیر محسوس کرو گے، اور ان کی دینداری کے سامنے تم کو اپنی دینداری حقیر نظر آئے گی، اور ان کی تلاوت قرآن کے سامنے تمہاری تلاوت ہیچ ہوگی، (مگر اس کے باوجود وہ دین اسلام سے خارج اور کافر ہوں گے)۔"

فرماتے ہیں: (مسلمانو!) لسانِ نبوت سے نکلے ہوئے ان مقدس کلمات حقہ کو تکفیر کے مسئلہ میں اصل اصول بنالو! اس لئے کہ یہ کلمات قرآن کے الفاظ کی طرح

کافی و شافی اور نص قطعی ہیں (اور یقین کرلو کہ کفریہ عقائد اور اقوال و اعمال کے ارتکاب کے بعد مسلمان کافر ہوجاتا ہے، اگرچہ وہ کتنا ہی دیندار اور روزہ، نماز کا پابند ہو)۔

مسئلہ تکفیر میں فقہاً اور متکلمین کے اختلاف کی حقیقت:

فرماتے ہیں: باقی رہا مسئلہ تکفیر میں فقہاً اور متکلمین کا اختلاف تو (اس سے ہرگز دھوکے میں مت پڑنا) یہ صرف مسلمان گمراہ فرقوں سے متعلق ہے، (کفار و مرتدین کے بارے میں مطلق کوئی اختلاف نہیں، ضروریاتِ دین کا منکر یا ان میں تاویل کرنے والا، تمام امت کے نزدیک متفقہ طور پر کافر ہے) اور یہ اختلاف بھی صرف ان اسلامی فرقوں کے اپنی گمراہی میں غلو اور حد سے تجاوز کرنے یا نہ کرنے پر مبنی ہے، (جو مسلمان گمراہ فرقے اپنے فاسد عقائد و اعمال میں غالی ہیں کہ اپنے مخالف تمام مسلمانوں کو کافر و مشرک کہتے ہیں، ان کو کافر کہا گیا ہے، اور جو غالی نہیں ہیں، ان کو کافر کہنے سے احتراز کیا گیا ہے) اور یا یہ اختلاف ارباب تصانیف کے اختلافِ حالات پر مبنی ہے، چنانچہ جس مصنف کا جس گمراہ فرقہ سے سابقہ پڑا، اور اسے ان کی گمراہی کی تہ تک پہنچنے کا موقع ملا، اور ان کے فاسد عقائد و اعمال سے دین کو نقصان پہنچنے کا اسے علم و یقین ہوا، اس نے ان کے بارے میں شدت اختیار کی اور ایسی شدید تردید کی کہ دھجیاں اڑادیں اور نام و نشان تک باقی نہ رہنے دیا، (یعنی دین اسلام سے بالکل خارج اور کافر بنادیا)، اور جس مصنف کو ایسا سابقہ نہیں پڑا اور گمراہی کی گہرائی تک پہنچنے کا موقع نہ ملا، اس نے ازروئے احتیاط، مسلمان اور اہل قبلہ سمجھ کر بربنا اصل کافر کہنے سے احتراز کیا۔

مشہور مقولہ: ''اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے'' کی حقیقت:

فرماتے ہیں: اور یہی حقیقت اس مشہور و معروف قول کی ہے کہ: ''اہل قبلہ

کی تکفیر نہ کی جائے'' یعنی مسلمان گمراہ فرقوں کے متعلق اصول تو یہی ہے (کہ ان کی تکفیر سے احتراز کیا جائے، لیکن اگر کوئی گمراہ فرقہ اپنے مخصوص حالات اور حد سے تجاوز کرنے کی بنا پر دین کے لئے ضرر رساں بن رہا ہے (تو یقیناً اس کو کافر کہا جائے گا اور مسلمانوں کو گمراہی سے بچایا جائے گا)۔

مصنف نور اللہ مرقدہ کا اس رسالہ کا تصنیف سے مقصد اور اس کی وضاحت:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ہم نے بھی اس رسالہ میں جہاں تک ممکن ہوا احتیاط سے کام لیا ہے، مگر یہ واضح ہونا چاہیئے کہ احتیاط کی بھی ایک حد ہے (اس حد سے تجاوز کرنا خود بے احتیاطی ہے) بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی مسئلہ میں صرف ایک پہلو کو سامنے رکھ کر احتیاط برتتا ہے، مگر دوسرے پہلو سے وہ خود بے احتیاطی میں مبتلا ہوجاتا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں چلتا، ہم نے اس رسالہ میں صرف اللہ کے اس دین (کے اصول) کا اعلان کیا ہے، جس پر ہم قائم اور اس کی حفاظت کے ہم مکلّف ہیں، اور ہر پہلو سے احتیاط کا جو حق تھا، اس کو ادا کیا ہے، (یعنی جس طرح کسی کلمہ گو کو کافر کہنے سے احتیاط برتنے کی ضرورت ہے، ایسے ہی دین اور اصولِ دین کی حفاظت و صیانت میں بھی انتہائی احتیاط برتنے کی ضرورت ہے، ایسا نہ ہو کہ کسی کلمہ گو کو کفر سے بچانے کی کوشش میں ہم دین کی بنیادوں کو نقصان پہنچا بیٹھیں کہ یہ کھلی ہوئی مداہنت اور اللہ کے دین کے ساتھ غداری ہے، ہماری نیت بالکل پاک و صاف ہے) جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہیں، اور وہی ہر حال میں حمد و ثنا کے سزاوار ہیں۔

دین کے محافظ علمائے حق کا فریضہ:

فرماتے ہیں: اسی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو بھی

پیشِ نظر رکھنا چاہئے، جس کو بیہقی رحمہ اللہ نے ''مدخل'' میں روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''یحمل ھٰذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاہلین.'' (مشکوٰۃ بحوالہ المدخل للبیہقی ج:۱ ص:۳۶)

ترجمہ:...... ''میری امت میں ہر آنے والی نسل میں ایک ایسی ثقہ جماعت موجود رہے گی جو اس دین کی حامل و محافظ ہوگی، حد سے تجاوز کرنے والے گمراہوں کی تحریفوں کی تردید کرے گی، اور باطل پرستوں کی دست برد سے دین کو بچائے گی، اور جاہلوں کی تاویلوں کی بیخ کنی کرے گی۔''

فرماتے ہیں: یہ مشکوٰۃِ رسالت اور لسانِ نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں، (جو ہماری حق پرستی، راست گوئی اور دیانت داری کی ضمانت ہیں، اس لئے کہ ہم نے وہی فریضہ ادا کیا ہے(۱)، جس کی پیش گوئی رسول اللہ صلی اللہ

(۱) اردو ترجمہ اور اس کی نشر و اشاعت کا مقصد! واضح رہے کہ اس زمانہ میں بھی اصول و شرائع دین میں نت نئی تاویلیں اور تحریفیں کرکے دین کو - خاکم بدہن - مسخ و تباہ کرنے کی ناپاک کوشش پوری قوت کے ساتھ کی جارہی ہیں اور وہ ''پڑھے لکھے جاہل'' جنہیں دین اور دینداری سے دور کا بھی واسطہ نہیں، دین کی تعبیر کو اپنے ہاتھ میں لے کر اسلام کو ''دین'' کا نام لے کر مٹانے کی جدوجہد کر رہے ہیں، اور تحریر و تقریر کے ذریعہ عقائد و احکام شرعیہ میں آئے دن نئی سے نئی تاویلیں اور تحریفیں کی جارہی ہیں، محرمات قطعیہ کو حلال کرنے اور ارکانِ دین کو کمزور کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، اور عموماً حکمراں طبقہ بھی چونکہ خود دین سے بے خبر ہے، اس لئے اس کی طرف سے ان پر کوئی پابندی اور سختی نہیں، لہٰذا صرف مذکورۃ الصدر حدیث شریف کے عائد کردہ فریضہ کو ادا کرنے اور دین کو اس نو بہ نو تاویلوں اور تحریفوں سے بچانے کے لئے اس رسالہ کا اردو ترجمہ کیا جارہا ہے، تاکہ عامۃ المسلمین اس زمانہ کے ملحدوں اور باطل پرستوں کی.................. (باقی اگلے صفحہ پر)

علیہ وسلم نے فرمائی ہے، اور بس) ہمارے لئے تو اللہ کافی و وافی ہے، اور وہی بہترین کارساز ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ) فریب کاریوں سے واقف ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ اس سعی کو مقبول اور ہم سب کو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور دین کو اس زمانہ کے فتنوں سے محفوظ رکھیں، آمین! از مترجم۔

کبار علمائ کی تصانیف سے اہم ترین اقتباسات

کفریہ عقائد اور اقوال و افعال پر سکوت جائز نہیں:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ "فیصل التفرقہ" کے ص:۱۴ پر فرماتے ہیں:

"اس قسم کے کفریہ اقوال اگر دین کے اساسی عقائد و اصول سے متعلق ہوں تو جو شخص بغیر کسی قطعی دلیل کے ان آیات وحدیث کے ظاہری معنی میں تغیر وتبدل کرے اس کو کافر قرار دینا فرض ہے، مثلاً: جو شخص جسمانی حیات بعد الموت (مرکر دوبارہ جسمانی طور پر زندہ ہونے) کا انکار کرے، محض اپنے اوہام و خیالات اور ناقص فہم سے دور ہونے (اور نہ سمجھ میں آنے) کی وجہ سے اور آخرت میں جسمانی عذاب کا منکر ہو، اس کو کافر کہنا یقیناً فرض ہے۔"

اسی "فیصل التفرقہ" میں ص:۱۶ پر فرماتے ہیں:

"ہر وہ شرعی عقیدہ یا حکم جو تواتر سے ثابت ہو، اور اس میں کسی تاویل کی مطلق گنجائش نہ ہو، اور نہ ہی اس کے خلاف کسی دلیل کے پائے جانے کا امکان ہو، اس کی مخالفت دین کی کھلی ہوئی تکذیب ہے (اور مخالفت کرنے والا قطعاً کافر ہے)۔"

اسی کتاب کے ص:۱۷ پر فرماتے ہیں:

''ایک اور اصول پر متنبہ کرنا بھی ضروری ہے، اور وہ یہ کہ بعض اوقات حق کی مخالفت کرنے والا کسی نص قطعی کی مخالفت کرتا ہے، اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں (منکر نہیں ہوں) مؤول ہوں، مگر تاویل ایسی کرتا ہے جسے عربی زبان سے کوئی لگاؤ نہیں، نہ دور کا، نہ پاس کا، یہ مخالفت قطعاً کفر ہے، اور مخالفت کرنے والا جھوٹا اور کافر ہے، اگرچہ وہ خود کو مؤول کہتا رہے۔''

رسول اللہ اور تمام انبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں سبّ وشتم یا گستاخی کا حکم:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ہم حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' کے چند اہم اقتباسات اس مسئلہ پر پیش کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی عیب چینی اور ان کی تنقیص وتوہین سراسر کفر، بلکہ سب سے بڑا کفر ہے۔ علامہ موصوفؒ نے اس کتاب میں اس مسئلہ کو پورے استیعاب کے ساتھ بیان کیا ہے، اور کتاب، سنت، اجماع اور قیاس سے ماخوذ دلائل و براہین سے کتاب کو بھر دیا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اختیار تھا کہ چاہے سب وشتم کرنے والے کو قتل کردیں، چاہے معاف فرمادیں، چنانچہ عہد نبوی میں دونوں قسم کے واقعات پائے گئے ہیں، لیکن امت پر شاتم رسول کو قتل کرنا فرض ہے، باقی اس سے توبہ کرانے یا نہ کرانے، اور دنیوی احکام کے اعتبار سے اس کی توبہ کے معتبر ومقبول ہونے نہ ہونے میں بے شک علماءِ امت کا اختلاف ہے، (لیکن اس کے کافر ہوجانے میں کوئی اختلاف نہیں، یہی پوری کتاب کا حاصل ہے)۔

چنانچہ ''الصارم المسلول'' میں ص:۱۹۵، ۴۱۸ پر فرماتے ہیں:

''حربؒ نے ''مسائل حرب'' میں لیثؒ بن ابی سلیم کے واسطہ سے حضرت مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص کو لایا گیا، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سب وشتم کیا تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو قتل کردیا، اور اس کے بعد فرمان جاری کردیا کہ: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی شان میں، یا انبیاؑ علیہم السلام میں سے کسی بھی نبی کی شان میں سب وشتم یا گستاخی کرے، اس کو قتل کردو۔'' لیثؒ کہتے ہیں کہ مجاہدؒ نے مجھ سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت بھی نقل کی کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: جس کسی مسلمان نے انبیاؑ علیہم السلام میں سے کسی بھی نبی پر یا اللہ تعالیٰ پر سب وشتم کیا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی، اور اس کا یہ فعل ارتداد ہے، اس سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا، اگر توبہ کرلی تو فبہا ورنہ اس کو قتل کردیا جائے گا، اور جس کسی غیر مسلم معاہد (ذمی) نے اللہ تعالیٰ یا کسی بھی نبی کی شان میں سب وشتم کیا، یا علانیہ کوئی گستاخی کی، اس نے (اپنی اس حرکت سے) (جان و مال کی سلامتی کے) عہد کو توڑ دیا، لہٰذا اس کو قتل کردو۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس حدیث کے ابتدائی حصہ کو تو ''کنز العمال'' میں ج:۶ ص:۲۹۴ پر امالی ابوالحسن بن رملہ اصفہانی سے روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح بتلایا ہے، اور دوسرے حصہ کو ص:۲۳۹ پر اس شخص کے حق میں قرار دیا ہے جو کسی خاص نبی کی نبوت کی تکذیب کرے، اور اس بنا پر سب وشتم کرے کہ وہ نبی نہیں ہے، چنانچہ دیکھو ''فقد کذب رسول اللہ'' کے الفاظ اس پر شاہد ہیں۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: غالباً (اس ذمی کے) اس لفظ کا مطلب کہ:

''وہ نبی نہیں ہے۔'' یہ ہے کہ ''وہ ہمارا نبی نہیں ہے، اس کو ہماری ہدایت کے لئے نہیں بھیجا گیا۔''

اسی ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' میں ص:۲۸۳ پر حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''(شاتم رسول کے کفر و ارتداد کی) چھٹی دلیل، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال اور فیصلے ہیں، یہ اقوال شاتم رسول کے قتل کے متعین ہونے کے بارے میں نص قطعی ہیں، مثلاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی شان میں، یا انبیاءؑ علیہم السلام میں سے کسی بھی نبی کی شان میں سب وشتم کرے اس کو قتل کر ڈالو۔'' حضرت عمرؓ نے (اس قول میں) اس کے قتل کو متعین کردیا۔ مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ کہ: ''جس غیر مسلم معاہد (ذمی) نے عناداً اللہ تعالیٰ کی شان میں، یا انبیاؑ علیہم السلام میں سے کسی بھی نبی کی شان میں سب وشتم، یا علانیہ گستاخی کی، اس نے خود عہد (امان) کو توڑ دیا، لہٰذا اس کو قتل کردو۔'' تو دیکھو ابن عباسؓ نے ہر اس شخص کو قتل کردینے کا فتویٰ متعین طور پر دے دیا جو کسی بھی خاص نبی کی ذات پر سب وشتم کرے۔ یا مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان جو انہوں نے مہاجر کو اس عورت کے بارے میں لکھا تھا جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں سب و شتم کیا تھا کہ: ''اگر تم خود پہلے فیصلہ نہ کرچکے ہوتے تو میں تم کو اس عورت کے قتل کردینے کا حکم دیتا، اس لئے کہ انبیاؑ علیہم السلام کی (شان میں گستاخی کرنے والے کی) سزا عام سزاؤں کی مانند

نہیں ہوتی، لہٰذا جو مسلمان اس جرم کا ارتکاب کرے وہ مرتد ہے، اور جو غیر مسلم معاہد (ذمی) اس جرم کا ارتکاب کرے وہ عہد شکن اور محارب ہے (اس کی جان و مال دونوں مباح ہیں)۔"

مصنف علیہ الرحمۃ حاشیہ میں فرماتے ہیں: "زاد المعادؔ" میں فتح مکہ کے احکام میں، اور رسول اللہ کے فرامین میں بھی یہی حکم مذکور ہے۔

حافظ موصوف علیہ الرحمۃ ص:۲۴۳ پر فرماتے ہیں:

"پس معلوم ہوا کہ انبیاؑ علیہم السلام کی شان میں سب وشتم اور گستاخی تمامتر کفریات کا سرچشمہ اور تمامتر گمراہیوں کا منبع ہے، جیسا کہ انبیاؑعلیہم السلام پر ایمان وتصدیق دین وایمان کی تمامتر شاخوں کی جڑ، بنیاد اور تمامتر وسائل ہدایت کا منبع ہے۔"

کسی نبی کی شان میں دوسرے کی دی ہوئی گالیوں اور گستاخیوں کے نقل کرنے کا حکم:

حضرت مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شاتم رسول کبھی سب وشتم کا یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ (خود گالیاں دینے کے بجائے) دوسرے شخص کی دی ہوئی گالیوں کو نقل کرتا ہے، اور یہ محض ایک فریب اور دھوکا ہوتا ہے کہ اس طرح وہ اپنا بچاؤ بھی کرلیتا ہے، اور سب وشتم کا خوب پروپیگنڈا اور اشاعت بھی کرلیتا ہے، اور اس کا مقصد پورا ہوجاتا ہے، یہ دراصل چھپا ہوا کفر ہے، جو چھپا نہیں رہتا، بلکہ اس کی سبقت لسانی اور قلبی زہرافشانیوں سے ظاہر ہوجاتا ہے، اور یہ اس کے دل میں گھر کئے ہوئے روگ اور دیرینہ مرض (کفر ونفاق) کا نتیجہ ہوتا ہے، جو اس کے دل وجگر اور سینہ وشکم کو تباہ کرڈالتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ "الصارم المسلول" میں ص:۲۲۵ پر فرماتے ہیں:

''احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تتبع سے اس کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی، مثلاً بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ والی مشہور و معروف روایت، جس میں مروی ہے کہ اس کا بھائی (جو کافر تھا) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آیا اور کہا کہ: ''میرے پڑوسی کس جرم کی پاداش میں پکڑے گئے ہیں؟'' (اس گستاخانہ انداز بیان کو دیکھ کر) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، تو اس پر کہتا ہے: ''لوگ کہتے ہیں کہ تم اوروں کو تو گمراہی و کجراہی سے منع کرتے ہو، اور خود اس کجراہی (اور ظلم) کو اختیار کرتے ہو۔'' تو حضورؐ نے فرمایا: اگر میں ایسا کرتا ہوں گا، تو اس کا خمیازہ خود مجھے بھگتنا پڑے گا، لوگوں کو نہیں۔'' اور صحابہؓ سے فرمایا کہ: ''اس کے پڑوسیوں کو رہا کردو۔'' ابوداؤد نے بسند صحیح اس حدیث کو روایت کیا ہے، تو دیکھئے! بظاہر تو یہ شخص لوگوں کی جانب سے اس بہتان کو نقل کرتا ہے، مگر (درحقیقت) اس کا مقصد خود آپؐ کی توہین کرنا، ان الفاظ سے حضورؐ کی دل آزاری کرنا اور ایذا پہنچانا ہے، (نہ کہ کہنے والوں کی بہتان تراشی کی خبر دینا یا تردید کرنا)۔ غرض کسی کو گالیاں دینے کا یہ بھی ایک ڈھنگ ہے (عربی میں اس کو ''تعریض'' کہتے ہیں، یعنی دوسروں پر رکھ کر بات کہنا)۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''مسند احمد'' کی ایک روایت کے الفاظ تو یہ ہیں (جو اوپر نقل کئے گئے)، دوسری روایت کے الفاظ یہی ہیں:

''انک تنھیٰ عن الشر وتستخلی بہ.''

ترجمہ:...... ''آپؐ دوسروں کو تو شر و فساد سے روکتے

ہیں اور خود شر و فساد کو اختیار کرتے ہیں، (یعنی ''غی'' کے بجائے ''شر'' کا لفظ ہے)۔''

''کنز العمال'' میں ج:۴ ص:۴۶ پر (عن عب) بھی انہی الفاظ کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے، ''الصارم المسلول'' میں ص:۵۲۷ پر حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہمارے مشائخ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ کی شان میں بطور تعریض سب وشتم کرنا بھی کفر وارتداد ہے، اور اس کی سزا بھی قتل ہے (جیسے صراحتاً سب وشتم رسول کی سزا قتل ہے)۔''

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے دلائل و براہین سے اس کو ثابت کیا ہے، اور تعریض کی متعدد مثالیں بھی بیان کی ہیں، اور ایسے شخص کے ارتداد (وقتل) پر انہوں نے امت کا اجماع نقل کیا ہے۔

نیز ص:۵۵۹ پر فرماتے ہیں:

''اس سے قبل ہم امام احمدؒ کی تصریح نقل کرچکے ہیں کہ جو شخص رب العالمین کی شان میں بطور تعریض بھی کسی برائی کا ذکر کرے گا، اس کو قتل کردیا جائے گا، چاہے مسلمان ہو چاہے کافر (کسے باشد)، اسی طرح ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا، یا اس کے دین کا، یا رسول کا، یا کتاب کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرے گا، خواہ صراحتاً ہو، خواہ کنایتاً دونوں کا حکم ایک ہے (کہ اس کو کافر و مرتد قرار دیا جائے گا) یہی حکم ''تعریض'' کا ہے۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے امام احمدؒ کا یہ قول متعدد

مقامات پر نقل کیا ہے (ص:۵۲۷، ۵۳۶، ۵۵۰، ۵۶۳ اور ۵۵۳ پر)، جبکہ ثابت ہوگیا کہ ہر سبّ و شتم، خواہ صراحتاً ہو، یا کنایتاً، موجب کفر و قتل ہے، الخ۔

اسی مسئلہ سے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباری'' میں ج:۱۲ ص:۲۸۴ پر فرماتے ہیں:

''خطابیؒ کہتے ہیں: اگر کسی شخص نے تعریضاً بھی کوئی گستاخی (اللہ تعالیٰ کی، یا اس کے کسی نبی کی شان میں) کی، تو میرے علم میں ایسے شخص کے قتل کے واجب ہونے میں علمأ کے اندر مطلق اختلاف نہیں، جبکہ وہ مسلمان ہو۔''

قاضی عیاض رحمہ اللہ ''شفا'' میں فرماتے ہیں:

''ابن عتاب کا قول ہے کہ: قرآن و حدیث کی نصوص واجب قرار دیتی ہیں کہ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذرا بھی اذیت پہنچانے کا، یا ذرا بھی آپؐ کی توہین و تذلیل کا قصد کرے، صراحتاً ہو یا کنایتاً اس کو قتل کردینا فرض ہے۔''

اسی ''شفا'' اور اس کی شرح ''نسیم الریاض'' للخفاجی میں ص:۴۵۹ پر لکھا ہے:

''اگر دوسروں کی طرف سے سب و شتم کرنے والے پر یہ الزام ثابت ہوجائے کہ:

۱:...... یہ گالیاں خود اسی شخص کی ساختہ پرداختہ ہیں، اور (سزا سے بچنے کے لئے اس نے) دوسروں کی طرف منسوب کردیا ہے۔

۲:...... یا یہ اس شخص کی عادت ہو کہ وہ بکثرت ایسی گستاخانہ باتیں خود کہتا ہو، اور دعویٰ کرتا ہو کہ: ''میں دوسروں کا قول نقل کرتا ہوں۔''

۳:......یا ان گستاخانہ ہرزہ سرائیوں کے وقت اس کی حالت سے ظاہر ہوتا ہو کہ اسے یہ باتیں اچھی لگتی ہیں، اور یہ اس میں کوئی برائی نہیں محسوس کرتا۔

۴:......یا وہ اس قسم کی توہین و تذلیل کا دلدادہ و فریفتہ ہو، اور اس کو معمولی بات سمجھتا ہو، اور ممنوع نہ جانتا ہو۔

۵:......یا وہ اس جیسی گستاخانہ باتوں کو خاص طور پر یاد کرتا ہو (اور یہ اس کا محبوب مشغلہ ہو)۔

۶:......یا وہ ایسی باتوں کی تلاش و جستجو میں رہتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہے ہوئے ''ہجویہ'' اشعار اور سب و شتم کے قصے عموماً روایت کیا کرتا ہو۔

تو ان تمام صورتوں میں اس نقل کرنے والے کا وہی حکم ہے جو خود ہجو اور سب و شتم کرنے والے کا ہے کہ اس پر مواخذہ کیا جائے گا، اور (جو اس جرم کی سزا ہے، وہ دی جائے گی) اور دوسروں کی طرف منسوب کرنا اس کے لئے مفید نہ ہوگا، اور جلد از جلد اس کو قتل کرکے جہنم رسید کردیا جائے گا۔''

اسی ''شفا'' اور اس کی شرح میں ج:۴ ص:۴۵۹ پر قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں:

''فصل! چھٹی صورت (سب و شتم رسول کی) یہ ہے کہ وہ (سب و شتم کرنے والا) ان گستاخانہ باتوں کو دوسروں سے نقل کرے اور ان کی جانب منسوب کرے تو اس شخص کے اندازِ نقل اور گفتگو کے قرائن کو دیکھا جائے گا، اور ان کے اعتبار سے حکم ہوگا (یعنی اگر قرائن سے ثابت ہو کہ دوسروں کا نام لینا

محض اپنے بچاؤ کے لئے ہے، یا اس کو خود اس میں مزا آتا ہے، یا یہ اس کا محبوب مشغلہ ہے، تو اس کو اس سب وشتم کا مجرم قرار دے کر قتل کردیا جائے گا، اور اگر قرائن وتحقیق سے ثابت ہو کہ واقعی یہ دوسروں کا بیان ہے، اور یہ شخص محض ناپسندیدگی کی وجہ سے نقل کر رہا ہے تو قتل تو نہ کیا جائے گا، مگر کسی اور مناسب سزا یا تنبیہ پر اکتفا کیا جائے گا)۔“

اسی ”شفا“ میں لکھا ہے:

”مجمع علیہ امور کو بیان کرنے والے مصنّفین میں سے بعض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں کہے ہوئے اشعار کے روایت کرنے، لکھنے، پڑھنے، یا جہاں وہ اشعار ملیں ان کو بغیر مٹائے چھوڑ دینے کی حرمت پر تمام مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے۔“

نیز لکھتے ہیں:

”ابوعبیدہ قاسم بن سلامؒ نے کہا ہے کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں کہے ہوئے اشعار کا ایک مصرعہ بھی پڑھنا یا یاد کرنا کفر ہے۔“ نیز قاسمؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کتابوں میں اس ہستی کا نام لینے کے بجائے جس کی ہجو میں اشعار کہے گئے ہیں، اس کا ہم وزن کوئی اسم بطور کنایہ ذکر کیا ہے، (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی کے علاوہ بھی کسی آپ کے ہم نام شخص کے حق میں کہے ہوئے ہجویہ اشعار کو اس کا نام لے کر ذکر نہیں کیا، بلکہ نام کی جگہ کوئی اور ہم وزن اسم رکھ لیا ہے)۔“

مرزا قادیانی علیہ ما علیہ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جناب میں کی ہوئی پُر فریب توہین و تذلیل اور گستاخیاں:

حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ لعین قادیانی جہاں کہیں اس کی تحریر میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ آجاتا ہے تو یہ غصہ میں آگ بگولا اور آپے سے باہر ہوجاتا ہے، اور ان کی ذات گرامی پر طرح طرح سے طعن و تشنیع، عیب چینی و عیب جوئی میں اس کا قلم بالکل بے لگام ہوجاتا ہے، اور دل کھول کر ان کو گالیاں دیتا (اور اپنے دل کی بھڑاس نکالتا) ہے، اور ان کی ہجو اور توہین و تذلیل میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتا، اور پھر پوری طرح دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد اپنے بچاؤ کے لئے کوئی ہلکا سا کلمہ جو محسوس بھی نہ ہو، کہہ جاتا ہے، مثلاً: ''عیسائیوں کے بیان کے مطابق'' (مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ تمام توہین و تذلیل میں نہیں کر رہا ہوں، بلکہ خود عیسائی یہ کہتے ہیں، اور ان کی کتابوں میں یہ لکھا ہے) حالانکہ سلسلہ بیان میں اپنی طرف سے مثلاً یہ کہہ کر کہ: ''حق یہ ہے کہ عیسیٰ مسیح سے کوئی معجزہ ظاہر ہی نہیں ہوا، انہیں تو صرف مسمریزم آتا تھا''، یا یہ کہ: ''عیسیٰ کی بدقسمتی سے وہاں ایک حوض تھا، جس سے لوگ پانی لاتے تھے'' (گویا اس حوض نے ان کے معجزہ کی پول کھول دی)، اس تمام ہرزہ سرائی کی تصدیق و تائید کردیتا ہے اور اس پر ''والحق ان عیسیٰ لم یصدر عنه معجزة'' کہہ کر اپنی مہر تصدیق ثبت کردیتا ہے کہ میری بھی تحقیق یہی ہے۔ اس دیسیسہ کاری کے باوجود اس مردود کے پیرو کہتے ہیں کہ: ''مرزا نے حضرت عیسیٰ کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی ہے، انہوں نے تو عیسائیوں کی تردید اور ان پر الزام عائد کرنے کے لئے لکھا ہے، جو کچھ لکھا ہے، اور انہیں کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔'' (اور نقل کفر کفر نباشد) حالانکہ دوسرے علمائے حق عیسائیت کی تردید میں بحث کا آغاز اس طرح کرتے ہیں کہ: ''عیسائیوں کی تمام آسمانی

کتابیں محرف ہیں، اس لئے کہ ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایسی ایسی باتیں لکھی ہیں جو عصمت نبوت کے منافی اور قطعاً غلط ہیں۔'' اس کے برعکس یہ بے دین، بد بخت بحث کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ناکامی و نامرادی سے شروع کرتا ہے، اور خوب بڑھا چڑھا کر اس کی اشاعت اور پروپیگنڈا کرتا ہے اور اس میں اپنا تمام زورِ قلم صرف کر دیتا ہے، یہی فریب کاری کا مرض اس کے مردود پیروؤں میں سرایت کر گیا ہے، وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہجو میں مستقل کتابیں تصنیف کرتے ہیں، اور ان کو عیسائیوں میں نہیں بلکہ مسلمانوں میں خوب شائع کرتے ہیں، اور ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت اور ان کے نزول کا اشتیاق و انتظار، مسلمانوں کے دلوں سے نکل جائے، اور وہ اسی گستاخ، دریدہ دہن مردود کو (خدا اسے دو جہاں میں رسوا کرے) عیسیٰ مان لیں، حالانکہ علمائے حق اس پر متفق ہیں (جیسا کہ مذکورہ بالا اقتباسات سے واضح ہے) کہ انبیا علیہم السلام کی شان میں گستاخی و بے باکی اگرچہ سب و شتم اور توہین و تذلیل کی نیت سے نہ بھی ہو، تب بھی کفر و ارتداد ہے، اور مؤمن کی شان سے قطعاً بعید ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل! (اللہ تعالیٰ ہی ''حق'' فرماتے ہیں، اور وہی راہِ حق پر چلاتے ہیں)۔

قصیدہ

از حضرت مصنف نور اللہ مرقدہ

داد و بیداد[1]

الا یا عباد اللہ قوموا وقوِّموا
خطوبا اَلَمَّت ما لھن یدان

ترجمہ:...... ''سنو! اے خدا کے بندو! کھڑے ہوجاؤ اور ان فتنوں کا مقابلہ کرو جو دین پر چھاگئے ہیں، اور عام دسترس سے باہر ہیں۔''

وقد کاد ینقَضّ الھُدیٰ ومنارہ
وزحزح[2] خیر ما لذاک تدانِ

ترجمہ:...... ''اور قریب ہے کہ (ان فتنوں کے حملوں سے) قصر ہدایت اور اس کی روشنی کا منارہ منہدم ہوجائے، اور خیر (و صلاح) کی بنیادیں ہل جائیں، جس کا پھر کوئی تدارک بھی نہ ہو۔''

---

(۱) امام العصر حضرت مصنف رحمہ اللہ نے اس قصیدے کا نام ''صدع النقاب عن جساسۃ الفنجاب'' رکھا ہے۔

(۲) لغت میں ''زحزح'' لازمی بھی منقول ہے۔

یسب رسول من اولی العزم فیکم
فکاد السما[1] والارض تنفطران

ترجمہ:......''ایک جلیل القدر نبی (عیسیٰ علیہ السلام) کو تمہارے سامنے گالیاں دی جارہی ہیں (اور تم ٹس سے مس نہیں ہوتے) قریب ہے کہ (قہر الٰہی سے) آسمان و زمین پھٹ پڑیں۔''

وطَهَّره من اهل کفر ولیُّه
وابقی لنارٍ بعضَ کفر اَمَانی

ترجمہ:......''حالانکہ اس نبی کے مولیٰ جل شانہ نے اس کو (دشمنوں اور منکروں کے اتہامات سے) پاک کردیا ہے، اور صرف ہوا پرستوں کی آرزوؤں کا کفر، جہنم کے لئے چھوڑ دیا ہے (کہ وہ نبی اور مسیح موعود بننے کی ہوس کی بدولت جہنم رسید ہوں)۔''

وحارب قوم ربَّهم ونبیَّهٗ
فقوموا لنصر اللہ اذ هو دانٍ

ترجمہ:......''اور (تم میں کی ہی) ایک قوم (مرزائیوں) نے اپنے رب اور اس کے نبی سے جنگ چھیڑ رکھی ہے، پس (اے خدا پرستو!) تم اللہ کی مدد پر بھروسہ کرکے کھڑے ہوجاؤ کہ وہ اللہ کی مدد بہت قریب ہے (صرف تمہارے کھڑے ہونے کی دیر ہے)۔''

---

(۱) قاموس میں ''سما'' بغیر ہمزہ کو اسم جنس بتلایا ہے۔

وقد عِيل صبری فی انتهاک حدوده
فهل ثمَّ داع مجيب اذانی

ترجمہ:...... ''حدود اللہ کی بے حرمتی ہوتے دیکھ کر صبر کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے، پس اے قوم! ہے (تم میں) کوئی حمایت دین کے لئے دعوت دینے والا، یا میری دعوت پر لبیک کہنے والا؟''

واذ عزَّ خطبٌ جئتُ مستصرخًا بكم
فهل ثمَّ غوث يا لقومِ يُدانی

ترجمہ:...... ''جب مصیبت انتہا کو پہنچ چکی تب میں تم سے مدد مانگنے آیا ہوں، پس اے میری قوم! ہے تم میں کوئی فریاد رس جو میرے قریب آئے (اور ساتھ دے)۔''

لَعمری لقد نَبَّهت من كان نائما
واسمعت من كانت له اُذنان

ترجمہ:...... ''قسم ہے زندگی کی! بخدا میں سوتے ہوؤں کو جگا رہا ہوں، اور جن کے کان ہیں ان کو (یہ درد بھری داستان) سنا رہا ہوں۔''

وناديت قوما فی فريضةِ ربّهم
فهل من نصير لی من اهل زمان

ترجمہ:...... ''اور میں نے ایک (بے خبر) قوم کو ان کے رب کا (عائد کردہ) فرض یاد دلانے کے لئے پکارا ہے، پس کیا اس زمانہ کے لوگوں میں کوئی میرا مددگار ہے؟''

دَعُوا کُلَّ امرٍ واستقیموا لمادھی
وقد عاد فرض العین عند عیانِ

ترجمہ:......''ہر کام کو چھوڑ دو اور جو مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا ہے اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہوجاؤ، اس لئے کہ اس فتنہ کا مقابلہ اہل بصیرت کے نزدیک فرضِ عین ہوگیا ہے۔''

فشَانِئُی شان الانبیاء مکفَّرٌ
ومن شک قل ھٰذا لاوّلِ ثانِ

ترجمہ:......''اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں گستاخی کرنے والا قطعاً کافر ہے، اور جو اس میں شک کرے وہ اس پہلے کافر کا بھائی دوسرا کافر ہے (یعنی وہ بھی کافر ہے)۔''

ولیس مدارا فیہ تبدیل ملۃ
وتُحبِطُ اَعمالَ البذیّ مجانی

ترجمہ:......''اِس تکفیر کا مدار تبدیل مذہب کے ارادے پر نہیں ہے، اس لئے کہ (انبیاء علیہم السلام میں سے) ایک کو گالیاں دینے والے کے تمام اعمال و افعال کو اس کی کفریہ بکواس (گالیاں) باطل کردیتی ہے۔''

افی ذکرہ عیسیٰ یطیش لسانہ
ولا یبصر المرمیٰ من الخیمان

ترجمہ:......''کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں ہی اس کی زبان (بے لگام اور) آپے سے باہر ہوجاتی ہے (اور ایسا اندھا ہوجاتا ہے کہ نشان تیر (ہدف) اور اپنے موقف میں تمیز نہیں کرسکتا (اور جا و بے جا طعن و تشنیع کے تیر چلانا اور

پتھر برسانا شروع کردیتا ہے، چاہے ان کا نشانہ خود ہی بن جائے)۔"

واکفَرُ منہ من تنبأ کاذبا
وکان انُتھتُ ما امکَنَتُ بمکان

ترجمہ:......"اس (شاتم رسول) سے بھی بڑھ کر کافر وہ جھوٹا ہے جو (خود کو نبی کہتا اور) نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، حالانکہ نبوت اپنے مقام پر پہنچ کر (یعنی خاتم الانبیاءؑ علیہ السلام پر) ختم ہوچکی ہے۔"

ومن ذَبَّ عنہ او تأوّل قولہٗ
یُکَفَّر قطعا لیس فیہ توانی

ترجمہ:......"اور جو کوئی اس (مدعی نبوت) کی طرفداری کرے، یا اس کے قول (دعوے) کی کوئی تاویل کرے، وہ بھی قطعاً کافر ہے، اس (حکم) میں کوئی توقف یا تردد نہیں (کیا جاسکتا)۔"

کانی بکم قد قلتُمُوا لم کفرہ؟
فَھاکم نقولا جُلِّیت لِمُعانِ

ترجمہ:......"گویا تم (بزبان حال میرا گریبان پکڑ کر) مجھ سے کہہ رہے ہو کہ یہ کافر کیوں ہے؟ لو میں تمہارے سامنے ایسے اقوال (دلائل) پیش کرتا ہوں جو آنکھوں والوں کے لئے روز روشن کی طرح واضح ہیں۔"

فما قولکم فیمن حمآ مثل ذٰلِکم
مسیلمۃَ الکذّاب اھل ھوان

ترجمہ:......''(اگر تم اس کی ایسی ہی حمایت پر تلے ہوئے ہو) تو پھر اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جو رسوائے زمانہ مسیلمہ کذاب کے حق میں اسی طرح کی حمایت (اور تاویلیں) کرے، جیسی تم اس کے حق میں کرتے ہو۔''

فقال له التاویلُ او قال لم یکن
نبیا هو المهدیُّ لیس بجانٍ

ترجمہ:......''چنانچہ کہے کہ مسیلمہ کے دعویٔ نبوت کی تاویل (ہوسکتی) ہے، یا کہے کہ مسیلمہ نبی نہیں، وہ تو مہدی تھا (اس لئے) وہ مجرم (اور دعویٔ نبوت کا مرتکب) نہیں ہے۔''

وهل ثَمَّ فرق یستطیع مکابِرٌ
وحیث ادَّعیٰ فلیأتنا ببیانٍ

ترجمہ:......''اور کیا کوئی زبردستی کرنے والا منہ زور ان دونوں میں کوئی فرق کرسکتا ہے، اور اگر کوئی فرق کا دعویٰ کرے تو ہمارے سامنے ثبوت پیش کرے۔''

وکان علی احداثه وجهُ کفره
تَنَبّأَهُ مشهورَ کل مکانٍ

ترجمہ:......''حالانکہ ہر زمانہ میں مسیلمہ کذاب کی تکفیر کا موجب (متفقہ طور پر) اس کا دعویٔ نبوت ہی مشہور و معروف رہا ہے، باوجودیکہ مسیلمہ میں اور بہت سے مفتریات بھی موجود تھے۔''

کذا فی احادیث النبی وبعده
تَواتَر فیما دانه الثقلانٍ

ترجمہ:......''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے (کہ مسیلمہ کے کفر کا موجب نبوت کا دعویٰ ہے) اور آپؐ (کی وفات) کے بعد اس تواتر سے بھی یہی ثابت ہے جس کو جن وانس حجت مانتے ہیں۔''

فان لم یکن اوقد وجوہ لکفرہ

فاسیرھا دعواہ تلک کمانی

ترجمہ:......''مسیلمہ کے کفر کے اور اسباب تھے یا نہ تھے، لیکن اب تو تمام (دنیا کے نزدیک) اس کے کفر کی وجہ ''مانی'' کی طرح اس کا دعویٰ نبوت ہی ہے (یعنی جیسے دنیا مانتی ہے کہ ایران کے ''مانی'' کے کفر کا سبب دعویٰ نبوت ہے، ایسے ہی مسیلمہ کذاب کے کفر کا سبب بھی اس کا دعویٰ نبوت ہے)۔''

واولُ اجماع تحقّق عندنا

لفیہ باکفار وسبی عوانی

ترجمہ:......''اور ہماری تحقیق کے مطابق امت کا سب سے پہلا اجماع مسیلمہ کذاب کی تکفیر پر اور اس کے (قبیلے کے) قیدیوں (عورتوں اور بچوں) کو قیدی غلام بنانے پر منعقد ہوا ہے۔''

وکان مقراً بالنبوۃ مُعلنا

لخیر الوریٰ فی قولہ واذان

ترجمہ:......''حالانکہ مسیلمہ بھی نبی خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا معترف تھا، اور آپؐ کے نبی ہونے کا اپنی عام گفتگو میں اقرار اور اذان میں اعلان بھی کرتا تھا (اس کے

باوجود اس کو کافر کہا گیا)۔"

وما قولکم فی العیسویّة اوّلوا
رسولا لِامّیین خیر کبانِ

ترجمہ:......"اور پھر "عیسوی" فرقہ کے بارے میں تمہارا کیا فتویٰ ہے، جو یہ تاویل کرتے ہیں کہ خیرالکائنات محمد رسول اللہ تو ضرور ہیں، مگر صرف عربوں کے لئے ہیں (ہمارے اور تمام دنیا کے لئے نہیں)۔"

وهل ثمّ ما لا فیه تاویل ملحد
ومن حجر التاویل رَمْیَ لسان

ترجمہ:......"اور کیا دنیا میں کوئی بھی ایسا عقیدہ باطل ہے جس کی کسی ملحد نے تاویل نہ کی ہو؟ اور تاویل کی زبان درازی کو کون روک سکتا ہے؟ (اور مؤول کی زبان کون بند کرسکتا ہے؟)۔"

وهل فی ضروریات دینٍ تاوّل
بتحریفها الاّ ککفر عیانِ

ترجمہ:......"اور کیا ضروریاتِ دین میں ایسی تاویل جو تحریف کے مرادف ہو، کھلے ہوئے کفر کی مانند نہیں ہے؟"

ومن لم یکفر منکریها فانّه
یجرُّ لهٗ الانکار یستویان

ترجمہ:......"اور (یاد رکھو) جو کوئی ضروریاتِ دین کے منکر کو کافر نہ کہے، وہ اس انکار کو خود اپنے سر لیتا ہے، اور بغیر کسی فرق و امتیاز کے خود کافر ہے، (کسی کافر کو کافر نہ کہنا، خود کفر

ہے)۔"

وما الدین الا بیعة معنویَّة
وما ھو کالانساب فی السَّرَیَان

ترجمہ:......"دین تو درحقیقت ایک معنوی بیعت ہے (جب تک کوئی اس بیعت پر قائم ہے دین میں داخل ہے، اور جہاں اس بیعت کو توڑا دین سے خارج ہوگیا) دین، نسب کی طرح کوئی نسلی علاقہ نہیں ہے کہ بہرصورت قائم رہے (اور مسلمان کی اولاد مسلمان ہی رہے، چاہے کچھ بھی کرے)۔"

فانَّھم لا یُکْذِبونک فاتلُھا (۱)
ولٰکن بآیاتٍ مآلَ معانی

ترجمہ:......"(اگر یقین نہ آئے تو) آیت: "فَاِنَّھُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ." پڑھ لو، (دیکھو) حقائق و معانی کا مدار آیات الٰہیہ پر ہے، (یعنی جو آیات الٰہیہ کا انکار کرے وہ کافر ہے، اگرچہ وہ براہِ راست نبی کو جھوٹا نہ بھی کہے، جیسا کہ اس آیت کریمہ سے ظاہر ہے کہ: "اے نبی! وہ تجھ کو تو جھوٹ کی جانب منسوب نہیں کرتے (یعنی جھوٹا نہیں کہتے) لیکن یہ ظالم، اللہ کی آیات (واحکام) کا انکار کرتے ہیں۔ (اس لئے کافر اور جہنمی ہیں)۔" (واضح ہو کہ یہ شعر اس قرأت پر مبنی ہے جس میں "یُکْذِبون" آیا ہے، جو "اَکْذبه نسبه اِلی الکذب" سے ماخوذ ہے)۔"

---

(۱)منْ الاکذاب فی قرأة اخرج الترمذی والحاکم فی شان نزوله.

تنبأ ان لا يُمتَرىٰ ببطالة
كحجّام ساباطٍ صريعُ غوانٍ

ترجمہ:...... ''اس حسین نازنینوں کے دلدادہ قادیانی نے نبوت کا دعویٰ صرف اس لئے کیا ہے کہ (اس کی عشق ومحبت کی رنگ رلیوں کو دیکھ کر) اس کے متعلق بے کاری کا شبہ نہ کیا جائے، جیسے ساباط کا حجام (کہ وہ بے کاری کے الزام سے بچنے کے لئے اپنی ماں کی حجامت بنانے بیٹھ جایا کرتا تھا کہ اسے کوئی بے کار نہ کہے، یعنی اس قادیانی مرزا نے صرف اپنی بدکاریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اس لئے کہ نبی کو معصوم سمجھا جاتا ہے، کہ لوگ اس کو نبی معصوم سمجھ کر اس کی بدکاریوں سے درگزر کریں ''بدکار'' نہ کہیں، جیسے شہر ساباط کے ایک حجام کی عادت تھی کہ جب کوئی گاہک نہ ہوتا تو چوراہے پر اپنی ماں ہی کی حجامت بنانے بیٹھ جاتا تھا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ بے کار بیٹھا رہتا ہے، اس کے پاس کوئی گاہک نہیں آتا، اناڑی ہے)۔''

ومعجزه منكوحة فلكيّة
يصادفها فى رقية الكَرَوَانِ

ترجمہ:...... ''چنانچہ اس نے منکوحۂ آسمانی کو اپنا معجزہ قرار دیا کہ کسی طرح اس ''کرواں'' کے منتر سے اسے رام کرلے، (یعنی جس طرح عرب کے لوگ کونج کو ''اطرق کریٰ اطرق کریٰ ان النعامة فی القریٰ'' کا منتر پڑھ کر آسانی سے شکار کرلیتے تھے، اسی طرح بوالہوس مرزا قادیانی نے محمدی بیگم کو

منکوحہُ آسمانی اور اپنی نبوت کا معجزہ قرار دے کر اپنے دام ہوس میں گرفتار کرنا چاہا، لیکن واحسرتا! کہ وہ نیک بی بی اور اس کے والدین اس دام فریب میں بھی نہ آئے اور آخر مرزائے لعین اس کے وصال کی حسرت دل میں لے کر ہی جہنم رسید ہوا)۔"

وَمَنّٰی له الشیطان فیها بوحیه

رفاءً ووصلا خِطبة وتهانی

ترجمہ:......"(ادھر) شیطان نے بھی اس کو اپنی شیطانی وحی سے خوب خوب آسائش نامہ و پیغام، وصل وصال، تہنیت و مبارک باد کی آرزوؤں کا سبز باغ دکھایا تھا (یعنی محمدی بیگم سے نکاح کے باب میں بہت سی وحیں بھی اس پر نازل ہوئی تھیں، مگر وہ سب وحیں شیطانی تھیں، اس لئے جھوٹی نکلیں اور ایڑی چوٹی کا زور لگالینے کے باوجود نکاح نہ ہوسکا)۔"

یَهُمّ بامر العیش لو یستطیعه

وقد حیل بین العیر والنزوان

ترجمہ:......"اس کا تو واحد مقصد عیش کوشی اور ہوس رانی تھا، اگر اس کا یہ مقصد پورا ہوجاتا، مگر ہوا یہ کہ حمار وحشی کو جفتی سے روک دیا گیا، (یعنی محمدی بیگم نے اس قادیانی مرزا کی بیوی بننے سے انکار کرکے اس کی ہوس رانی کی آرزوؤں پر پانی پھیر دیا)۔"

ففضحه رب السماء بحوله

وقُوّته والله فیه کفانیَ

ترجمہ:......"اور اس تدبیر سے رب العالمین نے اس

جھوٹے مدعیٔ نبوت کو اپنی طاقت و قدرت سے خوب خوب رسوا کیا، اور اس فرض سے ہمیں سبکدوش کردیا (یعنی ہمیں اس کو جھوٹا ثابت کرنے کی زحمت سے بچایا، خود اس کی زبان سے اس کی پیش گوئیوں سے ہی اسے جھوٹا ثابت کردیا)۔"

وکانَ ادَّعیٰ وحیا سنین عدیدة
فجاء یُحاکی فعلة الظربانٖ

ترجمہ:...... "یہ جھوٹا (اسی طرح) چند سال تک وحی نازل ہونے کا دعویٰ کرتا رہا اور ایک بدبودار جانور کی طرح اپنی بدبو (یعنی جھوٹی وحی) سے مسلمانوں کا دماغ پریشان کرتا رہا (ظربان ایک بدبودار جانور ہے، بلی کے مشابہ)۔"

ودَلّاه شیطاناه فی ذاک بُرهة
ولم یدر شیطانانٖ لا یفیان

ترجمہ:...... "اور اس کے دونوں شیطانوں نے عرصہ دراز تک اس فریب اور دھوکے میں اس کو لٹکائے رکھا کہ یہ وحی ہے، مگر اس بے وقوف کو پتہ نہ تھا کہ اتنی عظیم گمراہی کو پھیلانے کے لئے دو شیطان کافی نہیں ہوسکتے (یہ دونوں شیطان خلیفہ نور الدین اور حکیم احمد حسن امروہی، مرزا کی وحیوں کے مصنف ہیں)۔"

واُخرّا وهذا بذریته یُریٰ
فهلّا عریٰ اصل النبوة ذانٖ

ترجمہ:...... "یہ دونوں شیطان خود تو پس پردہ رہے اور مرزا اور اس کی ذریت کو آگے کردیا (اور نبوت کا دعویٰ کرادیا)،

اگر ہمت تھی تو یہ دونوں خود مدعی نبوت بن کر کیوں سامنے نہ آئے؟''

وآتهم لما لم يُمت بشروطه
رجوعا الى الحقِ ادَّعیٰ برِهان

ترجمہ:...... ''اور جب عیسائی پادری ''آتھم'' مرزا کی پیش گوئی کے مطابق نہ مرا تو اس کے متعلق ''حق کی جانب رجوع کر لینے'' کی بازی لگادی، (یعنی کہنے لگا کہ میں شرط لگاتا ہوں کہ آتھم نے حق کو یعنی میری نبوت کو مان لیا ہے، اسی لئے نہیں مرا ہے)۔''

وسماه ايضا مرة بسقوطه
لهاوية هل ذان يجتمعان

ترجمہ:...... ''حالانکہ ایک مرتبہ اس کے جہنم میں گرنے کا نام بھی لے چکا تھا، (اور جہنم رسید ہونے کی پیش گوئی کر چکا تھا) کیا یہ دونوں متضاد پیش گوئیاں جمع ہوسکتی ہیں؟ (یعنی ایک طرف اس کے کافر اور جہنم رسید ہونے کی پیش گوئی کرتا ہے، اور دوسری طرف اس کے حق کو مان لینے اور اپنی نبوت پر ایمان لے آنے کی وجہ سے موت سے بچنے کی خبر دیتا ہے، بالفاظ دیگر آتھم ایک پیش گوئی کے مطابق کافر اور جہنمی ہے، اور دوسری پیش گوئی کے مطابق مؤمن ہے اور ناجی، یہ کھلا ہوا تضاد ہے، اس لئے یقیناً ان دونوں میں سے ایک پیش گوئی ضرور جھوٹی ہے، سچ کہا ہے کسی نے کہ: ''جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے'')۔''

ویوجد فی الوقت المعانی للُغیٰ
اذا خانه است لم یطق لِضمان

ترجمہ:......"اور تو اور فی الوقت کے معنی از خود گھڑ دیتا ہے، اور جب نیچے سے زمین سرکنے لگتی ہے، (اور غلطی کھلتی ہے) تو اس کا بار نہیں اٹھا سکتا (یعنی جب غلطی پکڑی جاتی ہے تو جواب نہیں دے سکتا)۔"

یُحصُّ بافواه الشیاطین حیقة
ویصرفهم عن صوب فهم مبانی

ترجمہ:......"(غرض) شیطانوں یعنی مریدوں کی زبان سے مکر و فریب (بے معنی الفاظ کی) گند اچھالتا رہا اور ان کو (لفظوں کی الٹ پھیر میں رکھ کر) حقائق کو سمجھنے کی جانب متوجہ نہ ہونے دیا۔"

فعلّل اذ ناب له الناس ان فی
حذیبیة ما نحوها یریان

ترجمہ:......"تو اس کے دم چھلّے (مرزائیوں) نے لوگوں کو اس طرح بہلایا (اور بہکایا) کہ (دیکھو) حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح دو (متضاد) خواب دکھلائے گئے ہیں، (یعنی مرزا اور اس کی امت، آتھم کے خواب کے پورا نہ ہونے پر لوگوں کے اعتراضات کا جواب یہ دیتے ہیں کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حدیبیہ کے سال ۶ ھ میں خواب دیکھا تھا کہ آپؐ مسلمانوں کے ہمراہ باطمینان تمام مکہ میں داخل ہوئے ہیں اور عمرہ کیا ہے، مگر آپؐ کا وہ خواب پورا نہ

ہوا، اور آپؐ اور تمام مسلمان بغیر عمرہ کئے حدیبیہ سے واپس آگئے، لہٰذا خواب کا پورا نہ ہونا نبوت کے منافی نہیں ہے، حضرت مصنفؒ اگلے شعر میں اس کا جواب دیتے ہیں)۔''

اَرُؤیا حکاھا خاتم الرسل مرسلا
ولم یک منھا السیر یلتبسان

ترجمہ:...... ''کیا وہ خواب جو فرستادہ الٰہی خاتم الانبیاءؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور (واقعات کی) رفتار اس کے مطابق نہیں ہوئی، کیا وہ خواب اور واقعہ ایک دوسرے سے ملتبس (اور مشتبہ) ہوگئے؟ (یعنی کیا وہ خواب پورا نہیں ہوا، اور اگلے سال ۷ھ میں آپؐ نے اور تمام مسلمانوں نے باطمینان تمام عمرہ نہیں کیا؟ یہ لوگوں کی غلط فہمی تھی کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اسی سال ۶ھ میں عمرہ ہوگا، حالانکہ نہ خواب میں اس کی تصریح تھی اور نہ حضورؐ نے ہی یہ فرمایا تھا کہ اسی سال یہ خواب پورا ہوگا، (مراجعت کیجئے صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۸۰) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر ہی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے مذکورہ ذیل آیات سورہ فتح میں نازل فرمائیں:

''لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّؤْیَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ.'' (الفتح:۲۷)

ترجمہ:...... ''بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بالکل برحق سچا خواب دکھایا ہے، تم مسجد حرام میں انشاء اللہ ضرور امن و امان کے ساتھ داخل ہوگے (اور عمرہ کروگے، عمرہ سے

فارغ ہوکر) کچھ لوگ اپنے سر منڈائیں گے، اور کچھ بال کتروائیں گے، اور تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا۔"

وما قد حكاه الواقدی فلم يُرد

ترتب سيرا وبداء اوان

ترجمہ:...... "اور واقدی نے جو (سیرت میں) بیان کیا ہے اس کا مقصد واقعات کی ترتیب یا ابتدأ وقت (عمرہ) کو بیان کرنا نہیں ہے۔"

حكى من امور لا ترتب بينها

قد اتفقت فی المبين من جريان

ترجمہ:...... "واقدی نے تو بلا ترتیب جو اموز (واقعات) اس سال پیش آئے تھے ان کو بلا ترتیب شمار کرادیا ہے، اور یہ خواب آپؐ نے یقیناً اسی سال ۶ھ میں دیکھا تھا (مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ خواب اسی سال سے متعلق تھا، جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں "اِنْ شَآءَ اللّٰہُ" کا لفظ اس بات کی دلیل ہے، لہٰذا واقدی کے بیان سے یہ استدلال کرنا کہ دیکھو "رسول اللہؐ کا خواب پورا نہیں ہوا"، کسی طرح درست نہیں، اس لئے کہ واقدی نے یہ کہیں نہیں کہا کہ یہ خواب اسی سال ۶ھ سے متعلق تھا، مرزائیوں نے واقدی کے بیان سے استدلال کیا تھا، حضرت مصنفؒ نے ان دوشعروں میں اس کا جواب دیا ہے)۔"

واوضحه الصديق فيما روىٰ لنا

اصح كتاب فى الحديث مثانى

ترجمہ:...... "اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

اس حقیقت کو ایک حدیث میں واضح کردیا، جس کو حدیث کی ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' یعنی ''صحیح بخاری'' میں ج:۱ ص:۳۸۰ پر روایت کیا ہے۔''

رجاء وقصد لیس اخبار غیبه
علی ظاهر الاسباب یعتمدان

ترجمہ:...... ''اس خواب کا منشا تو درحقیقت ایک امید اور ظاہری اسباب کی بنا پر اپنے قصد کا اظہار تھا نہ کہ غیب کی خبر دینا اور پیش گوئی کرنا، (اس کے برعکس مرزا نے تو بطور تحدی چیلنج کیا تھا کہ آتھم اس سال ضرور مرجائے گا، کیونکہ مجھے یہ خواب دکھایا گیا ہے، لہٰذا اس پیش گوئی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب پر قیاس کرنا حماقت ہے، یہ دوسرا جواب ہے۔''

وما ذاب فی العمر الطویل له فذا
هجاء خیار الخلق غِبٌّ لعان

ترجمہ:...... ''اور اس متنبّی قادیان کی زبان وقلم سے عمر دراز میں جو کچھ ظہور میں آیا ہے، وہ یہ ہے: لعن طعن کے بعد خدا کی بہترین مخلوق (انبیاؑ علیہم السلام) کی ہجو اور بدگوئی کرنا۔''

تفکّه فی عرض النبیین کافر
عُتُلٌ زنیم کان حقٌّ مُهان

ترجمہ:...... ''انبیاؑ کرام علیہم السلام کی حرمت وعظمت کا ایک بدزبان، بدنسب، رسوائے زمانہ کافر نے خوب خوب مذاق اڑایا ہے۔''

یلذ لہ بسط لمطاعن فیھم
ویجعل نقلا عن لسان فلان

ترجمہ:......"انبیاء علیہم السلام پر طعن و تشنیع کرنے میں اسے خوب مزا آتا ہے (اور تکفیر سے بچنے کے لئے) ایرے غیرے کا بیان بنادیتا ہے (کہ فلاں یوں کہتا ہے، اور فلاں یوں)۔"

یصوغ اصطلاحًا انّ ھٰذا مسیحکم
کما سب امًّا ھٰکذا اخوان

ترجمہ:......"اصطلاح گھڑتا ہے اور خوب گالیاں دے کر کہتا ہے کہ (اے عیسائیو!) یہ ہے تمہارا مسیح! بالکل ایسے جیسے دو حقیقی بھائی ایک دوسرے کو ماں کی گالیاں دیں (حالانکہ دونوں کی ماں ایک ہے، اس لئے گویا ہر ایک اپنی ماں کو گالیاں دیتا ہے، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام جیسے عیسائیوں کے نبی ہیں، ایسے ہی مسلمان بھی ان کو رسول مانتے ہیں، اس لئے عیسائیوں کے "عیسیٰ" کو گالیاں دینا، قرآن کے "عیسیٰ" کو گالیاں دینے کے مرادف اور کفر ہے)۔"

قد رد فی القرآن انواع کفرھم
فھل غضّ من عیسیٰ المسیح بشان

ترجمہ:......"حالانکہ قرآن کریم میں بھی عیسائیوں کے ہر قسم کے کفریات کی تردید آئی ہے، لیکن کیا مجال جو اس تردید میں عیسیٰ (علیہ السلام) کی ذرا بھی کسر شان ہوئی ہو، (معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کسر شان کئے بغیر بھی ہر قسم کے

کفریات کی تردید کی جاسکتی ہے، اور مرزائے قادیان کا یہ صرف ''بہانہ'' ہے، دراصل وہ ان کو گالیاں دینا اور ان کی توہین و تذلیل کرنا چاہتا ہے، تاکہ اپنے ''عیسیٰ'' ہونے کے لئے راہ ہموار کرے)۔''

وھٰذا کمن وافی عدوًّا یسبُّہ
بجمع اشد السب من شنأن

ترجمہ:...... ''اور اس کا انداز تو ایسا ہے جیسے کسی کا دشمن اس کے سامنے آجائے اور وہ شدت غیظ و غضب کی وجہ سے برسرعام اس کو بے تحاشا گالیاں دینا شروع کردے۔''

فصیرہ رؤیا وقال باخر
اذِ انفتحت عینی من الخفقانِ

ترجمہ:...... ''اور (جی بھر کے گالیاں دے لینے کے بعد) پھر اس کو خواب بتادے اور آخر میں کہہ دے کہ: ''پھر اچانک شدت اضطراب سے میری آنکھ کھل گئی'' (کہ یہ تو میں خواب کا حال بیان کر رہا تھا)۔''

وقد یجعلہ التحقیق ذٰلک عندہ
اذا ما خلا جوٌّ کمثل جَبَانِ

ترجمہ:...... ''اور بزدلوں کی طرح جب میدان خالی پائے تو اس کو اپنی ذاتی تحقیق بنادے (کہ میرے نزدیک بھی یہی حق ہے کہ عیسیٰ مسیح ایسے اور ایسے تھے)۔''

وینفث فی اثناء ذٰلک کفرہ
ویعرب فی عیسیٰ بما ھو شأنی

ترجمہ:......''(غرض) اس صورت میں یہ خبیث (عیسائیوں کی تردید کے نام سے) خوب کفریات بکتا ہے، اور (اپنی بھڑاس نکالتا ہے اور) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں معاندانہ عیب جوئی اور بدگوئی کرتا ہے۔''

وکان هنا شئ لتحریف "عهدهم"
فصیّره حقا لخُبث جَنان

ترجمہ:......''حالانکہ واقعہ صرف یہ ہے کہ ''عہد قدیم'' (تورات) اور''عہد جدید'' (انجیل) میں تحریف ہوجانے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان کے خلاف کچھ باتیں پائی جاتی تھیں، لیکن اس بدباطن نے اپنی خباثت باطنی کی بنا پر انہی کوحق قرار دے دیا۔''

وقد اخذوا فی مالک بن نویرة
"بصاحبکم" للمصطفی کادانی

ترجمہ:......''حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے تو مالک بن نویرہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ''صاحبکم'' کے عامیانہ کلمہ کو گستاخی قرار دے کر (توہین نبی کا) مجرم قرار دے دیا تھا اور قریب تھا کہ قتل کردیں۔''

وقصة دُبّاءٍ رأی القتل عندها
ابو یوسف القاضی ولات اوان

ترجمہ:......''اور قاضی ابویوسف رحمہ اللہ نے ''کدو کے قصے'' میں (گستاخانہ انداز میں: ''میں تو نہیں پسند کرتا'' کے الفاظ کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین قرار دے کر) قائل کو قتل

کر دینے کا حکم دے دیا تھا، لیکن یہ وہ زمانہ نہیں ہے (کہ آج ہم شاتم رسول کو قتل کر سکیں)۔"

وقد اعملت حکم الشریعة فیهم
حکومة عدل للامیر امان

ترجمہ:...... "اور شاہ افغانستان امیر امان اللہ خاں کی عادلانہ حکومت نے تو شریعت کے اس حکم پر عمل بھی کیا تھا (کہ انہوں نے شاتم رسول مرزائی کو قتل کر دیا)۔"

تحطّم فی جمع الحطام ونیلها
وبسط المنی فی حاصلات مجانی

ترجمہ:...... "اور یہ قادیانی ملعون تو ساری عمر دنیا کا مال و زر جمع اور اندوختہ کرنے میں اور مفت کے چندوں کی رقموں کو بٹورنے کی آرزوؤں کو دراز تر کرنے میں سرگرداں رہا، یہاں تک کہ بوڑھا ہو گیا۔"

وکل صنیع او دهاء فعنده
لنیل المنی بالطرد والدوران

ترجمہ:...... "اور جو بھی چالاکی اور مکاری، جوڑ توڑ کر کے اپنی آرزوؤں کو پورا کرنے میں (ممکن ہو سکتی ہے) وہ اس لعین کے ہاں موجود تھی۔"

أهٰذا مسیح او مثیل مسیحنا
تسربل سربالا من القطران

ترجمہ:...... "کیا یہی "مسیح" یا "مثیل مسیح" ہے؟ جس نے قطران (گندھک کے تیل کا) جہنمی لباس پہن رکھا ہے؟"

وكان على ما قال ماجوج اصله
وصار مسيحا فاعتبر بقران

ترجمہ:...... ’’وہ تو (درحقیقت) اپنے قول کے مطابق یاجوج ماجوج کی نسل سے تھا، ترقی کرکے مسیح بن گیا، پس اس (ماجوج و مسیح کے) قِران (اتصال) سے لوگو! عبرت حاصل کرو۔‘‘

نعم جاء في الدجال اِطْلاقه كذا
فقد ادركته خفة السُّرعان

ترجمہ:...... ’’ہاں ہاں دجال کے حق میں بھی تو احادیث میں ’’مسیح‘‘ کا لفظ آیا ہے، وہ قادیانی مرزا بے شک ’’مسیح دجال‘‘ تھا، کم عقلی اور بے وقوفی کی وجہ سے اس نے یہ لقب اپنے لئے اختیار کرلیا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ جو ’’مسیح‘‘ کا لفظ آتا ہے، وہ ’’ماشیح‘‘ کا معرب ہے، جس کے معنی عبرانی میں ’’مبارک‘‘ ہیں، اور دجال کے تذکرہ میں جو ’’مسیح‘‘ آتا ہے، وہ عربی لفظ ہے، جس کے معنی ہیں: ’’ممسوح عین الیمنی‘‘ (جس کی دائیں آنکھ پھوٹی ہو) اسی لئے اردو والے اسے ’’کانا دجال‘‘ کہتے ہیں، اس جاہل کو اس حقیقت کا پتہ نہ تھا، اس نے اپنے لئے ’’مسیح‘‘ کا لقب اختیار کیا اور ’’مسیح دجال‘‘ بن گیا)۔‘‘

الم يهد للقرآن يحفظه ولم
يَحُجّ لفرض صده الحرمان

ترجمہ:...... ’’کیا واقعہ نہیں ہے کہ نہ اسے قرآن حفظ

کرنے کی توفیق ہوئی، نہ ہی حج فرض ادا کرنے کی (اور یہی دجال کی ممتاز خصوصیات ہیں) حرمین نے اس کو حج کرنے سے روک دیا۔"

فیسرق فی الفاظہ باطنیۃ
وقَرمَطۃً وحی اتاہ کدانی

ترجمہ:...... "اس لعین قادیانی کے پاس جو دوغلی وحی آتی ہے، اس میں کچھ "باطنیہ" کے الفاظ چراتا ہے، کچھ "قرامطہ" کے، یہی "کدانی" (قادیانی) وحی کی (حقیقت) ہے۔"

وتابعہ من فیہ نصف تنصُّر
ومن فیہ کفر مودع بمبانی

ترجمہ:...... "اور اس مسیح دجال کی پیروی صرف انہی لوگوں نے کی ہے جو پہلے ہی "نیم نصرانی" تھے، اور جن کی سرشت میں کفر رکھا ہوا تھا۔"

وکفَّر من لم یعترف بنبوَّۃ
لہ وھو فی ھٰذا لاول جان

ترجمہ:...... "اس ظالم نے ہر اس مسلمان کو کافر قرار دے دیا جو اس کی نبوت کو نہ مانے، اس معاملہ میں یہ دنیا کا پہلا مجرم ہے (آج تک کسی مدعیٔ نبوت نے اپنے نہ ماننے والے مسلمانوں کو کافر نہیں کہا تھا)۔"

الا فاستقیموا واستھیموا لدینکم
فموت علیہ اکبر الحیوان

ترجمہ:......"پس سن لو اے مسلمانو! اب تم صراط مستقیم پر پختگی سے قائم ہوجاؤ، اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے دیوانہ وار ایک دوسرے سے آگے بڑھو، اس لئے کہ دین پر جان دے دینا ہی سب سے بڑی زندگی ہے۔"

وعند دعاء الرب قوموا وشمِّروا
حنانا علیکم فیہ اثر حنان

ترجمہ:......"اور اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہو اور کمر کس لو! اس دین کی حمایت میں تم پر خدا کی رحمتوں پر رحمتیں نازل ہوں۔"

وکن راجیا ان یظھر الحق وارتقب
لاولاد بغی فی السھیل یمانی

ترجمہ:......"اور حق کے غلبہ کی خدا سے امید واثق رکھو، اور ان برساتی کیڑوں کی ہلاکت کے لئے کسی سہیل یمانی کا انتظار کرو۔"

وللحق صدع کالصدیع وصولۃ
وطعن وضرب فوق کل بنان

ترجمہ:......"اور حق و باطل کے پردے صبح کی طرح چاک چاک کر ڈالتا ہے، حق بھی باطل پر یورش کرتا ہے اور اس کے ایک ایک پورے پر ضرب کاری لگاتا ہے۔"

وآخر دعوانا ان الحمد لِلّذی
لنصرۃ دین الحق کان ھدانی

ترجمہ:......"اور ہماری تو آخری بات یہ ہے کہ اس

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں دین حق کی نصرت کی توفیق عطا فرمائی۔''

وصلی علی ختم النبیین دائما
وسلم ما دام اعتلی القمران

ترجمہ:......''اور خدا خاتم انبیاؑ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام پر ہمیشہ ہمیشہ رحمتیں نازل کرے اور سلامتیاں، جب تک افق پر چاند سورج چڑھتے رہیں، (آمین)۔''

تاویل باطل سے علمائے حق کی ممانعت

صفاتِ الٰہیہ پر بے چوں و چرا اور بغیر کسی تاویل کے ایمان لانا فرض ہے:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباری'' میں ج:۱۳ ص:۳۴۵ (طبع ثانی) پر فرماتے ہیں:

''ابوالقاسم لالکائی نے بسند متصل امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: مشرق سے مغرب تک کے تمام فقہاء قرآن کریم پر اور ثقہ راویوں کی روایت کردہ ان صحیح روایات پر بغیر کسی تشبیہ و تفسیر کے ایمان لانے کو فرض قرار دیتے ہیں جو پروردگار عالم کی ''صفات'' کے بیان میں آئی ہیں، جو شخص ان ''صفات'' میں سے کسی صفت کی بھی کوئی تفسیر یا تاویل کرے اور جہم بن صفوان کا مسلک اختیار کرے وہ اللہ کے اس دین سے خارج ہے جس پر صحابہؓ اور سلف صالحینؒ قائم تھے، اور وہ امت مسلمہ کے دائرہ سے نکل گیا، اس لئے کہ اس نے پروردگار عالم (کی اصلی اور حقیقی صفات چھوڑ کر اس)

کی (خودساختہ اور) بے معنی صفات ثابت کردیں۔“

ائمہ احنافؒ کی طرف ”جہمی“ ہونے کی نسبت بغض وعناد کا مظاہرہ ہے:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: (امام محمدؒ کی اس تصریح کے ہوتے ہوئے) اب جو کوئی ہمارے ائمہ احناف (امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ) کو ”جہمیہ“ فرقہ کی جانب منسوب کرے، یہ اس کی نگاہِ بغض وعناد کی کج بینی ہے کہ اسے برائیاں ہی برائیاں نظر آتی ہیں (اچھائیاں نظر آتی ہی نہیں)۔

اس (بطلان تاویل کے) سلسلہ میں حافظ ابن حجرؒ نے ائمہ دین کے اور بھی کچھ آثار واقوال نقل کئے ہیں، چنانچہ حضرت مصنف رحمہ اللہ حاشیہ پر ان اقوال کو نقل کرتے ہیں:

ا:......حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: محدث لالکائی نے اپنی کتاب ”السنۃ“ میں حسن بصری عن امہ عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا کے طریق (سند) سے روایت کیا ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”(اللہ تعالیٰ کی صفت عرش پر) استوا مجہول نہیں ہے، (سب جانتے اور سمجھتے ہیں)، ہاں اس کی کیفیت (اور صورت) کا سمجھنا عقل انسانی کے دائرۂ ادراک سے باہر ہے، اور اس کا اقرار کرنا (کہ اللہ تعالیٰ کے لئے استواعلی العرش ثابت ہے) فرض عین ہے، اور اس کا انکار کفر صریح ہے۔“

۲:......حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اور ابن ابی حاتم نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ”مناقب“ میں یونس بن عبدالعلی سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

’’اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام اور صفات ہیں جن کا کوئی انکار نہیں کرسکتا، اور جس شخص نے دلیل قائم ہونے (یعنی معلوم ہونے) کے بعد انکار کیا وہ کافر ہوگیا، ہاں دلیل قائم ہونے (اور معلوم ہونے) سے پہلے اگر کوئی انکار کرے تو اس کو ’’جہالت‘‘ کی بنا پر معذور سمجھا جائے گا، اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمأ و صفات انسانی فہم و فراست سے نہیں معلوم کیے جاسکتے، لہٰذا ہم (بے چوں و چرا) ان صفات کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرتے (اور مانتے) ہیں، مگر تشبیہ کا انکار ضرور کریں گے (اس لئے کہ اللہ اور اس کی صفات کی کوئی مثال نہیں ہوسکتی، مثلاً ہم کہتے ہیں کہ وہ سنتا ہے، مگر ہماری طرح کانوں سے نہیں، وہ دیکھتا ہے، مگر ہماری طرح آنکھوں سے نہیں) جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے تشبیہ کی نفی کی ہے، اور فرمایا ہے: ’’لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ‘‘ (کوئی چیز بھی اس کی مانند نہیں)۔‘‘

تاویلِ باطل کی مضرت اور مؤوّل کا فرض:

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ ’’شفاء العلیل‘‘ میں ص:۸۲ پر فرماتے ہیں:

’’باطل تاویل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی ’’شریعت‘‘ کو معطل (بے کار و بے معنی) بنادینے اور متکلم (صاحبِ شریعت) پر جھوٹ لگانے کا موجب ہے کہ اس کی مراد یہ ہے (جو مؤول بتلاتا ہے، حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے)، اسی لئے تاویلِ باطل، حق کو باطل اور باطل کو حق بناڈالتی ہے، اور متکلم کی جانب اس ’’چیستاں گوئی‘‘ اور ’’فریب کاری‘‘ کو منسوب

کرتی ہے، جو اس کے شایانِ شان نہیں، (یعنی مؤول کی تاویل کو صحیح مان لینے کی صورت میں یہ کہنا پڑے گا کہ متکلم نے دانستہ اپنی مراد کو چھپانے کی غرض سے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن کے ظاہری معنی سے اس کی مراد نہ سمجھی جاسکے اور لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوں، اسی کا نام تلبیس اور چیستاں گوئی ہے) اسی کے ساتھ ساتھ بغیر کسی علم و یقین کے یہ کہنا کہ متکلم کی مراد یہی ہے (جو مؤول کہتا ہے) صریح بہتان و افترا ہے۔"

لہٰذا ہر تاویل کرنے والے کا فرض ہے کہ:

۱:...... پہلے وہ یہ ثابت کرے کہ ازروئے لغت و قواعد عربیت اس "معنی" کے مراد لینے کی گنجائش ہے (جو مؤول کہتا ہے)۔

۲:......اس کے بعد وہ (حوالے دے کر) یہ ثابت کرے کہ متکلم نے اس لفظ کو اس معنی میں اکثر و بیشتر استعمال کیا ہے، یہاں تک کہ اگر کسی جگہ اس نے اس لفظ کو ایسے طریق پر استعمال کیا ہے کہ اس معنی کے علاوہ کسی اور معنی کا بھی احتمال ہوسکتا ہے، تو وہاں اس لفظ کو اسی "معروف الاستعمال" معنی پر حمل کیا گیا ہے۔

۳:......نیز مؤول کے ذمہ یہ بھی لازم ہے کہ وہ لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹانے کی یا حقیقی معنی کے بجائے معنی مجازی یا استعارہ مراد لینے کی کوئی قوی اور معارضہ سے خالی دلیل قائم کرے، ورنہ اس کا یہ دعویٰ (تاویل) دعویٰ بلا دلیل سمجھا جائے گا اور ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

ثبوت و تائید:

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ "فتاویٰ" میں ج:۴ ص:۲۹۷ پر تکفیر روافض کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''پھر اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ (روافض) ''مؤوّل'' ہیں، تو ان کی ''تاویلیں'' ہرگز لائق قبول نہیں ہیں، بلکہ ان کے مقابلہ میں تو خوارج اور مانعین زکوٰۃ کی ''تاویلیں'' زیادہ معقول ہیں، چنانچہ خارجی قرآن کریم کے مکمل اتباع کا دعویٰ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہو، اس پر عمل کرنا جائز نہیں، (اور یہ روافض تو سرے سے قرآن کو ہی ناقص اور ناقابل اعتماد کہتے ہیں) اسی طرح منکرین زکوٰۃ کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے خطاب کرکے فرمایا ہے: ''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً.'' یہ خطاب اور حکم صرف نبی کے لئے تھا، (چنانچہ جب تک نبی نے زکوٰۃ لی، ہم نے نکالی اور دی) غیر نبی کو زکوٰۃ دینا ہم پر فرض نہیں ہے (کہ ہم زکوٰۃ نکالیں اور اس کو دیں)، چنانچہ نہ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ دیتے تھے، اور نہ ہی اپنے مال سے زکوٰۃ نکالتے تھے (مگر اس تاویل کے باوجود ان کو ''مرتد'' اور ''واجب القتل'' قرار دیا گیا)۔''

ج:۴ ص:۲۸۵ پر فرماتے ہیں:

''تمام صحابہؓ اور ان کے بعد ائمہؒ، ''منکرینِ زکوٰۃ'' سے جنگ کرنے پر متفق تھے، اگرچہ وہ پنجگانہ نماز بھی پڑھتے تھے، رمضان کے روزے بھی رکھتے تھے، مگر اس کے باوجود ان کا کوئی شبہ (تاویل) صحابہؓ کے نزدیک لائق قبول نہ تھا، اسی لئے وہ مرتد تھے اور منع زکوٰۃ پر ان سے جنگ کی جاتی تھی، اگرچہ وہ نفس زکوٰۃ کے وجوب کے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

اس کے فرض ہونے کے قائل تھے۔''

مانعینِ زکوٰۃ کو ''مسلمان باغی'' سمجھنا سخت غلطی اور گمراہی ہے:

ص:۲۹۶ پر مزید فرماتے ہیں:

''لیکن جس شخص نے یہ سمجھا کہ ان (مانعینِ زکوٰۃ) سے جنگ ''تاویل کرنے والے مسلمان باغیوں'' کی طرح کی گئی ہے، اس نے بہت بڑی غلطی کی اور وہ حق سے بہت بہت دور جاپڑا، اس لئے کہ ''تاویل کرنے والے مسلمان باغیوں'' کے پاس کم از کم جنگ کرنے کی کوئی لائق قبول تاویل اور معقول وجہ تو ہوتی ہے، جس کی بنا پر وہ بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں، اسی لئے علمائے حق کا کہنا ہے کہ امام (خلیفہ) کو (جنگ سے پہلے) ان باغیوں سے خط و کتابت اور نامہ و پیام کرنا چاہیئے، اور اگر وہ کسی ظلم و جور کو (اپنی بغاوت کا) سبب بتلائیں تو فوراً اس کا ازالہ کرنا چاہیئے (اس سے معلوم ہوا کہ وہ محض بغاوت کی وجہ سے اسلام سے خارج نہیں ہوتے، اس کے برعکس منکرین زکوٰۃ کو بغیر کسی گفت و شنید کے محض انکارِ زکوٰۃ کی بنا پر مرتد (اور واجب القتل) قرار دیا گیا۔''

بعض مرتبہ تاویل، زوال ایمان کا سبب بن جاتی ہے:

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ''بغیۃ المرتاد'' میں ص:۶۹ پر فرماتے ہیں:

''ہمارا مقصد یہاں صرف اس امر پر متنبہ کرنا ہے کہ عموماً اس قسم کی تاویلیں قطعی طور پر باطل ہوتی ہیں اور جو شخص بھی ان کو اختیار کرتا یا لائق قبول قرار دیتا ہے، وہ خود بسا اوقات اسی

جیسی یا بالکل وہی تاویلیں کر کے گمراہی میں مبتلا ہوجاتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور کافر ہوجاتا ہے، (لہٰذا ان تاویلات کا دروازہ کھولنا یا کھولنے کی اجازت دینا انتہائی خطرناک ہے)۔''

چنانچہ اسی ''بغیۃ المرتاد'' کے ص:۱۳۵ پر حافظ ابن تیمیہؒ نے اسی ذیل میں ابن ہود کا تذکرہ کیا ہے، جس کا دعویٰ تھا کہ: ''عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت اس پر نازل ہوگئی ہے۔''

جو شخص نبوت کو اکتسابی کہتا ہے،
وہ زندیق ہے:

’’زرقانی‘‘ میں ج:۶ نوع ثالث، مقصد سادس ص:۱۸۸ پر لکھا ہے:

’’ابن حبان رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جس شخص کا عقیدہ یہ ہو کہ نبوت ’’اکتسابی‘‘ ہے، (انسان اپنی کوشش و کاوش سے اس کو حاصل کرسکتا ہے، اس لئے) اس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا، یا یہ کہ ولی، نبی سے افضل ہے، وہ شخص ’’زندیق‘‘ ہے، اس کو قتل کردینا واجب ہے، اس لئے کہ وہ قرآن عظیم اور خاتم النبیین دونوں کی تکذیب کرتا ہے۔‘‘

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: جس شخص کا عقیدہ یہ ہو کہ نبوت ’’اکتسابی‘‘ ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نبوت کے ’’سلب‘‘ ہوجانے کا بھی قائل ہو، اور بعینہٖ یہی عقیدہ یہودیوں کا ہے، چنانچہ بلعم بن باعور کے متعلق یہودی کہتے ہیں کہ بلعم (ملعون و ممسوخ ہونے سے پہلے) قوم ’’مواب‘‘ کا نبی تھا، جیسا کہ ابن حزم نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے، (بین السطور میں روح المعانی ج:۳ ص:۱۶۲ کی مراجعت کی ہدایت فرماتے ہیں)۔

فرماتے ہیں: اور یہی کچھ اس مردود متنبّی (مرزائے قادیان) کا حال ہے،

اس لئے کہ آخر وقت میں اس کا ایمان بھی سلب ہوگیا تھا اور یہ بھی بدترین موت مرا ہے۔

نبوت کو اکتسابی ماننے والوں کے قول کی تفصیل اور تردید:

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے ''شرح عقیدۂ سفارینی'' میں ص:۲۵۷ پر منقول ہے:

> ''ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نبوت ایک ''اکتسابی'' کمال ہے (ہر شخص محنت کرکے اس کو حاصل کرسکتا ہے)، چنانچہ مسلمانوں میں زندیقوں کی ایک ایسی جماعت ہوئی ہے جنہوں نے نبی بننے کی کوششیں کی ہیں (حالانکہ یہ عقیدہ سراسر باطل ہے)۔ حاصل (واقعہ) یہ ہے کہ نبوت اللہ تعالیٰ کا ایک ''فضل و انعام'' ہے، اور ''خداداد عطیہ اور نعمت'' ہے، وہ جس کو یہ شرف بخشنا چاہتا ہے، اسی کو اس سے نوازتا اور نبی بناتا ہے، نہ کوئی اپنے علمی کمال سے اس مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے، نہ اپنی محنت اور کوشش و کاوش سے، اور نہ ہی ولایت کی استعداد و قابلیت سے کوئی اس کو پاسکتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ (اپنی حکمت و مصلحت کے تحت) اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتے ہیں، اس نعمت کے ساتھ مخصوص فرمادیتے ہیں، لہٰذا جو شخص نبوت کے ''کسبی'' ہونے کا مدعی ہے وہ ''زندیق'' ہے، اس کو قتل کردینا فرض ہے، اس لئے کہ اس عقیدہ اور قول کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نبوت کا دروازہ بند نہ ہونا چاہئے (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاءؑ نہ تھے) اور یہ عقیدہ قرآن حکیم کی نص ''وخاتم النبیین'' کے

بھی مخالف ہے اور ''متواتر'' حدیث کے بھی خلاف ہے کہ ''آپؐ خاتم النبیین ہیں۔'' اسی لئے ماتن (صاحب عقیدۂ سفارینی) نے ''الی الاجل'' (ایک مدت تک) کا اضافہ فرمایا ہے، یعنی نبوت اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے، اس علیم وحکیم پروردگار نے جس کو اس شرف سے نوازنا چاہا ایک مدت تک نوازا اور یہ سلسلہ نوع انسانی کے جد اول حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوا اور حبیب اللہ خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ختم ہوگیا۔''

اس عقیدہ کی سزا:

''صبح الاعشیٰ'' میں ج:۱۳ ص:۳۰۵ پر لکھا ہے:

''یہ دونوں عقیدے ان عقائد باطلہ میں سے ہیں، جن پر ان کی تکفیر کی گئی ہے، ایک یہ کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبوت کا سلسلہ جاری اور باقی رہنے کے قائل ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے خاتم النبیین ہونے کی خبر دے دی ہے، دوسرے یہ کہ نبوت اکتسابی ہے، کوشش و کاوش سے حاصل کی جاسکتی ہے، صلاح صفدی نے ''لامیۃ العجم'' کی شرح میں نقل کیا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے عمارۃ یمنی نام شاعر کو صرف اس لئے قتل کیا تھا کہ وہ اس جماعت کا علمبردار تھا جو دولت فاطمیین کے زوال اور خاتمہ کے بعد دوبارہ اس کے احیاء کے لئے میدان میں آئی تھی، جس کی تفصیل اس سے قبل ''مقالہ ثانیہ'' ''ممالک مصر کی حکومتوں'' کے

ذیل میں بیان ہوچکی ہے، اور اس جرم کے ثبوت میں سلطان صلاح الدین نے عمارۃ کے قصیدہ کے مذکورہ ذیل شعر پیش کئے تھے:

وکان مبدأ هٰذا الدین من رجل
سعیٰ فاصبح یدعیٰ سید الامم

ترجمہ:...... ''اس دین کی ابتدا ایک ایسے شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہوئی جو اپنی ذاتی کوششوں اور کاوشوں سے سید الامم کہلانے لگا۔''

دیکھئے اس شعر میں عمارۃ نے کس بے باکی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو اکتسابی کہا ہے، (استغفر اللہ)!

تکفیر کی دلیل ظنی بھی ہوسکتی ہے:

یعنی جن دلائل کی بنا پر کسی شخص کو کافر کہا جائے، ان کا قطعی ہونا ضروری نہیں، بلکہ ظنی دلیل بھی کافی ہوتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے حالت جہاد میں کسی شخص کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کے متعلق شک ہوتو ظن غالب سے فیصلہ کیا جاتا ہے، اسی طرح تکفیر کے مسئلہ میں بھی ظن غالب سے فیصلہ کیا جائے گا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ''التفرقہ'' میں ص:۱۷ پر فرماتے ہیں:

''یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ (کسی کے) کافر ہونے یا نہ ہونے کا علم ہر مقام پر قطعی دلیل سے ہونا ضروری ہے، بلکہ تکفیر (کسی کو کافر کہنا) بھی ایک حکم شرعی ہے، جس پر اس شخص کے مال کے مباح اور قتل کے روا ہونے (کا حکم دنیا میں) اور مخلد فی النار ہونے کا حکم (آخرت میں) مرتب ہوتا ہے، لہٰذا اس حکم کا ماخذ اور ثبوت بھی باقی تمام احکام شرعیہ کے مانند ہوگا جو کبھی قطعی اور یقینی دلائل پر مبنی ہوتے ہیں اور کبھی دلائل ظنیہ یعنی ظن غالب پر اور کبھی اس میں شک اور تردد بھی ہوتا ہے، لہٰذا تکفیر میں جہاں شک و تردد ہوگا، وہاں کافر کہنے یا نہ کہنے میں

توقف کرنا بہتر ہے (بہرحال ظنی دلائل تکفیر کا حکم لگانے کے لئے یقیناً کافی ہیں، ان کے موجود ہوتے ''توقف'' نہیں کیا جائے گا)۔''

تکفیر کا حکم قیاس پر بھی مبنی ہوسکتا ہے:

امام غزالی رحمہ اللہ اسی ''التفرقہ'' میں ص:۴ پر فرماتے ہیں:

''الیواقیت میں بھی اسی مسئلہ کو بیان کیا ہے اور امام کردی کی ''وجیز'' سے نقل کیا ہے (کہ قیاس کی بنا پر تکفیر کی جاسکتی ہے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کفر بھی مثلاً ''رِقّیت'' (غلامی) اور ''حریت'' (آزادی) کی مانند ایک حکم شرعی ہے، (یعنی جس طرح ہم کسی شخص کے غلام یا آزاد ہونے کا فیصلہ قیاس سے کرسکتے ہیں، اسی طرح کسی شخص کے مسلمان یا کافر ہونے کا فیصلہ بھی قیاس سے کرسکتے ہیں) اس لئے کہ کسی شخص کو کافر کہنے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں اس کی جان و مال مباح اور آخرت میں اس کے لئے ابدی جہنم ہے (اور یہ ایک حکم شرعی ہے) اس کا ذریعۂ علم بھی شرعی ہونا چاہئے (دیگر احکام شرعیہ کی طرح یہ بھی) یا نص قطعی سے ثابت ہوگا یا (نص قطعی نہ ہونے کی صورت میں) کسی اور نص قطعی پر قیاس کیا جائے گا، ''الیواقیت'' میں (کردی کی طرح) خطابی سے بھی یہی منقول ہے۔''

جس تاویل سے دین کو نقصان پہنچتا ہو، اگرچہ اس کی گنجائش بھی ہو تب بھی مؤوّل کی تکفیر کی جائے گی:

امام موصوفؒ اسی ''التفرقۃ'' میں ص:۱۶ پر فرماتے ہیں:

''باقی جس تاویل سے دین کو ضرر پہنچے وہ محل اجتہاد اور محتاج غور وفکر ہے، اس کی بھی گنجائش ہے کہ کافر کہا جائے اور اس کی بھی گنجائش ہے کہ کافر نہ کہا جائے، (یعنی اگر غور وفکر سے یہ ثابت ہو کہ اس سے یقیناً دین کو نقصان پہنچتا ہے تو تکفیر کی جائے گی ورنہ نہیں، گویا مدار تکفیر دین کو نقصان پہنچنے پر ہے، تاویل کے لئے وجہ جواز ہونے یا نہ ہونے پر نہیں ہے)۔''

کبھی تاویل کے لئے وجہ جواز ہونے یا نہ ہونے کا معاملہ بھی محل تردد اور محتاج غور وفکر بن جاتا ہے، ایسی صورت میں بھی ظن غالب سے فیصلہ کیا جائے گا:

''التفرقۃ'' میں ص:۲۶ پر فرماتے ہیں:

''پھر کچھ بعید نہیں کہ بعض مسائل میں تاویل اس قدر بعید (از فہم و قیاس) ہو کہ اس کے تاویل یا تکذیب ہونے میں شک اور تردد واقع ہوجائے اور غور وفکر کی ضرورت پیش آئے، ایسی صورت میں بھی گمانِ غالب اور مقتضائے اجتہاد سے فیصلہ کیا جائے گا، اس لئے کہ تمہیں معلوم ہوچکا ہے کہ یہ (تکفیر کا) مسئلہ اجتہادی ہے۔''

ایک ہی بات کبھی موجب کفر ہوتی ہے، کبھی نہیں:

حضرت مصنف قدس اللہ روحہ فرماتے ہیں: بعض اوقات ایک ہی کلمہ ایک حالت میں موجب کفر ہوتا ہے، اور ایک حالت میں موجب کفر نہیں ہوتا، اسی طرح ایک شخص کے لئے موجب کفر ہوتا ہے اور ایک کے لئے نہیں، مثلاً: ''کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب الدبّاء.'' (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''کدو'' پسند فرمایا کرتے تھے)، یہ حدیث سن کر ایک شخص (بطور تأسف) کہے: ''لا احب الدباء.'' (مجھے کدو اچھا نہیں لگتا)، اور اس کا مقصد اپنی محرومی اور کم نصیبی کا اظہار ہو، یا صرف واقعہ کا اظہار، تو اس کہنے سے کچھ نہ ہوگا، لیکن اگر یہی حدیث سن کر (بطور کراہت و استحقار) گستاخی اور بے باکی کے انداز میں جیسے ایک برابر کا آدمی دوسرے برابر کے آدمی کے مقابلہ پر کہتا ہے، یہی کلمہ بلند آواز اور گستاخانہ لب و لہجہ میں کہے: ''انا لا احب الدباء.'' (میں تو کدو کو پسند نہیں کرتا) تو یہی کلمہ موجب کفر ہے، اور (توبہ نہ کرے تو) یہ شخص کافر ہے، فتاویٰ کی بہت سے جزئیات اسی اصول پر مبنی ہیں۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل ماخذوں کی مراجعت کیجئے:

۱:...... ''تحفہ اثنا عشریہ'' مقدمہ ثانیہ، باب التولی والتبری۔

۲:......علمائے کلام و عقائد کی مسئلہ خلق قرآن میں متکلم اور غیر متکلم کے فرق کی بحث۔

۳:......علمائے کلام و عقائد کی حرام لغیرہ کو حلال سمجھ لینے میں عالم اور جاہل کے فرق کی بحث۔

ان تمام ماخذوں کی بحث و تحقیق کا حاصل یہی ہے کہ اختلافِ حالات کے اعتبار سے احکام مختلف ہوتے ہیں، جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا

ہے، جیسا کہ ''شرح شفا'' میں ج:۴ ص:۳۸۳ پر مذکور ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی ''بغیۃ المرتاد'' میں ص:۶۴ پر یہی تحقیق بیان کی ہے۔ ''مواہب'' نوع ثالث، مقصد سادس کی مراجعت کیجئے۔

تنبیہ:

تکفیر کے لئے تکذیب ضروری نہیں ہے:

حضرت مصنف قدس اللہ سرہ ایک اہم نکتہ پر متنبہ فرماتے ہیں:

یاد رکھو! مسئلہ تکفیر پر بحث کرنے والے اکثر علماء نے کسی امر متواتر کے انکار یا تاویل کو تکذیب شارع (شارع علیہ السلام کو جھٹلانے) کا موجب اور مستلزم قرار دیا ہے، اور یہ (تکذیب) یقیناً کفر ہے، العیاذ باللہ! لیکن مذکورہ ذیل مراجع سے تو ثابت ہوتا ہے کہ تکفیر کا مدار تکذیب پر نہیں ہے، بلکہ کسی بھی ''امر متواتر'' کا انکار، شارع علیہ السلام کی عملاً اور اعتقاداً اطاعت قبول نہ کرنے اور شریعت کو رد کرنے کے مرادف (اور مستقلاً موجب کفر) ہے، اگر شارع علیہ السلام کو جھوٹا نہ بھی کہے تب بھی یہ کھلا ہوا کفر ہے، جیسا کہ حمویؒ نے اور ابن عابدینؒ نے ''ردالمحتار'' میں ج:۳ ص:۳۹۲ پر اور طحطاویؒ نے کفر کی تعریف کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ (مسئلہ تکفیر میں) تکذیب شارع کا مطلب شارع علیہ السلام کی اطاعت و انقیاد کو قبول نہ کرنا ہے، نہ کہ کذب کی طرف منسوب کرنا، علامہ تفتازانیؒ نے بھی ''تلویح'' میں یہی بیان فرمایا ہے۔

کفر کی ایک نئی قسم، محض خواہش نفس اور سرکشی کی بنا پر انکار کرنا:

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ''الصارم المسلول'' میں ص:۵۲۴ پر فرماتے ہیں:

''کبھی انکار و تکذیب (عدم قبول) ان تمام امور کے
یقینی علم کے بعد جن پر ایمان لانا ضروری ہے، محض سرکشی و سرتابی

یا نفسانی اغراض کے اتباع پر مبنی ہوتا ہے اور یہ حقیقت میں کفر ہے، اس لئے کہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول کے متعلق وہ سب کچھ جانتا ہے جن کی خبر دی گئی ہے، اور دل میں ان تمام امور کی تصدیق بھی کرتا ہے، جن کی مؤمنین تصدیق کرتے ہیں، لیکن صرف اس وجہ سے کہ (احکام شرعیہ) اس کی اغراض وخواہشات کے موافق نہیں ہیں، ان کو ناپسند کرتا ہے، اور ان سے ناخوش و ناراض ہے اور کہتا ہے کہ: ''میں تو ان کو نہیں مانتا اور نہ میں ان کا پابند ہوں بلکہ میں تو اس حق کو قہر وغضب کی نظر سے دیکھتا ہوں اور نفرت کرتا ہوں۔'' پس یہ کفر کی ایک نئی قسم ہے (کہ دل میں ایمان ہے اور زبان پر کفر) جو پہلی قسم سے مختلف ہے، اور اصول دین کے اعتبار سے اس کا کفر ہونا قطعی طور پر معلوم ہے، قرآن اس قسم کے معاندین ومتکبرین کی تکفیر سے بھرا پڑا ہے، بلکہ ایسے کافروں کی سزا اور کافروں سے زیادہ سخت ہے۔''

''ما انزل اللہ'' کے اقرار کے باوجود انسان کافر ہوجاتا ہے:

حافظ ابن تیمیہؒ اسی ''الصارم المسلول'' میں ص:۵۱۴ پر فرماتے ہیں:

''امام ابویعقوب ابراہیم بن اسحٰق حنظلیؒ نے جو ابن راہویہؒ کے نام سے مشہور اور امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے پایہ کے امام ہیں، فرمایا ہے کہ: ''مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو یا اللہ کے رسول کو سب وشتم کیا، یا ما انزل اللہ (یعنی دین) کی کسی بھی چیز کو رد کیا، یا کسی بھی نبی کے قتل کا مرتکب ہوا وہ قطعاً کافر ہے، اگرچہ ''ما انزل اللہ'' (دین و

شریعت) کا اقرار بھی کرتا ہو۔"

مسلمان ہونے کے لئے صرف زبان سے اقرار کافی نہیں، عمل بھی ضروری ہے:

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کتاب "الایمان" میں ص:۸۴ پر امام حنبل سے نقل کرتے ہیں کہ امام حمیدیؒ نے فرمایا کہ:

"مجھے بتلایا گیا ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں: کہ جو شخص نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج (وغیرہ تمام ارکانِ دین) کا اقرار تو کرتا ہے، مگر مرتے دم تک ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں کرتا (نہ صرف یہ) بلکہ ساری عمر قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھتا رہے، وہ بھی مسلمان ہے، جب تک کہ صراحتاً انکار نہ کرے، جبکہ یہ معلوم ہو کہ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ: "ارکانِ دین کو عملاً ترک کرنے کے باوجود میں مؤمن ہوں، اس لئے کہ میں ان تمام فرائض اور استقبال قبلہ کا اقرار کرتا ہوں" (یعنی اس کا عقیدہ یہ ہو کہ مؤمن ہونے کے لئے صرف زبان سے اقرار کرلینا کافی ہے، عمل کرنا ضروری نہیں ہے)۔ امام حمیدیؒ فرماتے ہیں: میں نے یہ سن کر کہا کہ یہ تو کھلا ہوا کفر ہے، اور یہ حکم کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور علمائے اسلام کے (فیصلے کے) خلاف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ."

(البینہ:۵)

ترجمہ:......"اور ان (کفار) کو تو یہی حکم دیا گیا تھا کہ

وہ صدق دل سے صرف اللہ کی عبادت کریں (مگر انہوں نے
اس پر عمل نہیں کیا، اس لئے جہنمی ہوئے)۔"

اس کے بعد امام حنبلؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ
احمد بن حنبل سے بھی سنا کہ جو شخص اس کا قائل ہو (کہ ایمان
کے لئے صرف اقرار کافی ہے، عمل ضروری نہیں) وہ کافر ہے،
اس لئے کہ اللہ کے حکم اور رسول کی شریعت کو اس نے رد کر دیا۔"

مصنفؒ فرماتے ہیں: خفاجی کی "شرح شفا" میں ج:۴ ص:۳۸۴ پر بھی یہی مذکور ہے۔

تاویل کلام شارع علیہ السلام کی تنقیص کے مرادف ہے:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ("ما جاء به الشارع" میں مؤول کا) تاویل کرنا درحقیقت صاحب شریعت کی تحقیق (و بیان) میں غلطی نکالنے کے مرادف ہے، اور یہ کہ شارع علیہ السلام کی تحقیق سطحی (اور غلط) ہے، درحقیقت حق وہ ہے جو مؤول کی (خود اس کی) تحقیق ہے۔

یہ (زعم) بلاشک و شبہ کھلا ہوا کفر ہے، اس لئے کہ جس شخص کا زعم یہ ہو کہ میں شریعت کے حقائق (اور اس کے اساسی اصول و اغراض کو صاحب شریعت سے زیادہ سمجھتا ہوں، وہ یقیناً کافر ہے، اگرچہ شارع کی تکذیب (اعاذنا اللہ منہ!) اس کے خیال میں نہ بھی ہو۔

پس کسی بھی امر متواتر میں تاویل، جب تک کوئی قطعی اور یقینی دلیل اس کی صحت پر موجود نہ ہو، اس وقت تک العیاذ باللہ! صاحب شریعت کی تجہیل و تحمیق کے مرادف ہے، اور (گویا) جو خلل اور نقص (پناہ خدا!) شارع سے رہ گیا ہے، اس کی اصلاح کے ہم معنی ہے، صرف اس عقیدہ کی بنا پر ہی مؤول کی تکفیر کی جا سکتی ہے، کسی

اور دلیل کی مطلق ضرورت نہیں ہے، یہ زعم بذات خود کفر ہے۔

اس لئے کہ وہ امر جس کی تاویل کی جارہی ہے اگر ''متشابہات'' یا ''صفاتِ الٰہیہ'' میں سے ہے (جن کی حقیقت اور مراد سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا) تو ظاہر ہے کہ صاحب شریعت کی تعبیر سے زیادہ جامع اور بہتر تعبیر اور کسی کی نہیں ہوسکتی (اس لئے کہ شارع علیہ السلام صاحب وحی و الہام اور علم الاولین و الآخرین کے مالک ہیں، بڑے سے بڑا صاحبِ کشف و الہام ولی بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام علم تک نہیں پہنچ سکتا)، اور اگر وہ امر ''متشابہات'' میں سے نہیں ہے، تب بھی صاحبِ شریعت کی بیان کردہ مراد کو غلط کہنا کسی صورت میں بھی قابل برداشت اور درست نہیں ہوسکتا (اس لئے کہ شریعت کی مراد کو صاحبِ شریعت سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے؟) ہاں صرف ایک صورت ہے کہ کسی ایسے امر متشابہ کی مراد (جس کے بیان سے صاحبِ شریعت نے سکوت فرمایا ہے) بطور احتمال بیان کی جائے (تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے) مگر یہ بھی خطرہ سے خالی نہیں، (اس لئے کہ اگر بیانِ مراد کی گنجائش ہوتی تو شارع سکوت نہ فرماتے) اس لئے اس کی مراد کو اللہ کے سپرد کردینے میں ہی عافیت ہے، باقی رہے وہ متواتر امور جن کی مراد بالکل واضح (اور بطور تواتر شارع سے منقول) ہے ان کو ظاہری معنی سے ہٹا کر کوئی اور مراد بیان کرنا تو قطعاً کفر ہے، اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

''فَاِنَّھُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِآیَاتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ۔'' (الانعام:۳۳)

ترجمہ:...... ''بے شک اے نبی! وہ کفار تجھ کو تو جھوٹا نہیں کہتے، یہ ظالم تو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: یہ (مسئلہ تکفیر پر ہماری کوشش و کاوش ہے) باقی اللہ اور اس کا رسول اس سے زیادہ جانتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کا علم ہی

زیادہ کامل اور محکم ہے، مناسب ہے کہ ہم اس بحث کا خاتمہ، خاتم المحد ثین، شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ کے بیان پر کریں، حضرت شاہ صاحب کی تحقیق ان کے فطری تفقہ سے اور مشکوٰۃ نبوت سے نکلا ہوا ایک نور ہے۔

خاتمہ

شیخ المشائخ خاتمۃ المحدثین

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہٗ

کی تحقیق انیق

مسئلہ تکفیر میں ایک تضاد اور اس کی تحقیق:

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ ''فتاویٰ عزیزیہ'' میں ج:۱ ص:۴۲ پر فرماتے ہیں:

تضاد:

مسئلہ:...... علامہ تفتازانی رحمہ اللہ ''شرح عقائد'' میں فرماتے ہیں:

''علمائے اہل کلام کے ان دو اقوال کو جمع کرنا بہت دشوار ہے:

۱:...... اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہا جائے۔

۲:...... جو شخص قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہو یا (آخرت میں بھی) اللہ تعالیٰ کی رؤیت (دیدار) کو محال کہتا ہو، یا شیخین (ابوبکر و عمر) رضی اللہ عنہما کو سب و شتم کرتا یا ان پر لعنت بھیجتا ہو (اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو) اس کو ضرور کافر کہا جائے۔''

علامہ شمس الدین خیالی کی تحقیق:

محقق شمس الدین خیالی ''حاشیہ شرح عقائد'' میں فرماتے ہیں:

''علمائے اہل سنت کا یہ اصول کہ: ''صاحب قبلہ کو کافر نہ کہا جائے۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ اجتہادی مسائل کے انکار پر (کسی اہل قبلہ کو) کافر نہ کہا جائے، اس لئے کہ جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی امر کا انکار کرے اس کی تکفیر میں مطلق کوئی اختلاف نہیں ہے، (ایسا شخص متفقہ طور پر کافر ہے) علاوہ ازیں یہ اصول (کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے) صرف امام ابوالحسن اشعری اور ان کے بعض متبعین کا قول ہے، باقی تمام اشاعرہ شیخ اشعری سے اس اصول میں متفق نہیں ہیں، اور یہی وہ تمام اشاعرہ ہیں جو معتزلہ اور شیعہ کو ان کے بعض عقائد (جس کا اوپر تذکرہ آیا ہے) کی بنا پر کافر کہتے ہیں۔ لہٰذا ان ہر دو اقوال کو جمع کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لئے کہ قول اول کے قائلین خود آپس میں متفق نہیں۔''

حضرت شاہ صاحبؒ کا اس تحقیق پر اعتراض:

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس میں کوئی خفا نہیں کہ علامہ خیالی کا جواب اول ایک ''عام'' اصول اور مسلمہ ضابطہ میں بغیر کسی دلیل کے ''تخصیص'' کرنے اور ''مطلق'' کو ''مقید'' بنانے کے مرادف ہے، اور دوسرا جواب اس پر مبنی ہے کہ دونوں قولوں کے قائلین الگ الگ ہیں، حالانکہ (واقعہ یہ نہیں ہے، بلکہ) جو لوگ اس

اصول کے قائل ہیں وہی عقیدۂ خلق قرآن پر سب وشتم پر، عالم کو قدیم ماننے پر، علم جزئیات کے انکار پر، تکفیر بھی کرتے ہیں (لہٰذا تضاد موجود ہے، اور جمع وتطبیق کی ضرورت باقی ہے)۔''

میر سید شریف کی تحقیق:

میر سید شریف ''شرح مواقف'' میں فرماتے ہیں:

''یاد رکھو! اہل قبلہ کو کافر نہ کہنا، یہ شیخ ابوالحسن اشعریؒ اور فقہاؒ کی تحقیق ہے، جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کرچکے ہیں، لیکن ہم جب گمراہ فرقوں کے عقائد کی چھان بین کرتے ہیں، تو ان میں بہت سے ایسے عقائد ملتے ہیں جو قطعاً موجب کفر ہیں، مثلاً:

۱:......اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور معبود کے وجود، یا کسی انسان میں اس کے ''حلول'' سے متعلق عقائد۔

۲:......یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے انکار، یا آپؐ کی توہین وذم سے متعلق عقائد واقوال۔

۳:......یا محرمات شرعیہ کو حلال اور فرائض شرعیہ کو ساقط قرار دینا۔

(لہٰذا ہم شیخ اشعری اور فقہا کے اس اصول سے اتفاق نہیں کرسکتے، بلکہ اگر کوئی مسلمان فرقہ موجب کفر عقائد واعمال واقوال کو اختیار کرے گا تو ہم اس کو ضرور کافر کہیں گے، اگرچہ وہ قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتا اور خود کو مسلمان کہتا ہو)۔''

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق:

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

''(اہل قبلہ سے ہر قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے والا مراد نہیں بلکہ) تحقیق یہ ہے کہ اس مذکورہ بالا مشہور و معروف مقولہ میں ''اہل قبلہ'' سے وہ لوگ مراد ہیں جو ضروریاتِ دین کا انکار نہ کرتے ہوں (گویا قبلہ دین سے کنایہ ہے، مراد دین کو ماننے والے لوگ) نہ کہ وہ شخص جو صرف قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتا ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

''لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ...الخ''

ترجمہ:......''نیکی اور دینداری صرف یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی جانب منہ پھیر لو، بلکہ نیک (اور دیندار) وہ شخص ہے جو اللہ (کی ذات و صفات) پر اور یوم آخر (یعنی حیات بعد الموت اور جزائے اعمال) پر ایمان رکھتا ہو....الخ۔''

ضروریاتِ دین:

لہٰذا جو شخص ضروریاتِ دین کا انکار کرتا ہے، وہ اہل قبلہ (اور مسلمان) رہتا ہی نہیں، اس لئے کہ محققین کے نزدیک ضروریاتِ دین صرف تین (قسم کے امور) ہیں:

ا:......کتاب اللہ کی آیات کا مدلول (مصداق) بشرطیکہ وہ ایسی صریح نصوص ہوں جن میں کوئی تاویل ممکن نہیں، مثلاً ماؤں اور بیٹیوں کی حرمت (یعنی ان سے نکاح حرام ہونا)، شراب اور جوئے کی حرمت، یا اللہ تعالیٰ کے لئے علم، قدرت، ارادہ اور

کلام وغیرہ صفات کو ثابت کرنا (یعنی ماننا)، یا مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین (سب سے پہلے ایمان لانے والے صحابہؓ) سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا عقیدہ اور یہ کہ ان کی تحقیر وتوہین (کسی صورت میں بھی) جائز نہیں ہے۔

۲:...... لفظی اور معنوی متواتر احادیث خواہ اعتقادیات سے متعلق ہوں، خواہ اعمال واحکام سے، وہ احکام خواہ فرض ہوں، خواہ نفل، مثلاً اہل بیت رسول اللہ سے محبت کا فرض ہونا، خواہ وہ حضورؐ کی ازواج مطہراتؓ ہوں، خواہ صاحبزادیاںؓ، جمعہ، جماعت، اذان اور عیدین (وغیرہ شعائر دین) کو ماننا۔

۳:...... وہ امور جن پر قطعی طور سے امت کا اجماع منعقد ہوچکا ہے، مثلاً صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت (کے برحق ہونے) کا عقیدہ اور اس کے علاوہ امت کے باقی اجماعی عقائد واحکام۔

جو شخص ان امور کو نہیں مانتا، اس کا ایمان معتبر نہیں:

فرماتے ہیں: اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو شخص اس قسم کے عقائد واحکام کا انکار کرتا ہے، اس کا ایمان کتاب اللہ اور انبیاؑ پر بھی معتبر نہیں، اس لئے کہ (مثلاً) قطعی اجماع کو غلط کہنا پوری امت کو گمراہ کہنے کے مرادف ہے، اور (درج ذیل) قرآن کریم کی آیات کریمہ اور احادیث نبویہ کا انکار ہے:

۱:...... "کُنتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ."

(آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ:...... "تم وہ بہترین امت ہو جس کو لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔"

۲:...... "وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ." (النسآ:۱۱۵)

ترجمہ:....... ”جو کوئی ہدایت کے ظاہر و واضح ہوجانے
کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مؤمنین کی راہ کے علاوہ اور
کوئی راہ اختیار کرے گا۔“

۳:......”لا تجتمع امتی علی الضلالة.“

ترجمہ:.......”(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)
میری امت گمراہی پر مجتمع اور متفق نہ ہوگی۔“

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث ازروئے معنی متواتر ہے، لہٰذا اس قسم کے امور کا منکر اہل قبلہ (مسلمان) ہے ہی نہیں۔

ضروریاتِ دین کی تعریف:

چنانچہ بعض علمائ نے ”ضروریاتِ دین“ کی تعریف یہ کی ہے: ”وہ عقائد و احکام جن کے دین ہونے کا علم مسلم اور غیر مسلم سب کو یکساں ہو۔“

اس تعریف کے متعلق حضرت مصنفؒ کی رائے:

مصنف علیہ الرحمة فرماتے ہیں: ہماری نظر سے جو کتابیں گزری ہیں ان میں تو ”ضروریاتِ دین“ کی تعریف یہ کی گئی ہے: ”وہ عقائد و احکام جن کا علم ہر خاص و عام (عالم و جاہل) کو یکساں ہو۔“

شیخ ابوالحسن اشعریؒ کے مقولہ کے متعلق شاہ صاحبؒ کی رائے:

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: مختصر یہ ہے کہ شیخ ابوالحسن اشعریؒ اور فقہا کا یہ قول: ”لا نکفر احدًا من اهل القبلة.“ ایک مجمل (اور محتاج تفصیل) کلام ہے، یہ اپنے عموم پر بے شک باقی ہے، لیکن اہل قبلہ اور غیر اہل قبلہ کی تعیین و تمیز نہایت اہم تفصیل کو چاہتی ہے کہ اہل قبلہ کون ہے اور کون نہیں؟ (جس کا حاصل اور تحقیق وہی ہے جو اوپر گزر چکی)۔

اجتہادی مسائل کے منکرین کی تکفیر جائز نہیں:

فرماتے ہیں: ہاں بعض فقہانے جو ایسے اجتہادی مسائل کے منکرین کی تکفیر کی ہے، جو ایک گروہ کے نزدیک مشہور ومعروف ہیں، ایک گروہ کے نزدیک نہیں، مثلاً کُسم میں رنگے ہوئے (گیروے رنگ کے) کپڑے پہننے کی حرمت وغیرہ یہ تکفیر نہایت رکیک ہے اور یہ طریقہ غلط مسلک ہے۔

ایک اور نظریہ:

بعض فقہانے اصول اور فروع میں فرق کیا ہے، چنانچہ اصولی عقائد واحکام کے منکرین کو کافر کہتے ہیں اور فروعی عقائد واحکام کے منکرین کو کافر نہیں کہتے۔

اس نظریہ کے متعلق شاہ صاحبؒ کی رائے:

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

"اگر ان حضرات کی مراد نفس اعمال ہیں (یعنی جو شخص اصولی عقائد واعمال کا انکار کرے وہ اہل قبلہ نہیں ہے) تو ٹھیک ہے ہم اس نظریہ کو خوش آمدید کہتے ہیں، اور اگر ان کی مراد ان اعمال کے فرض یا سنت وغیرہ ہونے کا اعتقاد ہے، (یعنی نفس اعمال کا تو انکار نہ کرے، مگر ان کے فرض یا سنت ہونے کا انکار کرے) تو ہم اس اصول اور فروع کے فرق کو نہیں مانتے، اس لئے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص مثلاً زکوٰۃ کے فرض ہونے، عہد کو پورا کرنے کے واجب ہونے، پنجگانہ نمازوں کے فرض اور اذان کے مسنون ہونے کا منکر ہو وہ یقیناً کافر ہے۔ ابتدائے اسلام میں مانعین زکوٰۃ سے باتفاق صحابہؓ جنگ کرنا اس کا واضح ثبوت ہے (کہ جو شخص فرائض شرعیہ میں سے کسی بھی

فرض کی فرضیت کا انکار کرے) اگرچہ اصل عمل کا انکار نہ بھی کرے وہ کافر ہے)۔“

کفر تاویلی:

فرماتے ہیں:

”ہاں بعض احکام میں کفر تاویلی معتبر ہوتا ہے (یعنی مؤول کسی تاویل کی بنا پر انکار کرتا ہے، اس لئے اس کو کافر نہیں کہا جاتا)، لیکن ایسے واضح اور روشن امور میں تاویل نہیں سنی جاتی، جیسا کہ مانعین زکوٰۃ کی تاویل نہیں سنی گئی، جو قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کرتے تھے: ”اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ.“ (بے شک آپؐ کی نماز (دعا) ان کے لئے سکون کا موجب ہے)۔ (یعنی مانعین زکوٰۃ کہتے تھے جس طرح آپؐ کی نماز (دعا) کا موجب سکون ہونا، آپؐ کے ساتھ مخصوص تھا اسی طرح: ”خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَةً تُطَھِّرُھُمْ.“ (آپؐ ان کے مال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) لیجئے، یہ صدقہ ان کے اموال کو پاک کردے گا)۔ کا حکم بھی آپؐ کے ساتھ مخصوص تھا، اسی طرح فرقہ ”حروریہ“ یعنی خوارج کی تاویل نہیں سنی گئی جو ”اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ.“ (حکم صرف اللہ کے لئے ہی ہے) کی بنا پر ”تحکیم“ کے باطل اور موجب کفر ہونے پر استدلال کرتے تھے (اور ان تمام صحابہ کرامؓ کو کافر کہتے تھے جنہوں نے حَکَم کی تجویز کو قبول کیا)۔“

کن امور پر تکفیر نہ کرنی چاہئے:

فرماتے ہیں:

''باقی قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ، یا اللہ کی رؤیت کا انکار (محال سمجھ کر)، یا اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو بطور کلی تسلیم کر لینے کے بعد ہر ہر جزئی کے تفصیلی علم کے انکار، ایسے نظری اور استدلالی امور پر کسی کو کافر کہنے کا اقدام نہ کرنا چاہئے، اس لئے کہ ان امور کے مخالفین قرآن و حدیث کی کسی صریح اور قطعی نص کا انکار نہیں کرتے (یعنی یہ امور ایسی واضح اور قطعی نصوص سے ثابت نہیں جن میں فی نفسہٖ تاویل کی گنجائش نہ ہو اور جس حد تک نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں اس کا اعتراف کرتے ہیں)۔''

ایک اعتراض اور اس کا جواب کفر اور ایمان میں تقابل عدم و ملکہ ہے:

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

''اگر یہ کہا جائے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ اہل قبلہ سے وہی لوگ مراد ہیں جو تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق کرتے ہوں اور اہل قبلہ کا لفظ اس پر کیونکر دلالت کرتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کفر اور ایمان ایک دوسرے کے مقابل ہیں، اور ان میں تقابل ''عدم و ملکہ'' کا ہے، اس لئے کہ ''کفر'' کے معنی ہیں عدم ایمان، اور جن دو چیزوں میں ''عدم و ملکہ'' کا تقابل ہوتا ہے ان کے درمیان مصداق کے اعتبار سے

واسطہ (یعنی تیسری صورت) نہیں ہوتا، اگرچہ فی نفس الامر واسطہ ممکن ہو، مثلاً نابینا اور بینا کہ نابینا اس شخص کو کہتے ہیں جس کو بینا ہونا چاہئے مگر نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ جس مخلوق کو بینا ہونا چاہئے وہ دو حال سے باہر نہیں، بینا ہوگا یا نابینا، یہ ممکن نہیں کہ وہ نہ بینا ہو اور نہ نابینا، بلکہ کوئی تیسری حالت ہو، اسی طرح اس میں شبہ نہیں کہ ایمان کا وہ شرعی مفہوم جو قرآن و حدیث اور تفسیر و عقائد و کلام کی کتابوں میں معتبر ہے، وہ یہی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان تمام امور دینیہ میں تصدیق کرنا جس کے متعلق قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو کہ آپؐ (بحیثیت رسول) ان کو لے کر آئے ہیں، اور ایسے شخص کا تصدیق کرنا جو اس تصدیق کا اہل ہو (یہ قید اس لئے کہ یہ تینوں عقل و خرد اور علم و معرفت سے عاری اور نااہل ہیں اس لئے نہ یہ ایمان کے مکلّف (اہل) ہیں اور نہ ان کا ایمان معتبر ہے)۔

یہ تو ''ایمان'' کی تعریف ہوئی، اور ''کفر'' کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص اس تصدیق کا اہل ہو وہ ان امور شرعیہ میں رسول اللہ کی تصدیق نہ کرے، جن کو وہ یقینی طور پر جان سکتا ہے کہ آپؐ ان کو لے کر دنیا میں آئے ہیں۔''

فرماتے ہیں:

''کفر کی یہ تعریف بعینہٖ وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنا کفر ہے اور منکر کافر ہے (لہٰذا کسی بھی امر ضروری کے منکر کو مسلمان اور اہل قبلہ نہیں کہا جاسکتا)۔''

کفر کی چار قسمیں:

فرماتے ہیں:

”ہاں اس تصدیق نہ کرنے کے چار مرتبے (اور صورتیں) ہیں:

۱:......”کفر جہل“ (جہالت پر مبنی کفر) یعنی رسول اللہ کی ان امور میں، جن کو لے کر آپؐ کا دنیا میں آنا یقینی اور قطعی ہے، تکذیب (اور انکار) کرنا، اس علم و یقین کے ساتھ کہ آپؐ (اس منکر کے زعم کے مطابق) اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں، ابوجہل اور اس کے ہمنواؤں کا کفر اسی قسم کا ہے۔

۲:......”کفر جحد و عناد“ (عناد اور جحود (جان بوجھ کر نہ ماننے) پر مبنی کفر) یعنی یہ جانتے ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعووں میں بالکل سچے ہیں، پھر محض ضد اور عناد کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہنا، یہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا کفر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اَلَّذِیْنَ آتَیْنَاهُمُ الْکِتَابَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآئَهُمْ.“ (البقرہ:۱۴۶، الانعام:۲۰)

ترجمہ:......”جن کو ہم نے آسمانی کتاب دی ہے وہ آپؐ کو ایسے ہی (نبی برحق) پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (کہ یہ ہمارے بیٹے ہیں)۔“

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

”وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا

وَّعُلُوًّا۔" (النمل:۱۴)

ترجمہ:......"(ان اہل کتاب نے) محض ہٹ دھرمی اور تکبر کی بنا پر آپ کی نبوت کا انکار کردیا حالانکہ ان کے نفسوں کو آپ کی نبوت کا یقین کامل ہے۔"

فرماتے ہیں: ابلیس لعین کا کفر بھی اسی قسم کا ہے۔

۳:......"کفر شک" (وہ کفر جو شک و تردد پر مبنی ہو) جیسا کہ اکثر منافقین کا کفر ہے (کہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے میں تردد تھا)۔

۴:......"کفر تاویل" (وہ کفر جو کسی تاویل پر مبنی ہو) یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کی وہ مراد بتلانا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد نہیں (جیسے اللہ سے، "واطیعوا اللہ" میں "مرکزِ طاعت" مراد لینا) یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو "تقیہ" یا "مصلحت" کی رعایت پر محمول کرنا (جیسے شیعہ اور روافض ان احادیث کی تاویل کرتے ہیں جو افضلیت شیخینؓ سے متعلق ہیں)۔"

نتیجہ بحث:

فرماتے ہیں:

"چونکہ (نماز میں) قبلہ کی جانب رُخ کرنا ایمان (اور مؤمنین) کی خصوصیات میں سے ہے، خواہ ازروئے عقیدہ "خاصہ شاملہ" کہیے، خواہ ازروئے عمل "خاصہ غیر شاملہ" اس لئے علمائے نے اپنے اقوال میں اہل ایمان کو اہل قبلہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ حدیث مندرجہ ذیل میں "مصلّی" (نمازی) کنایہ

مسلمان سے ہے۔ "نهيت عن قتل المصلين." (مجھے نماز پڑھنے والوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے)۔ اس حدیث میں "مصلین" سے یقیناً مؤمنین مراد ہیں۔

علاوہ ازیں قرآن کریم کی مذکورہ ذیل نص صریح بتلاتی ہے کہ اہل قبلہ وہی لوگ ہیں جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان تمام امور میں تصدیق کرنے والے ہیں جن کو آپؐ کا (بحیثیت پیغمبر) لے کر آنا یقینی طور پر معلوم ہے۔

"وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ." (البقرہ:۲۱۷)

ترجمہ:...... "اور اللہ کی راہ (دین) سے لوگوں کو روکنا، اور اس کا انکار کرنا، اور مسجد حرام سے روکنا اور اہل حرم کو حرم سے نکالنا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا کفر ہے۔"

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: کفر کی یہ چار قسمیں جو حضرت شاہ صاحب نے بیان فرمائی ہیں "معالم التنزیل" وغیرہ تفاسیر میں بھی آیت کریمہ: "اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ... الخ." کے ذیل میں مذکور ہیں، نیز "نہایہ" ابن اثیرؒ میں ان کا ذکر موجود ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ سے ایک استفتا اور اس کا جواب، "رکیک تاویلات" کرنے والے کا حکم:

"فتاویٰ عزیزی" میں ج:۱ ص:۱۵۶ پر فرماتے ہیں:

"سوال:...... زید حدیث شریف کے معنی میں ایسی رکیک اور بے سر و پا تاویلات کرتا ہے جن سے حدیث کا انکار

لازم آجاتا ہے، فقہی احکام کی رو سے زید پر کیا گناہ لازم آتا ہے؟ بیان فرمائیں!

جواب:……قرآن و حدیث کی تفسیر اور معنی بیان کرنے کے لئے سب سے پہلے علم صرف ونحو ولغت و اشتقاق، معانی و بیان اور علم فقہ، اصول فقہ، عقائد و کلام، نیز احادیث و آثار، تاریخ و سیرت کا علم حاصل ہونا ضروری ہے۔ ان علوم کو حاصل کئے بغیر قرآن و حدیث کے معنی بیان کرنے کی جرأت کرنا، ہرگز جائز نہیں ہے، علاوہ ازیں ہر صاحب مذہب قرآن و حدیث سے ہی (اپنے مسلک کی حقانیت پر) استدلال کرتا ہے اور اپنے مخالفین کے شبہات (و اعتراضات) کا جواب دینے کے لئے تاویل پر مجبور ہوتا ہے، اور قرآن و حدیث میں اپنے مذہب کے موافق تاویل کو حق سمجھتا ہے (کہ جو مطلب قرآن و حدیث کا میں نے سمجھا ہے وہی صحیح ہے) اور اپنے مذہب کے خلاف معنی کو باطل سمجھتا ہے، (ایسی صورت میں) حق و باطل کی معرفت کا معیار ''صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فہم'' ہے، اس لئے کہ حضرات صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ تعلیم کے وقت حالی اور مقالی قرائن کی مدد سے جو کچھ سمجھا، اور حضورؐ نے اس کی صراحتاً تغلیط نہیں فرمائی، وہی حق ہے اور واجب القبول۔

لہٰذا یہ رکیک تاویلات کرنے والا اگر پہلے فریق سے ہے (یعنی علوم ضروریہ کی تعلیم سے کورا اور ناواقف ہے) تو اس کے حق میں تو (احادیث میں) شدید وعید آئی ہے، حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

”من فسر القرآن برأیه فلیتبوء مقعده من النار.“

(اتحاف ج:۱ ص:۲۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت۔ ترمذی ج:۲ ص:۱۱۹ ابواب التفسیر)

ترجمہ:...... ”جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنالے۔“

اس معاملہ (بیانِ مراد) میں قرآن و حدیث کا حکم ایک ہے، اس لئے کہ انہی دونوں پر دین کی بنیاد قائم ہے، علاوہ ازیں عربی زبان میں حقیقت بھی ہے، مجاز بھی، ظاہر بھی ہے اور مؤول بھی، ناسخ بھی اور منسوخ بھی (تو ایک جاہل انسان کس طرح ان میں سے کسی ایک کو متعین کرسکتا ہے؟ اور اس کا فیصلہ اور سمجھ کیسے معتبر ہوسکتی ہے؟)۔

اور اگر یہ تاویل کرنے والا دوسرے فریق میں سے ہے (یعنی علوم مذکورہ کا عالم ہے اور صحابہؓ و تابعینؒ کے بیان کردہ معنی اور مراد کے خلاف کوئی اور معنی و مراد بتلاتا ہے) تو یہ شخص ”مبتدع“ ہے، لہٰذا اس کی بدعت (تاویل) پر غور کرنا پڑے گا، اگر قطعی دلائل یعنی متواتر نصوص اور قطعی اجماع کے خلاف تاویل کرتا ہے تو اس کو کافر سمجھنا چاہئے اور اگر ظنی یعنی قریب بہ یقین دلائل کا خلاف کرتا ہے، مثلاً حدیث مشہور اور اجماع عرفی کا مخالف ہے تو اس کو فاسق اور گمراہ کہا جاسکتا ہے کافر نہیں، اور اگر اختلاف کرنے والا ان دونوں فریقوں میں سے نہیں ہے تو اس کے اختلاف کو ”اختلاف امتی رحمة“ کے قبیل سے سمجھنا

چاہئے۔

لیکن ان تینوں مرتبوں اور فریقوں میں فرق و امتیاز کرنے کے لئے بہت بڑے وسیع علم کی ضرورت ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ رکیک تاویلات کرنے والا شخص زید جاہلوں اور نادانوں کے فریق میں سے ہے، لہٰذا اس کو ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے سلسلہ میں جو زجر و وعید اور جہنمی ہونے کا استحقاق احادیث میں وارد ہوا ہے، اس سے آگاہ کرکے اس برے کام سے باز رکھنا چاہئے، اور عوام الناس کو سخت تاکید کردینی چاہئے کہ اس شخص سے گفتگو نہ کریں اور نہ اس کی بات سنیں۔ اور اگر یہ دوسرے فرقے (مبتدعہ) میں سے ہے اور اس کا مذہب معلوم ہے، مثلاً وہ رافضی، خارجی یا معتزلی ہے، یا فرقہ مجسمہ سے تعلق رکھتا ہے تو عامۃ المسلمین پر اس کے مذہب و مسلک کی حقیقت کو ظاہر کردینا چاہئے (تاکہ لوگ اس کے پاس نہ جائیں اور اس کی بات نہ سنیں) اور اگر وہ اپنے گمراہ عقائد کو مسلک اہل حق کے لباس میں پیش کرتا اور چھپاتا ہے تو اس کی تاویلات وتوجیہات کو ہمارے پاس لکھ کر بھیج دیں، تاکہ ہم اس کا حکم لکھ کر روانہ کردیں، والسلام!''

مسجدوں سے ملحدوں کا اخراج اور داخل ہونے کی ممانعت

حدیث سے ثبوت:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ تفسیر ''روح المعانی'' وغیرہ میں آیت کریمہ: ''سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ'' کی تفسیر کے تحت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت مذکور ہے، ابن ابی حاتمؒ نے اور طبرانیؒ نے ''اوسط'' میں اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے اس کی تخریج کی ہے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ اسی اثنا میں آپؐ نے فرمایا: ''اے فلاں تو کھڑا ہو، تو منافق ہے، ابھی مسجد سے نکل جا، اے فلاں تو کھڑا ہو، تو بھی منافق ہے، ابھی مسجد سے نکل جا۔'' غرض آپؐ نے ایک ایک منافق کا نام لے کر مسجد سے نکال دیا اور علی الاعلان رسوا فرمایا۔''

ابن مردویہؒ کی روایت میں ابو مسعود انصاریؓ سے مروی ہے کہ:

> ''اس روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منبر پر کھڑے

کھڑے ۳۶ منافقوں کو نام بنام کھڑا کر کے مسجد سے نکال دیا۔''(۱)

تفسیر ''ابن کثیر'' میں بھی یہ روایت مذکور ہے، ابن اسحٰقؒ نے ''سیرت'' میں ان منافقوں کا نام بنام اس طرح ذکر کیا ہے کہ تمام مجرم الگ اور ممتاز ہوگئے اور نام گنانے کے بعد ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ: ''یہ منافق مسجد نبوی میں ہمیشہ آیا کرتے اور مسلمانوں کی باتیں سنا کرتے تھے (اور مخبری کرتے تھے)، نیز مسلمانوں کا اور ان کے دین کا (آپس میں) مذاق اڑایا کرتے تھے، چنانچہ ایک دن اس گروہ کے کچھ آدمی مسجد نبوی میں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا یہ لوگ سر سے سر ملائے چپکے چپکے باتیں کر رہے ہیں، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد سے نکال دینے کا حکم دیا، چنانچہ بڑی سختی کے ساتھ یہ لوگ مسجد سے نکال دیئے گئے۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: یہی نہیں بلکہ اس شخص (ذی الخویصرہ) کے لئے تو نماز کی حالت میں قتل کردینے کا حکم دینا بھی ثابت ہے، جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''یہ اور اس کے ساتھی قرآن تو پڑھتے ہیں مگر وہ ان کے حلقوم سے آگے نہیں بڑھتا، یہ لوگ دین سے غیر محسوس طریق پر نکل جائیں گے۔'' (مگر وہ شخص اتفاق سے کہیں غائب ہوگیا، اس لئے بچ گیا) امام احمدؒ نے ''مسند احمد'' ج:۳ ص:۱۵ پر اس روایت کی تخریج کی ہے، اور حافظ ابن حجرؒ ''فتح الباری'' میں ج:۱۲ ص:۲۶۵ پر فرماتے ہیں:

''اس روایت کی سند بہت عمدہ ہے، اور جابر رضی اللہ

---

(۱) حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ: حضرت کعبؓ کی حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ وہ (منافقین) سب کے سامنے ممتاز ہوگئے (گاو سرخ پیشانی کی طرح نکو بن گئے) جیسا کہ ''صحیح بخاری'' میں ص:۶۳۲ پر ''غزوۂ تبوک'' کے ذیل میں اسی طرح کی تصریح حضرت حذیفہؓ کی روایت میں بھی موجود ہے، دیکھئے ''صحیح بخاری'' (ص:۶۷۲، ۸۱۳) (لہٰذا حدیث میں کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا)۔

عنہ کی روایت اس کی مؤید ہے، جس کی تخریج ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں کی ہے، اس کے راوی بھی سب ثقہ ہیں۔"

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: بلکہ "کنزالعمال" ج:۵ ص:۲۹۸ اور "مستدرک حاکم" ج:۳ ص:۴۵ میں ابن ابی سرح وغیرہ کو تو مسجد حرام میں بھی قتل کردینے کا حکم وارد ہے۔ یہ ابن ابی السرح مردود کہا کرتا تھا کہ: "اگر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاس وحی آتی ہے تو میرے پاس بھی ضرور وحی آتی ہے۔"(۱)

قرآن سے ثبوت:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں(۲): قرآن حکیم میں بھی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللهِ

---

(۱) حضرت مصنف رحمہ اللہ بین السطور میں (سطروں کے درمیان) لکھتے ہیں: "شرح مواہب" (لدنیہ) کے اندر باب "فتح مکہ" کے ذیل میں بھی (یہ واقعہ) اسی طرح بیان کیا ہے، اسی طرح حافظ ابن تیمیہؒ نے "فتاویٰ ابن تیمیہ" کی چوتھی جلد میں صفحہ:۲۳۹ پر اس آیت کریمہ کی تفسیر میں کچھ لکھا ہے۔

(۲) نیز حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہی (قادیانیوں) میں سے ایک ملحد سے مجھے سابقہ پڑا، اس نے کہا: "ہمارا تو قرآن پر ایمان ہے اور قرآن میں آیا ہے: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ...الخ." (اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں (میں داخل ہونے سے مسلمانوں) کو روکے (اور منع کرے)۔" میں نے اس کے جواب میں کہا: ہمارا بھی قرآن پر ایمان ہے، اور قرآن میں آیا ہے: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ." (اور اس سے بڑھ کر ظالم (کافر) کون ہے جو اللہ پر بہتان لگائے (کہ اللہ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے) یا یہ کہے (دعویٰ کرے) میرے پاس وحی بھیجی گئی ہے، حالانکہ اس کے پاس مطلق کوئی وحی نہیں بھیجی گئی) تو آیت سن کر وہ کافر مبہوت رہ گیا، جیسے اسے سانپ سونگھ گیا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ.... اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ....الخ.“ (التوبہ:۱۷، ۱۸)

ترجمہ:......”مشرکوں کو اپنے خلاف کفر کی شہادت دیتے ہوئے اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد

(گزشتہ سے پیوستہ)

یہ یوپی کے مشہور شہر میرٹھ کا واقعہ ہے، وہاں مسلمانوں نے قادیانیوں کو مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا تھا کہ تم مسلمان نہیں کافر ہو، تم مسجد میں نہیں داخل ہوسکتے۔ مرزائیوں نے مسلمانوں کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کردیا، حاکم عدالت ایک عیسائی جج تھا، اس نے کہا: ”میں فریقین کے علماءٔ کے بیانات سننا چاہتا ہوں۔“ چنانچہ مرزائیوں کے بڑے بڑے جغادری مناظر جمع ہوگئے اور عدالت میں مناظرہ طے پایا۔

مسلمانوں نے حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کو دیوبند سے بلایا، آپ معاملہ کی نزاکت محسوس کرکے مقررہ تاریخ پر میرٹھ تشریف لے آئے، مرزائیوں کی طرف سے مشہور ومعروف پرانا گھاگ مرزائی .... مناظر تھا، اس نے عدالت کے کمرے میں بڑے جوش وخروش کے ساتھ مذکورہ بالا پہلی آیت پڑھی اور کہا کہ ہم مسلمان ہیں، مگر ہمارے مخالف ہمیں مسجد میں داخل ہونے سے روکتے ہیں، یہ اقدام قرآن کے حکم کے صریح خلاف ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نہایت آہستگی اور متانت و وقار کے ساتھ کھڑے ہوئے اور اس کے جواب میں مذکورہ بالا دوسری آیت پڑھ دی کہ تم مسلمان نہیں ہو، اس لئے کہ تم مرزا غلام احمد کو صاحب وحی والہام نبی مانتے ہو، اس لئے اس آیت کریمہ کی رو سے مرزا بھی کافر اور تم بھی کافر ہو، لہٰذا مسلمان تم کو مسجد میں داخل ہونے سے روکنے میں بالکل حق بجانب ہیں، اس لئے کہ قرآن کریم کی آیت کریمہ: ”اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ.“ میں مسجد میں داخل ہونے کے حق کو مؤمنوں کے اندر محدود ومنحصر کردیا ہے، مسلمان قرآن کے اسی صریح حکم پر عمل کررہے ہیں، اس لئے بحکم قرآن تم مسجد میں نہیں داخل ہوسکتے۔

یہ تقریر اور استدلال سن کر اس کہنہ مشق مناظر کی ایسی سٹی گم ہوئی کہ جواب میں ایک لفظ کہے بغیر جوتے بغل میں داب یہ جا وہ جا، جج نے مقدمہ خارج کردیا اور مرزائی اس واقعہ کے بعد ایسے ذلیل وخوار ہوئے کہ برسوں کسی کے سامنے خود کو مرزائی کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

کریں ...... اللہ کی مسجدوں کو تو صرف وہی لوگ آباد کرتے ہیں
جو اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہیں..... الخ۔"
فرماتے ہیں: اور اگر بالفرض یہ کوئی مسجد تعمیر کرتے بھی تو وہ شرعاً مسجد نہ ہوتی (جیسے مسجد "ضرار" کہ وہ اللہ کے حکم سے ڈھادی گئی، اس لئے کہ وہ مسجد نہ تھی)۔

جو مستحق تکفیر ہے اس کا حکم مرتد کا سا ہے:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "تنویر الابصار" میں "ذمیوں کی وصیتوں" کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"گمراہ فرقہ کا کوئی آدمی اگر اپنی گمراہی کی بنا پر تکفیر کا مستحق نہیں ہے تو وصیت کے بارے میں اس کا حکم مسلمان کا سا ہے، اور اگر تکفیر کا مستحق ہے تو اس کا حکم مرتد کا سا ہے (کہ اس کا کوئی تصرف معتبر نہیں ہوتا)۔"

خلاصۂ کتاب

تصنیف رسالہ ہٰذا کا مقصد:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: یہ رسالہ مذکورہ ذیل احکام شرعیہ کو ثابت کرنے کے لئے لکھا گیا ہے:

۱:.....ضروریاتِ دین (دین کے قطعی اور یقینی عقائد و احکام) میں کوئی تصرف، تاویل اور ان کی جو مراد اب تک امت نے سمجھی ہے، اس کے علاوہ کوئی اور مراد بتلانا، اور ان کی جو عملی صورت تواتر سے ثابت ہے، اس سے نکال دینا، سب کفر کا موجب ہے، اس لئے کہ وہ لفظی یا معنوی متواتر نص جس کے معنی اور مراد کھلی ہوئی اور واضح ہو (جس طرح کے الفاظ اور معنی متواتر ہوتے ہیں، ایسے ہی) اس کی مراد بھی متواتر ہوتی ہے، لہٰذا اس مراد میں کوئی بھی تاویل کرنا (اور مراد کو بدلنا) شریعت کے ایک یقینی امر کو رد کرنے کے مرادف اور کھلا ہوا کفر ہے) اگرچہ مؤول (براہِ راست) صاحب شریعت کی تکذیب یا اس کا ارادہ نہ بھی کرے۔

۲:......اور یہ کہ اس شخص کا حکم یہ ہے کہ (یہ کافر ہوگیا) اس سے توبہ کرائی جائے (اگر توبہ نہ کرے تو کفر کا حکم لگادیا جائے، اسلامی حکومت ہو تو اس کو قتل کردیا جائے)۔

ایک زعم باطل کی تردید:

بعض علمائ کا خیال ہے کہ (محض توبہ کے لئے کہنا کافی نہیں ہے، بلکہ اس حد تک سمجھانا ضروری ہے کہ) اس کے دل میں یقین ڈال دیا جائے اور کلّی طور پر اس کو مطمئن کردیا جائے، اس کے بعد بھی اگر وہ راہِ عناد اختیار کرے تب کفر کا حکم لگایا جائے ورنہ نہیں۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ خیال قطعاً باطل ہے، اس لئے کہ اس نظریہ کے مطابق تو دین کی کوئی مستحکم اور غیر متبدل حقیقت ہی باقی نہیں رہتی، بلکہ دین محض انسانی رائے اور خیال کے تابع ہوکر رہ جاتا ہے اور نظر وفکر ہی دین کا مدار بن جاتے ہیں (گویا جس زمانہ کے لوگ اپنی رائے اور قیاس کے مطابق جس کو دین قرار دے دیں گے بس وہی دین ہوگا) اور یہ قطعاً باطل اور غلط ہے، بلکہ ''ضروریاتِ دین'' کا علیٰ حالہا برحق ہونا ایک طے شدہ حقیقت اور افہام وتفہیم سے بالاتر ہے (کسی کے باور کرنے نہ کرنے پر قطعاً موقوف نہیں) جو ان پر (بے چوں و چرا) ایمان لے آئے اور ان کو حق مان لے وہ اللہ کے دین کا متبع اور مؤمن ہے، اور جو ان کا انکار کرے اور نہ مانے (خواہ کسی بھی وجہ سے نہ مانے) وہ کافر ہے، خواہ کفر کا قصد کرے، یا نہ کرے، (جیسا کہ آیت کریمہ: ''اَلرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ....الخ.'' اس پر دال ہے کہ ''سمجھ میں آنے نہ آنے'' پر ایمان کا مدار نہیں ہے) صرف اجتہادی (اور اختلافی) مسائل میں رائے و قیاس (اور نظر وفکر) پر مدار ہوتا ہے (کہ ہر لائق اجتہاد عالم دین اپنی سمجھ اور رائے کے مطابق نصوص شرعیہ کی جو مراد اور معنی متعین کرتا ہے، اسی کو مانتا ہے اور اختیار کرتا ہے)۔

اور ''ضروریاتِ دین'' کے باب میں تو جیسے حقائق اشیائ کے منکر ''عنادیہ'' اور ''عندیہ'' کہلاتے ہیں اور ان میں شک اور تردد کرنے والے ''لا ادریہ'' اور ''شاکہ''

کہلاتے ہیں، ایسے ہی ''ضروریاتِ دین'' کے منکرین ''معاندین'' اور ''ملحدین'' کہلاتے ہیں، اور ان میں شک وتردد کرنے والے ''مترددین'' اور ''منافقین'' کہلاتے ہیں، اور سب کافر ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ، جہل عذر نہیں ہے:

فرماتے ہیں: اور جن علماً نے کلمۂ کفر سے ناواقفیت (کہ اس کلمہ کے کہنے سے انسان کافر ہوجاتا ہے) کو عذر قرار دیا ہے، ان کی مراد ضروریاتِ دین کے علاوہ دوسرے امور شرعیہ ہیں (مثلاً مسائل اختلافیہ یا نظریہ کہ ان میں ناواقفیت کی صورت میں منکر کو کافر نہیں کہا جاسکتا) جیسا کہ ''امر ثالث'' کے ذیل میں ہم ''فتح الباری'' کی عبارتوں کے فوائد کے سلسلہ میں اس پر متنبہ کرچکے ہیں، اسی طرح ''الاشباہ والنظائر'' اور اس کے حاشیہ کی نقول کے ذیل میں بھی اس کی تصریح گزر چکی ہے، ان تصریحات کے علاوہ ''خلاصۃ الفتاویٰ'' میں فرماتے ہیں:

> ''وجوہ کفر میں سے ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی زبان سے کلمہ کفر کہتا ہے اور اس کو یہ خبر نہیں کہ اس کلمہ کے کہنے سے انسان کافر ہوجاتا ہے، مگر وہ کہتا ہے اپنے قصد واختیار اور مرضی سے (کسی کے دباؤ یا جبر سے نہیں کہتا) تو جمہور علماً کے نزدیک یہ شخص کافر ہے اور ناواقفیت کی بنا پر اس کو معذور نہیں سمجھا جائے گا، صرف بعض علماً اس کے مخالف ہیں (اور وہ اس شخص کو ''معذور'' سمجھتے ہیں اور کافر نہیں کہتے)۔''

''مجمع الانہر'' میں ''البحر الرائق'' پر استدراک (تنقید) کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''لیکن ''درر'' میں تصریح کی ہے کہ زبان سے کلمۂ کفر

کہنے والا اگر اپنے اختیار اور مرضی سے کہتا ہے تو جمہور علماءؒ کے نزدیک وہ کافر ہے، اگرچہ اس کا یہ عقیدہ نہ ہو (کہ اس کلمہ کے کہنے سے انسان کافر ہوجاتا ہے) یا اس بات کو نہ جانتا ہو (کہ یہ کلمہ کفر ہے) اور ناواقفیت کی وجہ سے اس کو معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ صاحب ''درر'' نے اس قول کو ''محیط'' کے باب ''الکراہۃ'' اور باب ''الاستحسان'' کے حوالے سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''اور یہ اختلاف (کہ ناواقفیت عذر ہے یا نہیں؟) ضروریاتِ دین کے علاوہ دیگر امور (اجتہادیہ) میں ہے، ضروریاتِ دین میں تو کلمۂ کفر کہنے والے کا حکم صرف یہ ہے کہ (وہ کافر ہے) اس سے توبہ کرائی جائے (اگر توبہ کرلے تو فبہا ورنہ کافر قرار دے دیا جائے) باقی یہ (کلمۂ کفر کہنے والی اگر) عورت ہو تو اس سے صرف توبہ کرائی جائے گی۔''

مرتد مرد وعورت کا حکم:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں:

''معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو یمن (کا حاکم بناکر) بھیجا تو فرمایا: جو مرد اسلام سے پھر جائے (اول) اس کو اسلام لانے کی دعوت دینا، اگر وہ باز آجائے (اور ازسرنو مسلمان ہوجائے) تو فبہا ورنہ اس کی گردن ماردو، اسی طرح جو عورت اسلام سے پھر جائے اس کو بھی اسلام لانے کی دعوت دو، اگر

اسلام لے آئے تو فبہا ورنہ اس کو بھی قتل کردو۔“

حافظ فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند ”حسن“ (اچھی) ہے۔

حافظ جمال الدین زیلعی نے بھی اس حدیث کو تخریج ہدایہ (نصب الرایۃ) میں مسئلہ ثانیہ کے تحت ”معجم طبرانی“ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، مگر اس میں (مرتد عورت سے) صرف توبہ کرانے کا ذکر ہے (قتل کا ذکر نہیں ہے)۔

مصنفؒ فرماتے ہیں: مرتد عورت کے بارے میں احناف کا مذہب یہی ہے (کہ عورت کو قتل نہ کیا جائے) الّا یہ کہ مذکورۃ الصدر حدیث (جس میں مرتد عورت کے قتل کا حکم ہے) کا مصداق، سب وشتم کرنے والی عورت کو قرار دیا جائے، اس لئے کہ ”درمختار“ باب ”جزیہ“ کے آخر میں امام محمدؒ سے سب وشتم کرنے والی عورت کو قتل کردینے کی صریح روایت موجود ہے، (لہٰذا معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت کو اسی پر محمول کیا جائے) صاحب ”درمختار“ بحوالہ ”ذخیرہ“ نقل کرتے ہیں کہ امام محمدؒ نے سب وشتم کرنے والی عورت کے قتل کردینے پر عمیر بن عدیؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے (اسی حدیث میں آتا ہے) کہ عمیرؓ نے عصماءؔ بنت مروان کے متعلق سنا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (گالیاں دیتی اور) ایذا پہنچاتی ہے تو ایک دن رات کو (موقع پاکر) اسے قتل کرڈالا، تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیرؓ کی (غیرت ایمانی کی) تعریف فرمائی۔

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: اس روایت اور استدلال کو یاد رکھنا چاہئے (بہت کارآمد ہے)۔

زیلعی کی طرح ”کنز“ میں ج:۳ ص:۹۱ پر بھی یہی مذکور ہے، چنانچہ مصنف ”کنز“ ج:۳ ص:۹۱ پر الشافعی ش ق کے حوالے سے قابوس بن مخارق کی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو مسلمانوں کے بارے میں لکھا کہ: ”یہ زندیق ہوگئے ہیں۔“ الیٰ آخرہ، حضرت علیؓ نے

ان کو جواب میں لکھا کہ: ''جو دو آدمی زندیق ہوگئے ہیں، اگر وہ توبہ کرلیں تو فبہا ورنہ انہیں قتل کردو۔'' حافظ زیلعیؒ نے بھی ''تخریج'' میں باب ''موت المکاتب او عجزہ'' کے ذیل میں مذکورہ بالا روایت کی تخریج کی ہے، مگر اس میں صرف توبہ کرانے کا ذکر ہے (قتل کا ذکر نہیں)۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ (تمام مذکورہ بالا روایات کو سامنے رکھ کر) فرماتے ہیں: انسان کی قدرت میں تو یہی ہے (کہ توبہ کرالے، ایمان دل میں ڈال دینا اور مطمئن کردینا تو خدا کا کام ہے، لہٰذا مذکورہ علماً کا نظریہ ''تثلیج صدر'' صحیح نہیں، کیونکہ یہ انسانی قدرت سے باہر ہے)۔

دلوں میں ایمان ڈالنا اللہ کا کام ہے، ہم تو صرف توبہ کرانے کے مامور ہیں:

حضرت مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''صحیح بخاری'' ج ۱ ص:۱۸ کتاب العلم میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں ہے کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس ہدایت (دین) اور علم کو لے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے، وہ اس موسلا دھار بارش کی مانند ہے جو کسی خطۂ زمین پر برسی تو جو عمدہ اور صاف ستھری (زرخیز) زمینیں تھیں انہوں نے تو پانی کو اچھی طرح جذب کرلیا اور ان میں خوب گھاس چارے وغیرہ کی پیداوار ہوئی، اور کچھ سنگلاخ زمینیں تھیں، انہوں نے پانی اپنے اندر روک لیا (اور گڑھے تالاب حوض وغیرہ پانی سے بھر گئے) اور لوگوں نے خود بھی پیا، مویشیوں کو بھی پلایا اور کھیتوں کو بھی ان سے سیراب کیا، اور کچھ چٹیل میدان تھے (نہ انہوں نے خود

پانی جذب کیا کہ روئیدگی ہوتی اور نہ ہی ان میں پانی ٹھہر سکا کہ مخلوق اس سے سیراب ہوتی)۔" آخر میں آپؐ نے فرمایا: "یہ مثال اس شخص کی ہے جس نے اللہ کے دین کی سمجھ اور فہم و فراست حاصل کرلی اور میری آوردہ تعلیمات نے اس کو نفع پہنچایا، چنانچہ اس نے خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی علم دین سکھلایا، اور تیسری مثال اس شخص کی ہے جس نے اس علم دین کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور نہ اس ہدایت کو قبول کیا جو میں لے کر آیا ہوں۔"

مصنفؒ فرماتے ہیں: دیکھئے! اس حدیث میں، دین و ایمان یا کفر و خذلان کا مدار قبول کرنے یا نہ کرنے پر رکھا ہے، جو اپنی اپنی فطرت کے مطابق انسانوں کا اپنا اختیاری فعل ہے، نہ کہ دلوں میں ایسا ایمان و یقین پیدا کر دینے پر کہ جس کے بعد بس جحود و عناد کا مرتبہ ہی رہ جائے، اسی لئے بعض علمائے نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس دعوت و تبلیغ کے بعد بھی اعراض و انکار کرنا یہی ہٹ دھرمی اور ضد (جحود و عناد) ہے، خواہ منکر کا قصد عناد ہو یا نہ ہو، (یعنی دعوت و تبلیغ حق کے بعد اعراض و انکار کرنا ہی جحود و عناد ہے)۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سعدی شیرازی رحمہ اللہ کا یہ شعر اسی حدیث کی تمثیل پر مبنی ہے:

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم وخس

ترجمہ:......"وہ بارش جس کی طبعی لطافت اور خوبی سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا، اسی بارش سے باغ دراغ میں لالہ وگل اُگتے ہیں اور شور و بنجر زمین میں خارزار اور جھاڑیاں۔"

(جیسے یہ زمینوں کی سرشت کا فرق ہے، ایسا ہی فرق کافر اور مؤمن کی فطرت میں موجود ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے: ''یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا۔'' میں اسی فرق کو واضح فرمایا ہے۔)

شیخ ابن ہمام ''تحریر الاصول'' میں منکرِ رسالت کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''ثبوتِ نبوت کے متواتر دلائل کے بعد رسالت کا انکار کرنے والے سے کسی مناظرہ کی ضرورت نہیں، بلکہ توبہ نہ کرے تو ہم اس کو قتل کردینے کا حکم دے دیں گے۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: مختصر یہ ہے کہ تبلیغ حق سے زیادہ ہم پر اور کچھ لازم نہیں، جیسا کہ کافروں سے جہاد کے وقت صرف اسلام کی دعوت کافی ہے۔

توبہ کس سے کرائی جائے؟ اور کس سے نہیں؟

حضرت علیؓ کا فیصلہ:

فرماتے ہیں: اور یہ مسئلہ تو تمام ائمہ دین سے متفقہ طور پر منقول ہے، چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ''الصارم المسلول'' میں فرماتے ہیں:

> ''اس مسئلہ کے ثبوت کے لئے (کہ مرتد سے توبہ کے لئے کہنا بھی ضروری نہیں) ابوادریس کی مذکورہ ذیل روایت کافی ہے:
>
> ابوادریس خولانیؒ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے سامنے چند ایسے زندیق لوگ پیش کئے گئے جو اسلام سے پھر گئے تھے، حضرت علیؓ نے ان سے دریافت کیا (کہ کیا واقعی تم لوگ دین سے پھر گئے ہو؟) انہوں نے (ارتکابِ جرم سے) صاف انکار کردیا، تب (استغاثہ کی جانب سے) ان کے خلاف ثقہ اور

عادل گواہ پیش کیے گئے، حضرت علیؓ نے (ان گواہوں کی شہادت کی بنا پر) ان کو قتل کرنے کا حکم دے دیا، اور ان سے توبہ نہیں کرائی (اس لئے کہ وہ پہلے ہی جھوٹا انکار کر چکے تھے، ایسے ہی جھوٹی توبہ بھی کر لیتے) ابوادریس خولانی کہتے ہیں ایک نصرانی کو بھی پیش کیا گیا جو مسلمان ہو چکا تھا اور پھر اسلام سے پھر گیا تھا، حضرت علیؓ نے اس سے بھی دریافت کیا (کہ کیا تو اسلام سے پھر گیا ہے؟) اس نے جو جرم (ارتداد) اس سے سرزد ہوا تھا، اس کا اقرار کرلیا، تو آپؓ نے اس سے توبہ کے لئے کہا، (اس نے توبہ کرلی) تو اس کو چھوڑ دیا۔ اس پر حضرت علیؓ سے سوال کیا گیا کہ: یہ کیا بات ہے؟ آپؓ نے اس نصرانی سے تو توبہ کرائی اور ان زندیقوں سے توبہ نہیں کرائی، حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ: اس نصرانی نے تو اپنے جرم کا اقرار کرلیا (اس لئے میں نے اس کی توبہ بھی قبول کرلی کہ یہ سچا ہے) اور ان لوگوں نے اپنے جرم کا اقرار نہیں کیا، بلکہ صاف انکار کردیا (اور جھوٹ بولا) یہاں تک کہ ان کے خلاف عادل گواہ پیش ہوئے (اور ان کی شہادت سے ان کا جرم اور جھوٹ ثابت ہوگیا) اسی لئے میں نے ان سے توبہ نہیں کرائی (کہ یہ حجت شرعیہ سے جھوٹے ثابت ہو چکے، ان کی توبہ کا بھی اعتبار نہیں)۔

امام احمدؒ نے بھی اس حدیث کو ابوادریس خولانیؒ سے روایت کیا ہے اور انہی ابوادریس خولانیؒ سے ایک اور واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ کے سامنے ایک شخص کو پیش کیا گیا جو نصرانی ہوگیا تھا، حضرت علیؓ نے اس سے نصرانیت سے توبہ

کرنے کے لئے فرمایا، اس نے توبہ کرنے سے انکار کردیا، تو حضرت علیؓ نے اس کو قتل کرادیا۔ اور ایک گروہ کو پیش کیا گیا جو قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے حالانکہ وہ زندیق اور بے دین تھے اور ان کے زندیق ہونے پر گواہ قائم ہوچکے تھے، مگر انہوں نے اس جرم (زندقہ) کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا، اور کہا کہ ہمارا دین تو صرف اسلام ہی ہے (مگر یہ جھوٹ تھا)، حضرت علیؓ نے ان کو قتل کرادیا (اور ان سے توبہ کے لئے نہیں کہا) اس کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا: آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں نے اس نصرانی سے توبہ کے لئے کیوں کہا؟ (اور زندیقوں سے کیوں نہیں کہا؟) میں نے اس نصرانی سے توبہ کے لئے اس لئے کہا کہ اس نے اپنا دین صاف ظاہر کردیا (اور جھوٹ نہیں بولا) اس کے برعکس یہ زندیق جن کے خلاف عادل گواہ قائم ہوچکے تھے (اور ان کا جرم ثابت ہوگیا تھا پھر انہوں نے مجھ سے جھوٹ بولا (اور ارتکاب جرم سے صاف انکار کردیا) اس لئے میں نے ''بینہ'' (شرعی گواہ) قائم ہوجانے کے باوجود انکارِ جرم کرنے پر ان کو قتل کیا ہے۔''

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ جو زندیق اپنے زندقہ کو چھپائے گا اور ارتکاب جرم سے انکار کرے گا اور اس کے خلاف گواہ قائم ہوجائیں گے، اس کو قتل کردیا جائے گا اور اس سے توبہ کے لئے بھی نہیں کہا جائے گا (اس لئے کہ وہ شرعاً مردود القول ہوچکا، اس کی توبہ کا بھی اعتبار نہیں)۔

ایک جاہلانہ اعتراض کا جواب:

مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اگر کوئی جاہل معترض یہ کہے کہ کسی منکر کو مسکت دلائل سے عاجز کئے بغیر قتل کردینا عدلِ پروردگار کے منافی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: اگر ایسا ہے تو مسکت دلائل سے عاجز کردینے کے بعد بھی قتل کرنا عدل کے منافی ہونا چاہئے، اس لئے کہ اس کو ہدایت اور قبول حق کی توفیق دیئے بغیر قتل کرنا بھی تو عدلِ پروردگار کے منافی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ شیطانی وسوسے ہیں ان سے خدا کی پناہ مانگنی چاہئے اور "لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم." پڑھنا چاہئے۔

اس رسالہ کی تالیف کا مقصد تو مذکورہ بالا ہی تھا، مگر اس مسئلہ "تاویل" پر بحث کے دوران کچھ اور بھی مفید نقول اور حوالے بیان ہوگئے ہیں، جو اہم ترین فوائد سے خالی نہیں، مثل مشہور ہی ہے: "بات سے بات نکل آتی ہے۔" اسی لئے اور بھی مناسب ومتعلقہ امور بیان کردیئے گئے ہیں جو انشاءاللہ ناظرین کے کام آئیں گے۔

آخری تنبیہ:

فرماتے ہیں: بہرحال سن لیجئے! جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا دین کے خلاف ہے، اسی طرح کسی کافر کو مسلمان کہنا اور اس کے کفر سے چشم پوشی کرنا بھی دین کے خلاف ہے، یہی اعتدال کی راہ ہے (مسلمان کو مسلمان کہئے اور کافر کو کافر) اس زمانہ میں عام طور پر لوگ افراط وتفریط میں مبتلا ہیں (ایک طرف اچھے بھلے مسلمانوں کو کافر بنانے میں مصروف ہیں، دوسری طرف کھلے ہوئے کافروں کو مسلمان کہنے اور ان کو سینہ سے لگانے میں منہمک ہیں) بے شک سچ کہا ہے جس نے کہا کہ: "جاہل یا حد افراط پر جا چڑھتا ہے یا حد تفریط میں گر پڑتا ہے۔"

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

خاتمہ

حضرت مصنف نور اللہ مرقدہ حاشیہ میں فرماتے ہیں:

''یہ مضمون ختم اور رسالہ تمام ہوا، اس رسالہ کی تحریر سے مقصد صرف اہل علم سے مؤلف کے حق میں حسن انجام اور خاتمہ بالخیر کی دعواتِ صالحہ حاصل کرنا ہے اور بس۔

میں ہوں احقر محمد انور شاہ، ابن معظم شاہ، ابن الشاہ عبدالکبیر، ابن الشاہ عبدالخالق، ابن الشاہ محمد اکبر، ابن الشاہ حیدر، ابن الشاہ محمد عارف، ابن الشاہ علی، ابن الشیخ عبداللہ، ابن الشیخ مسعود الزوری الکشمیری اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائیں۔''

شیخ زوری کے فرزند جلیل کے قلمی مکتوبات میں لکھا ہے کہ:

''ان کے والد بزرگوار بغداد سے ہجرت کرکے ہندوستان آئے، اول ملتان ٹھہرے، اس کے بعد لاہور منتقل ہوگئے، اور لاہور سے کشمیر آکر آباد ہوگئے، واللہ اعلم!''

۱۳۴۳ھ کے صرف چند ہفتوں میں اس رسالہ کی تالیف و ترتیب سے فراغت ہوئی۔

مختلف اسلامی فرقوں میں سے صحیح راستے پر کون ہے؟

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی

اختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم

جس میں ''صراطِ مستقیم'' کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کرتے ہوئے سنی، حنفی، وہابی، دیوبندی، بریلوی اور مودودی فرقوں کے اختلافات کا کتاب وسنت کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے، جس سے ایک متوسط عقل وفہم کے منصف مزاج کے لئے حق کی تلاش اور صحیح و غلط کے درمیان امتیاز کرنے میں کوئی دقت نہیں رہ جاتی۔ نیز فروعی مسائل میں نوعیت اختلاف کی وضاحت اور مسلکِ اعتدال کی نشاندہی، فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، ترجیع اذان، تکبیرات عیدین، مسائل وتر، نماز جنازہ وغیرہ مسائل میں حنفیہ کے موقف کی مدلل تشریح پیش کی گئی ہے۔ علمائے حق اور مسلکِ حق کی صحیح ترجمان، لاجواب کتاب جس کے اب تک بیسیوں ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں، لاکھوں مسلمانوں کی زندگیوں میں انقلاب لانے والی موثر، عام فہم اور دلنشیں تحریر دوست واحباب کو پیش کرنے کے لئے بہترین گفٹ۔